ناصبانِ مُلکِ عضوض

۱۹۶۰ء

حصہ اوّل

تاریخِ معاویہ و یزید

۱۳۸۰ھ

مصنفہ سید نہال احمد نقوی امروہوی
ایم اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ)
ڈسٹرکٹ جج پنشنر

٧٨٦

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم بعد ملک عضوض وقد تم ثلاثون سنۃ بخلافت حسن بن علی ع

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "خلافت میرے بعد
تیس سال تک رہے گی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت ہو جائے گی"
اور یہ تیس سال جناب امام حسنؑ کی خلافت راشدہ پر ختم ہو گئے

"ناصبانِ ملکِ عضوض"

حصہ اول ١٩٦٠ء

"تاریخ معاویہ ویزید"

١٣٨٠ھ

اس کتاب میں اہلسنت کے مذہبی نقطۂ نظر سے امیر معاویہ ویزید کی مملکتِ عضوضہ جائزہ کے
تاریخی واقعات پر بحث لکھی گئی ہے اور نواصب کے بیانات کا رد لکھا گیا ہے

مصنفہ سید نہال احمد نقوی امروہوی

ایم اے۔ ایل ایل بی (علیگ)

ڈسٹرکٹ جج (پنشنر)

ملنے کا پتہ

"کاشانہ" بڑا دربار

امروہہ ، یو پی

پاکستان میں ملنے کا پتہ

مبارک حسن ، اردو بازار ، تعلیمی ادارہ

لاہور (پاکستان)

(سوڈ لیتھو پریس دلی)

فہرست مضامین

ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

(از مصنف)

الحمد لمن منہ البدایہ والیہ النہایہ وبتوفیقہ الرشد والہدایہ والصلوٰۃ علےٰ سیّد المرسلین وخاتم النبیین والسلام علیٰ آلہ المیامین الطّاہرین المنتجبین واصحابہ المکرّمین المھدیین وفقنا لاتباعہم وحشرنا فی زمرتھم یوم الدین۔

استغاثہ بحضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق ومغرب خراب
اے کسِ مابے کسی ما بہ بیں — از درِ خود وابسی ما بہ بیں
رفتہ زدستیم . بروں کن ز بُرد — دستے . دہنمائے یکے دستبرد
توبہ دہ از سرکشی ایام را — باز خر از ناخوشی اسلام را
مہد مسیح از فلک آور بہ زیر — رایتِ مہدیؑ بہ فلک زن دلیر
بے خردے چند زخود بے خبر — عیب پسندند بہ زعم ہنر
دود شوند ار بدماغے رسند — باد شوند ار بہ چراغے رسند
مست ز صہبائے شرارت ہمہ — سینہ پُر از کین وعداوت ہمہ

در حق اولاد تو گفته تبه — روز درخشاں شدہ برما سیہ
اے عربی نسبت و اُمّی لقب — بندۂ تو ہم عجم و ہم عرب
دست خدا بہر خدا باز کن
مرہم دلہائے حزیں ساز کن

(منقول از اوراق رسالہ الفقیہ)

باعث تحریر کتاب ہٰذا انکہ. تاریخ سادات امروہہ ۱۹۳۵ء سنہ ۱۹۳۴ء میں طبع ہو کر شایع ہوئی جس میں مقامی سادات عظام کی تاریخ کے علاوہ بعض دیگر مضامین اہل بیت رسولؐ کے فضائل اور بعض دیگر تاریخی مباحث کے تفصیلی مقالات بھی لکھے گئے تھے۔ ان مقالات کے بعض اندراجات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک کرم فرمانے جن کا نام نامی ڈاکٹر بشیر لطیفی (ایم اے پی ایچ ڈی) ہے اور جو غالباً ایک مشہور ہستی ڈاکٹر المعا لطیفی کے قریبی رشتہ دار ہیں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا جواب اس طرف سے دیا گیا جس پر ڈاکٹر صاحب ممدوح نے جواب الجواب میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرما دیا۔ اس جواب الجواب کا جواب مرتب ہو کر بغرض کتابت دیدیا گیا تھا اتفاقاً بقضائے الٰہی کاتب مذکور فوت ہو گئے اور مدت دراز تک وہاں سے کاغذات کی واپسی کا انتظار کیا گیا اور بالآخرہ تمام مسودات وہاں سے واپس نہ مل سکے۔ اسی زمانہ میں سُنا گیا کہ جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہو کر مستقل طور پر تشریف لے گئے اور اس جواب کی اشاعت کا ارادہ ہم نے بھی مسودات واپس نہ مل سکنے اور بعد از وقت ہو جانے کے خیال سے ترک کر دیا اور معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ اب زمانہ حال میں ان مباحث میں از سرِ نو گرما گرمی اطراف و جوانب میں پیدا ہوئی تو بعض احباب نے ان کے جوابات لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا۔ بعدِ تلاشِ

بسیار اب سے تخمیناً ایک ربع صدی قبل کے لکھے ہوئے بعض وہ مسودات بھی ہمیں اپنے کاغذات میں مل گئے جو ڈاکٹر صاحب موصوف کے جواب میں ہم نے لکھے تھے اور انہیں باضافہ مضامین خاص ہم نے از سرِ نو مرتب کر لیا جس کا حصہ اول طبع ہو کر ناظرین کی خدمات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب میں ہمارے اصل مخاطب تو جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح ہی ہیں۔ مگر کتاب میں بوجہ اضافہ مضامین خاص بعض دیگر مصنفین سے بھی مخاطبہ موجود ہے۔ اور ہم نے کوشش کی ہے کہ اس سلسلے کے مباحث کے مختلف گوشوں پر اپنا نقطۂ خیال یکجائی طور پر واضح کر دیا جائے۔

بعقیدہ مسلمہ اہلسنت جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خلافتِ راشدہ کے ختم ہوتے ہی مملکتِ عضوضہ جائرہ کا آغاز ہو گیا اور چونکہ اس کتاب میں خاص طور پر امیر معاویہ و یزید کی ملوکیت جائرہ کے زمانوں کے مختلف واقعات تاریخی پر مذہبی نقطۂ نظر سے ناصبی نقطۂ نظر کے رد میں بحث مناظرانہ انداز میں لکھی گئی ہے اس رعایت سے اس کتاب کا ایک تاریخی نام "ناصبانِ ملکِ عضوض" اور دوسرا تاریخی نام "تاریخِ معاویہ و یزید" تجویز کیا گیا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس مقام پر ہماری اس کتاب کے چند ماخذوں کے متعلق بھی وضاحت کر دی جائے۔ کتاب کے مطالعے سے ہمارے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ اس میں علمائے متقدمین و متوسطین و متاخرین کے بیانات سے عام طور پر جا بجا استفادہ کیا گیا ہے اور جملہ اعصار و امصار کے اکابر علمائے اہلسنت کے مختارات و بیانات سے تائیداً و تردیداً استدلال کی بنا قائم کی گئی ہے۔ طبقۂ مورخین میں علامہ ابن جریر طبری کو جو مقام ارفع و اعلیٰ حاصل ہے اس سے کسی طرح انکار ہی نہیں کیا جا سکتا

اس سے زیادہ کوئی دوسری کتاب تاریخ مستند و جامع اور مفصل صفحۂ ہستی پر موجود نہیں
ہے اور تمام مسلمان مورخین مابعد کا اسّی بلکہ نوے فی صدی مواد علامہ طبری ہی کی
"ام التواریخ" سے لیا گیا ہے۔ اگر دفتر تاریخ سے علامہ طبری کے ماخذ کو علیحدہ کر لیا جائے تو بالیقین
کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے تاریخ اسلام کا ۳/۴ حصہ جاتا رہے گا۔ بعد میں آنے والے تمام
مورخین مثلاً جزری و ابن خلدون و ابن کثیر و ابو الفدا وغیرہم سب کے سب بلا استثناء
علامہ طبری ہی کے چمنستان تاریخ کے خوشہ چیں اور انہیں کے مائدہ تاریخ کے زلہ ربا ہیں
انہیں کی تاریخ سے اور انہیں کے خوشہ چیں مورخین کی تواریخ سے ہم نے بھی اپنی
اس ناچیز تصنیف میں جا بجا استفادہ کیا ہے۔

کبھی کبھی گروہ نواصب کی طرف سے یہ نحیف آواز بلند ہوتی رہی ہے کہ طبری میں
فی الجملہ تشیع موجود تھا اور زمانۂ حال کے بعض نواصب نے تو یہاں تک بھی لکھ دینے
کی جسارت بے جا کی ہے کہ اب تو یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ طبری غالی رافضی
تھے۔ اگر اس بیان میں کوئی ادنی شائبہ صحت کا بھی تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ
تاریخ و اخبار و سیر کا جو ذخیرہ ہمارے علمائے متورعین و مقبولین ہمارے لئے
چھوڑ گئے ہیں وہ از سر تا پا مشکوک اور قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔ اب سے کئی صدی
پہلے ہی علامہ ذہبی علیہ الرحمہ (جو بقول حضرت سند المحققین حضرت مولانا شاہ عبد الحق
دہلوی علیہ الرحمہ محک نقد رجال ہیں) اپنی مشہور و مقبول کتاب میزان الاعتدال میں
ایسے ہی بیان نواصب کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرما گئے ہیں:- "هذا رجم بالظن
بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين"۔ یعنی یہ ایک فاسد بدگمانی
ہی ہے اور درحقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اسلام کے معتمد ائمہ میں سے ایک جلیل القدر

امام ہیں (ختم) وقال الیافعی فی مراۃ الجنان "ولہ مصنفات الملیحہ فی فنون عدیدہ تدل علیٰ سعۃ علمہ وغزارت فضلہ کان ثقۃ فی نقلہ وتاریخہ اصلح التواریخ" یعنی علامہ یافعی مراۃ الجنان میں تحریر فرماتے ہیں کہ متعدد فنون میں علامہ طبری کی تصنیفات ملیحہ موجود ہیں جس سے ان کی وسعت علم و فراوانی فضل ثابت ہوتی ہے اور اپنی نقل و تاریخ کی حد تک وہ ثقہ ہیں اور بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تاریخ اصح التواریخ ہے (ختم) علامہ داؤدی رح طبقات المفسرین میں تفسیر طبری کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماگئے ہیں :- "ولہ تصانیف العظیمہ منہا تفسیر القرآن وھو اجل التفاسیر لم یولف مثلہ کما ذکرہ العلماء قاطبۃ الخ اور شمس العلما علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور و مقبول تصنیف سیرت النبی میں تحریر فرماگئے ہیں :- تاریخی سلسلے میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجے کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال اور وسعتِ علم کے معترف ہیں ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں ان سے بڑھ کر میں کسی کو بھی عالم نہیں جانتا ہوں (ختم) علامہ طبری پر تشیع کی نسبت کی تحقیق کے بعد حضرت العلامہ ابوالکلام آزاد دہلوی نے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے وہ یہ ہے :- "نتیجہ یہ نکلا کہ متلہ مسح قدمین کی وجہ سے ان کو (طبری کو) تشیع کا الزام دیا گیا ہے اس سے زیادہ اس کی اصلیت نہیں ہے (الہلال مورخہ ۱۲ ۱/۱۳ء صفحہ ۱۳) الغرض اس قسم کے صدہا بیانات علامہ طبری کی توثیق اور ان کے جلیل القدر عالم اہلسنت ہونے کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں کوئی مخالف عنید کتنا ہی کہے جائے کہ طبری شیعہ یا رافضی تھے مگر جو مقام ارفع و اعلیٰ

علمائے کرام اہلسنت میں علامہ طبری کو حاصل ہو چکا ہے وہ اپنی جگہ ہی قائم رہے گا۔ ہم نے بھی بہ تقلید علمائے کرام اہلسنت تاریخی مباحث کی حد تک جابجا اپنی اس ناچیز کتاب میں علامہ طبری کی اس اصح التواریخ سے استفادہ کیا ہے۔

ایسے ہی مخلوط تاریخی و مذہبی بحث، اس کتاب کے مطالعے سے ناظرین پر واضح ہو سکے گا کہ اس قسم کے مباحث میں بھی ہم نے ہر عہد کے علمائے اعصار و امصار اہلسنت سے تائیداً و تردیداً استفادہ کیا ہے مثلاً علامہ ابن حجر مکی و ابن حجر عسقلانی و ابن تیمیہ و جناب محقق اعظم دہلوی مولانا شاہ عبد الحق و جناب شاہ ولی اللہ دہلوی و خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب و سند المتکلمین جناب مولانا حیدر علی صاحب منتہی الکلام وغیرہم۔ آخر الذکر دو ہستیوں کو مناقشات بین المسلمین کے مختلف مباحث کی ترتیب تدوین میں عزت و شہرت کا جو مقام اعلیٰ حاصل ہوا ہے وہ ہرگز محتاج بیان نہیں ہے مختصر یہ کہ جو خدمات مذہب اہلسنت کی ان دو بزرگان متاخرین اہلسنت نے خاص ان مباحث کی حد تک انجام دی ہیں ان کی نظیر متقدمین و متوسطین و متاخرین میں سے پیش نہیں کی جا سکتی ہے ان میں سے ایک علامہ عزیز و جلیل جناب خاتم المحدثین رحمہ نے اپنی تصنیف منیف تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرما کر ایسی عالمگیر شہرت و عزت حاصل فرمائی جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ اب تک اس کتاب مستطاب کے تین ترجمے عربی و ترکی زبان میں طبع ہو کر ممالک عربیہ و ترکیہ میں شائع ہو چکے ہیں از انجملہ ایک عربی ترجمہ راقم الحروف کے مطالعہ میں بھی آیا۔ اردو میں بھی اس کتاب کے ترجمے طبع ہو چکے ہیں اور مذہبی مناظرے کی تو کوئی ایک کتاب بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں اس کتاب کی منقولات سے جابجا استناد نہ کیا گیا ہو۔ سنا تھا کہ ممالک جاوا وغیرہ میں بھی وہاں کی مروجہ زبان میں اس کتاب کا

ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ جماعت مخالف یعنی برادران شیعہ کی جانب سے بھی اس کتاب کی اہمیت کے اعتراف کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ اب تک غالباً چالیس مجلدات میں اس کتاب کا رد طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اور افاضل و اکابر مجتہدین عظام جماعت شیعہ نے سوائے اس ایک کتاب کے کسی دوسری کتاب کے رد میں آج تک بھی ایسا اہتمام بلیغ نہیں کیا۔ اس مضمون خاص کی حد تک جو عالمگیر شہرت تحفہ اثنا عشریہ کو حاصل ہو چکی ہے وہ کسی دوسری کتاب کو عالم اسلام میں اب تک بھی حاصل نہیں ہو سکی اسی طرح جناب سند المتکلمین مولانا حیدر علی طاب ثراہ کی تصنیفات میں سے جیسی ہندوستان گیر شہرت منتہی الکلام اور ازالۃ الغین کو حاصل ہوئی ہے سوائے تحفہ اثنا عشریہ کے کسی ایک کتاب کو بھی اس مضمون خاص میں کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ جناب مجتہد اعظم شیعہ نے منتہی الکلام کے رد میں مشہور و معروف کتاب استقصاء الافحام تحریر فرمائی جس کا شہرہ ہندوستان سے ایران تک ہے اور شیعی نقطۂ نظر سے لاجواب کتاب اس مضمون کی حد تک سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے اپنی اس ناچیز تصنیف میں حضرت خاتم المحدثین اور جناب سند المتکلمین علیہما الرحمہ کے مقالات عالیہ سے خاص طور پر مستفید ہونے کی سعی کی ہے اور دیگر علمائے متبحرین اہلسنت کے مقالات کے پہلو بہ پہلو ان دونوں بزرگان اہلسنت کے بیانات سنداً اس کتاب میں جابجا پیش کئے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اگر اس کتاب کی عبارات میں کوئی مضمون یا کوئی فقرہ یا کوئی لفظ برادران شیعہ یا برادران اہل سنت میں سے کسی کی ناگواری کا باعث ہوا ہو تو ہم بصد ادب اس کے لئے معافی خواہ ہیں اور ہم نے خاص طور پر اس کا خیال رکھا ہے کہ حتی المقدور شوخ و تیز و تلخ الفاظ کام میں نہ لائے جائیں اور جو زبان ہمارے مخاطبین نے استعمال کی ہے ہمارے جوابات میں اس سے زیادہ شوخی و گرمی نہ پیدا ہونے پائے

مخاطب کی عبارات کا خلاصہ جا بجا لکھنے کے لئے ہم اس لئے مجبور ہوئے کہ اگر عبارت مخالف کا کامل متن نقل کیا جاتا تو اس کتاب کی ضخامت میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہو جاتا مگر خلاصہ کلام مخاطب تحریر کرنے میں ہم نے خاص طور پر اس کا خیال رکھا ہے کہ مخاطب کا طرز استدلال واضح طور پر ہر ناظر کے ذہن نشین ہو جائے اور ہم نے خاص طور پر اس کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ اہلسنت کے مختلف مکاتب خیال کے علماء کا نقطۂ نظر بحث میں واضح کر دیا جائے۔

اب آخر میں ہم اپنی علمی کم مایگی بلکہ بے مایگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے اس مختصر مقدمے کو شاعر شیریں سخن کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

آل النبی ذریعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجو بہم اعطی غداً بیدی الیمین صحیفتی

(کلام امام شافعی رح

احقر العباد

سید نہال احمد نقوی

کاشانہ۔ بڑا دربار۔ امروہہ
غرہ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

کیا جناب امیر کی خلافت ناکارہ تھی اور آپ منصب خلافت کے اہل نہ تھے

خلاصۂ کلام مخاطبہ عالی مقام:۔ (۱) چونکہ جناب امیر کی بیعت خلافت میں قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا اس لئے اکابر صحابہ نے آپ سے بیعت نہیں کی (۲) جناب امیر علیہ السلام نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا جو شرعاً واجب تھا اور چونکہ مفسدین کی جماعت جناب امیر کی بیعت میں شریک تھی قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا (۳) چونکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی بیعت سے گریز کیا آپ کی بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی اور امت کی اکثریت آپ کی بیعت سے خارج رہی (۴) جب تک جناب امیر برسر اقتدار رہے مسلمانوں میں باہم تلوار چلتی رہی اور فتوحات ملکی کا قطعاً سدباب ہو گیا اس طرح نہ تو آپ کی خارجہ حکمت عملی کو کامیاب کہا جا سکتا ہے اور نہ امور داخلہ میں آپ کامیاب ہو سکے (ختم)

الجواب:۔ اس مقالے میں پہلی بحث یہ ہے کہ کیا جناب امیر علیہ السلام کی بیعت میں قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا اور اس لئے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے بیعت ہی نہیں کی۔ ہمارا جواب اس بیان کی حد تک یہ ہے کہ یہ دعویٰ از سرتاپا غلط ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کی بیعت قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ہرگز منعقد نہیں ہوئی اور نہ صرف اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم و جملہ مہاجرین و انصار موجودین مدینہ بلکہ جمیع مسلمین عراق و عرب وغیرہ کی بیعت سے خلافت حقہ مرتضویہ کا انعقاد و انتظام

ہوا تھا البتہ امیر معاویہ کی جماعت اس بیعت سے خارج رہی جو جماعت بغاۃ شام کہلاتی جاتی ہے۔ تمامی افاضل و اکابر صحابہ رض و جمیع مہاجرین و انصار اور تمامی اعیان و اشراف و عوام حجاز و عراق وغیرہ بطیب خاطر آپ کی بیعت حقہ سے مشرف ہوئے، البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک جماعت مخالفین حضرت عثمان رض (نہ کہ قاتلین حضرت عثمان رض) کی بھی آپ کی بیعت میں دیگر صحابہ و عامہ مسلمین کے ساتھ شریک تھی اور ان مخالفین میں ایک جماعت کثیر صحابہ کی بھی شامل تھی

حضرت عثمان رض کے قتل کے بعد جب جناب امیر ع سے بیعت خلافت کی استدعا کی گئی تو آنجناب نے منصب خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد جب اصحاب بدر اور دیگر افاضل و اکابر صحابہ رض و عامہ مسلمین کی طرف سے آپ پر مسلسل زور دیا گیا تو امت کے خاص حالات پر نظر کرتے ہوئے بنظر اصلاح حالات آپنے بالآخر اس منصب کو قبول فرما کر سریر خلافت کو زینت بخشی۔ یہ تمام واقعات کتب تواریخ و حدیث و تذکرہ وغیرہ میں تحریر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے بھی اپنی مشہور و مقبول تاریخ کی جلد سوم میں تصریح کر دی ہے کہ ابتداءً جب بعض بلوائیوں نے جناب امیر ع سے استدعائے بیعت کی تو آپنے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد جماعت مہاجرین و انصار وغیرہ کی طرف سے جب استدعا کی گئی تب بھی آپنے قبول خلافت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں امیر بننے کے مقابل وزیر بننا پسند کرتا ہوں اور جو شخص بھی خلیفہ بن جائے میں اس کی بیعت کروں گا۔

جابجا کتب تواریخ میں یہی بیان درج ہوتا چلا آرہا ہے۔ ان حالات میں یہ دعوی کہ جناب امیر ع کی بیعت خلافت میں قاتلین عثمان کا ہاتھ تھا سراسر باطل اور صحت سے عاطل ہے۔ امام المورخین علامہ طبری نے اپنی مشہور "جامع التواریخ" میں بیعت خلافت کو تفصیل کے تمام واقعات غایت شرح و بسط سے تحریر فرمائے ہیں اور جملہ مورخین مابعد نے اسی مشہور کتاب تاریخ کو اپنا نوشتہ علم قرار دیکر اپنی اپنی تصنیفات

تالیفات میں اندراجات کیے ہیں۔ ان تمام بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ و عامہ مسلمین نے بار بار باوجود انکار جناب امیرؑ آپ سے بیعت کر لینے پر اصرار شدید کیا اور کہا کہ لا نجد الیوم احق بھذا الامر منک لا اقدم سابقۃ ولا اقرب من رسول اللہ فقال لا تفعلوا فانی اکون وزیرا خیر من ان اکون امیرا فقالوا لا واللہ ما نحن بفاعلین حتی نبایعک ۔۔ فلما دخل المسجد دخل المهاجرون والانصار فبایعوه ثم بایعه الناس (طبری صفحہ ۱۵۲ ج۲) یعنی اصحاب رسولؐ نے جناب امیرؑ سے عرض کیا کہ اس وقت بلحاظ آپکے سوابق اور بلحاظ قرابت رسول آپ سے زیادہ خلافت کا اور کوئی بھی مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسکے جواب میں جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں بحیثیت ایک وزیر کے بہتر حالت میں ہوں گا بمقابل امیر بن جانے کے۔ اس پر اصحاب رسول نے باصرار کہا کہ ہم آپ کی بیعت کر کے رہیں گے ۔۔۔ پھر جناب امیر مسجد میں داخل ہوئے تو مہاجرین و انصار بھی داخل ہوئے اور جناب امیرؑ سے بیعت کر لی اور اس کے بعد عامہ مسلمین نے بھی بیعت کی اختم۔ اس کے بعد چند سطور کے فصل سے بعض اکابر اصحاب رسولؐ کی بیعت کا حال اس مشہور و مقبول کتاب تاریخ میں درج ہے فدخلوا فیھما طلحہ والزبیر فقال یا علی ابسط یدک فبایعه طلحہ والزبیر یعنی طلحہؓ و زبیرؓ نے جناب امیر سے ہاتھ پھیلانے کی استدعا کی اور آپکے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

الغرض یہ روایات الفاظ کے خفیف اختلاف سے کتب تواریخ میں درج ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی موجودگی میں ہم ایک لمحہ کے واسطے بھی یہ باور نہیں کر سکتے کہ قاتلین عثمانؓ کی بیعت سے جناب امیر کی خلافت منعقد ہوئی تھی دوسرے یہ کہ حضرت عثمان کے قاتل یا قاتلین کا تو پتہ ہی نہ چل سکا۔ خود جناب امیرؑ نے اس کی باقاعدہ دریافت اور تفتیش کی تھی مگر جناب نائلہ زوجہ حضرت عثمانؓ جو اس واقعہ قتل کی شاہدہ عینی تھیں کسی قاتل کا نام بیان کرنے میں یا بطور دیگر اس کی شخصیت کے متعین کرنے میں قاصر رہی تھیں۔ پس ان حالات میں یہ بیان ہرگز ہرگز قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کہ قاتلین عثمانؓ کی تحریک یا ان کی بیعت سے جناب امیرؑ کی

انعقاد و انتظام خلافت مرتضوی پر جناب شاہ ولی اللہ کا مسلک

خلافت قائم ہوئی تھی البتہ یہ ضرور صحیح ہے کہ اصحاب بدر و مہاجرین و انصار و دیگر صحابہ و عامہ مسلمین کی جماعت بیعت کنندگان میں مخالفین حضرت عثمان رض میں سے بھی بعض افراد موجود تھے اور ان مخالفین عثمان رض میں ایک جماعت صحابہ رسول کی بھی تھی اور اسی جماعت صحابہ رض میں بعض اکابر صحابہ کا نام بھی لیا جاتا ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔

الغرض یہ وضاحت ہو جانے کے بعد کہ جناب امیر رض اپنی طرف سے خلافت کے خواہشمند نہ تھے اور اصحاب جماعت عشرہ مبشرہ رض و اصحاب بدر و دیگر اصحاب کرام مہاجرین و انصار و عامہ مسلمین کی بار بار استدعا پر بیعت لینے کے لئے آمادہ ہوئے اور آپ کی بیعت عامہ میں قاتلین عثمان کا کوئی ہاتھ نہ تھا ہم اس مقالے کی دوسری بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے مسلک کے تعلق سے لکھی جاتی ہے۔

مخاطب عالی مقام جناب شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی بعض عبارات نقل کرکے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ خلافت جناب امیر علیہ السلام منعقد ہی نہیں ہوئی اور جناب امیر خطائے اجتہادی کے بھی مرتکب ہوئے ازالۃ الخفا کی مندرجہ ذیل عبارات سے جناب مخاطب نے استدلال فرمایا ہے:۔

(۱) خلافت برائے حضرت مرتضیٰ رض قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ (اس کا ترجمہ مخاطب نے اس طرح لکھا ہے:۔ خلافت جناب امیر کیلئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد کی بنا پر اور مسلمانوں کو نصیحت کی غرض سے جناب امیر سے بیعت نہیں کی۔

(۲) دوم آں کہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰ رض قادر است بر اخذ قصاص ذی النورین رض و اخذال نمی کند بلکہ مانع آں است و حضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمودہ (اس کا ترجمہ مخاطب نے اس طرح درج فرمایا ہے) دوسرے یہ کہ قصاص لینا برحق ہے اور جناب امیر اس پر قادر تھے کہ حضرت عثمان کا قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہیں لیا بلکہ مانع ہوئے جناب امیر نے بھی

خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

(ختم)

ہمارے مخاطب نے ازالۃ الخفا کی ان دو عبارات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بعقیدۂ شاہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت امیر کی خلافت وجوہ مندرجہ کی بنا پر منعقد ہی نہیں ہوئی مگر مخاطب خوش فہم کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ازالۃ الخفا کے اس مقام کی عبارت ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو سکے گا کہ شاہ صاحب اپنے یا اہل سنت کے کسی عقیدہ یا مختار کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ عبارات شاہ صاحب نے کسی دوسرے مقصد کے اظہار کے لئے درج فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو اردو متن ازالۃ الخفا کی ان عبارات کا:- "حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر رض کی خطائی الاجتہاد اور ان کا معذور ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ شبہ سے متمسک تھے اگرچہ اس کے مقابل دوسری دلیل کو ترجیح حاصل تھی (ہر چند دلیل دیگر ارجح از وے بود) اس شبہ کے پیدا ہونے کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ خلافت حضرت علی کے لئے قائم نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ اہل حل و عقد نے غور و فکر اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے (جناب امیر سے) بیعت نہیں کی تھی (ختم) اس حصہ متن کے ملاحظہ سے بخوبی عیاں ہے کہ حضرت طلحہ و زبیر نے اپنے بے جا عمل سے جس خطائے اجتہادی کا ارتکاب کیا تھا وہ شبہ کی بنا پر تھا جس کے دو اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کے (غلط) خیال میں جناب امیر کی خلافت قائم نہیں ہوئی تھی اس مفروضہ پر کہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے بیعت نہیں کی تھی پس واضح طور پر معلوم ہوا کہ جو عبارت ہمارے مخاطب نے استدلال میں پیش کی ہے اس سے حضرت طلحہ رض

وغیرہ کے بے جا شبہ اور خطائے اجتہادی کا ایک سبب ظاہر ہو رہا ہے۔
شاہ صاحب اپنا یا اہلسنت کا کوئی عندیہ یا مختار اس مقام پر ظاہر نہیں فرما رہے ہیں بلکہ وہ تو ناکثین بیعت کی خطائے اجتہادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے ان کی غلط فہمی اور بے راہ روی اور بے جا شبہ کا اظہار ہی فرما رہے ہیں۔

رہی دوسری عبارت مندرجہ بالا ازالۃ الخفا کی۔ وہ بھی اسی سلسلہ میں جناب شاہ صاحبؒ نے درج فرمائی ہے وہ یہ کہ دوسری غلط فہمی ان لوگوں کو اس شبہ بے جا کی بنا پر یہ ہوئی کہ باوجود قدرت جناب امیر قاتلین عثمان سے قصاص لینے میں تامل کر رہے ہیں۔ اس عبارت کا آخری فقرہ یہ ہے "و حضرت مرتضیٰ رض نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمودہ" اس کا ترجمہ مخاطبہ نے یہ لکھا ہے کہ "حضرت امیر نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا" یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جناب امیر بھی ان مخالفین کی خطائے اجتہادی کے معترف یا قائل تھے۔

حاصل کلام یہ کہ ازالۃ الخفا کی ان دونوں اقتباسات مذکورۂ بالا سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ ناکثین کی خطائے اجتہادی ان دو شبہات پر مبنی تھی کہ جناب امیرؑ کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی اور دوسرا شبہ یہ تھا کہ جناب امیر باوجود قدرت حاصل ہونے کے قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیتے ہیں۔ ان عبارات میں جناب شاہ صاحبؒ کا کوئی عندیہ یا اہل سنت کا کوئی مختار جناب امیرؑ کی خلافت منعقد ہونے کا بیان نہیں ہوا ہے اور نہ عدم انعقاد خلافت مرتضوی کے اثبات میں ان دونوں اندراجات کو پیش کرنا کسی طرح بھی جائز سمجھا جا سکتا ہے۔

ہمارے مخاطب خوش فہم نے عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ کے

کے ان بیانات سے یہ ثابت کرنے کی سعی نامحمود کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی ذات اقدس میں عام مسلمین کے لئے ایسی کوئی خاص کشش نہ تھی کہ لوگ آپ کی طرف رجوع ہوتے اسی لئے اکثر وبیشتر جماعت مسلمین نے آپ سے بیعت نہیں کی اور نہ آپ کی حکمت عملی ہی لوگوں کو اپنی طرف راغب کرسکی غرض کہ جناب امیر میں اتنی صلاحیت ہی خلافت کی نہ تھی۔ اسی وجہ سے آپ پر خلافت منتظم نہ ہوسکی۔ اس کے جواب میں ہم اپنی طرف سے تو کیا عرض کریں خود جناب ممدوح الشان حضرت شاہ ولی اللہ رح کا ایک کلام ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں جس سے جناب ممدوح کے عندیہ کے ساتھ ہی ساتھ اہل سنت کے مختار کی بھی وضاحت ہوجائے گی۔

جناب محدث مذکور علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :- "ناظرین اس بحث میں غلطی میں نہ پڑیں اور اس دقیق نکتے کو بغور سمجھیں اور اسے اس کے محل پر ہی رکھیں نہ کہ غیر محل پر میری غرض اس نکتے کے بیان سے یہ نہیں کہ حضرت علی خلیفہ نہ تھے یا شرعاً آپ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی اور یا ان حروب اور جنگوں میں جو آپ کو پیش آئیں آپ کی سعی بوجہ اللہ نہ تھی اعوذ باللہ من جمیع ما کرہ اللہ ... الخ" (ازالۃ الخفا خاتمہ مقصد اول) اس عبارت میں جناب شاہ صاحب رح نے حضرت امیر کی خلافت راشدہ حقہ کا انعقاد علی وجہ الشرعی بوضاحت تمام تسلیم فرمالیا ہے اور مخالفین سے جناب امیر نے جو جو محاربات کئے ان سب کو بھی جناب شاہ صاحب نے لوجہ اللہ تسلیم فرمالیا۔ صرف یہی ایک اندراج ان تمام نواصب کے لئے ایک مسکت جواب ہے جو جناب شاہ صاحب رح کی بعض عبارات سے خلافت مرتضوی کے خلاف بعض اوقات استدلال کرنے کی جسارت بے جا کرتے رہتے ہیں۔ جناب

مولائے مومنین کرم اللہ وجہ کی خلافت راشدہ کا اپنے وقت پر انعقاد و انتظام
اہلسنت کا ایک لازمی اور بنیادی عقیدہ ہے۔ ہمیں سخت حیرت بعض سنی نماؤں
سے اس بیان پر ہوتی ہے کہ جناب امیر کی خلافت منعقد و منتظم ہی نہیں ہوئی۔ اور
مزید حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اس بے اصل دعوے پر عارف باللہ جناب شاہ ولی اللہ رح
کے کلام سے استدلال کیا جاتا ہے اور قطعاً اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ ادھر جناب
امیرؑ کی خلافتِ راشدہ کی حقیقت و انعقاد و انتظام میں ادنیٰ شک یا وسوسہ پیدا
ہوا اور ادھر عقیدہ تسنن رخصت ہوا، بار بار مختلف طریقوں سے اور پوچ دلائل بیان
کر کے کہا جاتا ہے کہ جناب امیر کی خلافت منتظم و منعقد ہی نہیں ہوئی۔ نعوذ
باللہ من ھذہ العقیدۃ الواھیۃ۔

ایک مقام پر جناب شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ـــ "سادات
اہلبیت کی خلافت سوائے حضرت علی مرتضیٰ کے کبھی منتظم نہیں ہوئی" (ازالۃ الخفا مقصدِ
اول مقدمہ دوم از دلائل عقلی)، الغرض شاہ صاحب رح نے بار بار اپنی تصانیف اور
تحریرات میں انعقاد و انتظام خلافتِ حضرت مرتضوی پر استدلال فرمایا ہے اور یہ ایک
اتہام ہی اتہام جناب شاہ صاحب کی ذات اقدس پر ہے کہ آنجناب انعقاد
و انتظام خلافت مرتضوی کے معتقد نہیں ہیں۔ ابھی ہمارے ناظرین نے جناب
شاہ صاحب رح کی منقولہ عبارت میں یہ دیکھ لیا کہ اس عقیدۂ واہیہ سے
جناب شاہ صاحب رح یہ لکھ کر استعاذہ فرما رہے ہیں کہ اعوذ باللہ
من جمیع ما کرہ اللہ۔ اسی لئے ہم بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں
کہ اعوذ باللہ مما استعاذ منہ عبادہ

المخلصون۔

جناب شاہ صاحب ممدوح الشان ایک مقام پر ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس بنا پر ابن عمرؓ نے امیر معاویہ سے کہا تھا کہ خلافت کے تم سے زیادہ مستحق وہ لوگ تھے جو تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کی خاطر لڑے تھے (بخاری شریف) اور اسی پر عبدالرحمٰن بن اشعری فقیہ شام کا وہ کلام مبنی ہے جو ابو عمرؒ نے اپنی کتاب الاستیعاب میں درج کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو درداؓ جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے درمیان قاصد تھے جب حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خدمت میں امیر معاویہ کا یہ پیغام لے کر آئے کہ آپ اپنی خلافت کے لئے ایک مشورہ عام کیجئے تو حضرت علی نے فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم میرے پاس یہ پیغام لے کر آئے ہو کہ میں خلافت چھوڑ دوں اور مشورہ کروں تمہیں معلوم ہے کہ تمام مہاجرین و انصار و اہل حجاز و عراق نے میری بیعت کر لی ہے اور جو لوگ میری بیعت کر چکے ہیں وہ بیعت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں اور معاویہ کو کیا حق ہے کہ وہ مجھ سے مشورہ قائم کرنے کو کہتے ہیں حالانکہ وہ خود طلقا میں سے ہیں اور طلقا کی خلافت جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو درداء اپنی اس پیغام رسانی پر نہ صرف نادم ہی ہوئے بلکہ توبہ بھی کر لی (ازالۃ الخفا حصہ اول صفحہ ۳۰۰)

اور جناب عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ پر ہی کوئی حصر نہیں ہے خلافت رسول کی حد تک اہلسنت کا یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ جناب امیر اپنے وقت میں خلیفہ راشد برحق ہیں۔ بعقیدہ اہل سنت آپ کی خلافت راشدہ

کا انعقاد و انتظام دو طریقوں سے عمل میں آیا. جناب شاہ صاحب ممدوح الشان تحریر
فرماتے ہیں :- اکثر اہلِ علم کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں جس قدر مہاجرین و انصار موجود
تھے ان سب نے آپ سے بیعت کر لی تھی اور ان کی بیعت سے آپ کی خلافت منعقد ہوئی
چنانچہ جناب امیرؓ نے جو مراسلات اہل شام کو تحریر کئے ہیں ان سے اس کی تائید ہوتی
ہے اور بعض (اہل علم) بیان کرتے ہیں کہ آپ کی خلافت شوریٰ سے منعقد ہوئی تھی
کیوں کہ حضرت عثمان کی انعقاد خلافت کے لئے جو مشورہ ہوا تھا اس میں (اولی) حضرت امیرؓ او
(بعد میں) حضرت عثمان کے درمیان انعقاد خلافت منحصر ہو چکا تھا (ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۸۱)

اسی کتاب کے دوسرے مقام پر جناب شاہ صاحب ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں
:- بکثرت احادیث میں بیان ہوا ہے کہ بعد وفات رسول خلافت نبوت و خلافت رحمت
ہو گی پھر شخصی مملکت ہو جائے گی. آنحضرت کے بعد ہی خلفائے اربعہ کی حکومت قائم
ہوئی لہٰذا ان کی خلافت خلافت نبوی خلافت رحمت تھی. اگر خلفائے راشدین کی سیرت
انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے مشابہ نہ ہوتی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و
خلافت رحمت کس طرح ہو سکتی تھی. نیز بکثرت احادیث مستفیضہ میں آنحضرت صؐ نے
بیان فرمایا ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی. سفینہؓ نے اس کی تفسیر خلفائے
راشدین سے کی ہے اور عقل بھی اس کی شہادت دیتی ہے کیونکہ مطلق ریاست و امارات
اسلامیہ کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے پس خلفائے راشدین ہی کی خلافت
خلافت راشدہ تھی نہ شخصی یا جبری سلطنت اور اسی لئے آنحضرت صؐ نے ان کی مدح فرمائی
ہے اور خلافت عصبیہ کسی طرح لائق مدح نہیں ہو سکتی (ازالۃ الخفا فصل ہشتم)
یہی وہ عقائد ہیں جو مسلمہ اہل سنت اور خلافت رسول کی حد تک ان کے

بنیادی عقائد بیان کئے جاتے ہیں۔ انہیں عقائد ثابت شدہ کا اظہار جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیفات عالیہ ازالۃ الخفا و حجۃ اللہ البالغہ و تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں صدہا مقامات پر کیا ہی۔ ہم نے صرف ازالۃ الخفا ہی کے چند مقامات سے جناب شاہ صاحبؒ کا مسلک ظاہر کیا ہے اور زیادہ تفصیل و تشریح کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے عقیدے میں جو جمہور اہلسنت ہی کا مشہور و مقبولہ عقیدہ ہے جناب امیرؑ کی خلافت اپنے وقت میں خلافت راشدہ حقہ اور خلافت نبوت و خلافت رحمت تھی۔ نواصب کتنا ہی شور مچائیں اور شاہ صاحبؒ کی ذات والا صفات پر کتنے ہی اتہام کیوں نہ تراشیں مگر شاہ صاحب رحؒ کا عقیدہ مقبولہ متعارفہ اپنی جگہ پر ہی ہوا اور رہے گا جس سے بخوبی ظاہر ہے کہ تمامی اہل حجاز و عراق و جمیع مہاجرین و انصار کی بیعت سے نیز شوریٰ سے جناب امیر کی خلافت حقہ راشدہ کا انتظام و انعقاد ہوا اور یہ ہمارے بنیادی عقائد مسلمہ میں داخل ہے۔

ابن تیمیہ اور خلافت جناب امیر علیہ السلام

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے بیان سے استدلال پیش کرنے کے بعد ہمارے مخاطب والا مقام نے ابن تیمیہ کی بعض تصریحات پیش فرماتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی سعی بے سود کی ہی کہ جناب امیرؑ کی خلافت ایک ناکام خلافت تھی قبل اس کے ہم ابن تیمیہ کے بیانات زیر بحث کو نقل کریں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کا تعارف ناظرین اوراق ہذا سے مختصر طور پر کرا دیا جائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے تو اس ملک کے باشندوں کو تعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ابن تیمیہ کے نام سے اس ملک کے افراد سوائے خال خال اہل علم کے بہت کم واقف ہیں۔

ابن تیمیہ کا شمار تو ضرور اہلسنت میں ہوتا مگر یہ ایک خاص مکتب خیال کی ترجمانی کرتے ہیں، خلفائے اربعہ راشدین کی خلافت حقہ کے تو منکر نہیں ہیں اور اپنے مقالے میں جس کا نام الوصیۃ الکبرٰی ہے تحریر فرماتے ہیں کان امیرالمومنین علی ابن طالب اخر خلفاء الراشدین المھدیین" اور اسی مقالے میں اپنا یہ خیال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ:۔ امیر معاویہ سے آپ کی جو جنگ ہوئی ہے اس میں آپ حق سے زیادہ قریب تھے اس لحاظ سے ان کا شمار تو ضرور اہل سنت میں ہوتا ہے۔ مگر ان کی تحریرات سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ خاندان عالی شان اہل بیت نبوی اور اس سلسلۃ الذہب کے افراد طیبین وطاہرین سے ان کو وہ عقیدت نہیں ہے جس کا اظہار ہمارے علمائے اعلام ومشائخ عظام عام طور سے کرتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر ائمہ طاہرین اہل بیت کی تنقیص وتوہین کر دینے میں بھی انہوں نے باک نہیں کیا۔ مثلاً ایک مقام پر یہ لکھتے ہیں کہ امام علی نقی وحسن عسکری علیہما السلام کے زمانے میں مشاہیر حفاظ و جامعین حدیث موجود تھے مگر ان سے کسی نے بھی اخذ حدیث نہیں کیا۔ ایک مقام پر ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں کہ علمائے اہلسنت میں زفرادر دارمی تھے اور امام علی نقی وحسن عسکری پر واجب تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی شاگردی کرتے۔ اسی طرح ایک مقام پر انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے تلمذ کی بحث لکھتے ہوئے یہ خیال ظاہر کر دیا ہے کہ ابو حنیفہ امام جعفرؓ کے ہمسرا در ہم عصر تھے۔ لہذا ان کی شاگردی کیوں کرتے ان کی اسی قسم کی بے اعتدالیوں پر علمائے اہل سنت نے جابجا اظہار

بیزاری کیا ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کی شاگردی پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے شمس العلما علامہ شبلی نعمانی صدر ندوۃ العلما لکھنؤ نے جو چودھویں صدی ہجری کے مشاہیر محققین و مصنفین میں سے ہیں اپنی مشہور و مقبول کتاب سیرت النعمان میں۔ اس شاگردی پر بحث لکھتے ہوئے تحریر فرما دیا ہے کہ :- "یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں انہیں جعفر صادق ؑ سے کیا نسبت، حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں و صاحب البیت ادری بما فیھا (سیرۃ النعمان صفحہ ۲۷) ابن تیمیہ ایک بڑے عالم تو ضرور تھے مگر اجتہادی اختلافات کی بنا پر ان کے ہم عصر علما نے ان کو کافر تک قرار دیدیا تھا۔

الغرض جہاں تک دیکھا گیا خاندان اہل بیت طاہرین سے ابن تیمیہ نے اس حسن عقیدت کا اظہار ہرگز نہیں کیا جس طرح مشاہیر اہلسنت عام طور پر کرتے آئے ہیں اور جو اہلسنت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے اسی لئے جا بجا علمائے کرام نے انہیں گستاخ اور خیرہ چشم وغیرہ تک لکھ دیا ہے اگر ائمہ طاہرین اہل بیت سے یہ اظہار عقیدت نہ بھی کرتے اور بات یہیں تک رہتی تب بھی غنیمت تھا۔ مگر غضب یہ ہوا کہ یہ خدام آئمہ طاہرین کی تنقیص و توہین میں بھی کوتاہی نہیں کرتے ہیں حالانکہ علمائے ثقات و مشائخ عظام اہل طریقت نے ائمہ طاہرین کے اس سلسلے کو سلسلۃ الذہب کا پاکیزہ لقب دیا ہے۔ خاتم المحدثین و سند المحققین جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنی معرکہ آرا تصنیف حنیف تحفہ اثنا عشریہ میں ان ائمہ طاہرین اہل بیت علیہم السلام کے متعلق

عقیدہ اہل سنت ائمہ اہلبیت اہل سنت کے متعلق

عقیدت اہلسنت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:- "ونیز ائمہ اہلبیت مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا ہمہ مقتدایان و پیشوایان اہلسنت بودہ اند کہ علمائے ایشاں مثل زہری و امام ابو حنیفہ و مالک تلمذ از انجناب کردہ اند و صوفیائے ایں وقت مثل معروف کرخی رح وغیرہ از انجناب فیض اندوختہ و مشائخ طریقت سلسلہ ایں حضرات را سلسلۃ الذہب نامیدہ و محدثین اہل سنت ازاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر و سلوک دفتر دفتر احادیث روایت کردہ۔ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۱۸) مطلب یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک ائمہ اہلبیت پیشوائے اہل سنت ہیں اور اہل سنت کے ائمہ مجتہدین مثل ابو حنیفہ و مالک وغیرہ اور اکابر صوفیہ مثل معروف کرخی رح نے ان سے فیض حاصل کیا ہے اور اس سلسلے کا نام سلسلۃ الذہب رکھا ہے اور محدثین اہل سنت نے ان سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں بکثرت احادیث کے دفتر کے دفتر روایات میں مرتب کئے ہیں (ختم)

اسی کتاب میں جناب محدث ممدوح الشان رح دوسرے مقام پر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:- "و جمیع سلاسل صوفیۂ اہلسنت در طریقت منتہی می شوند بائمہ اہلبیت پس ایں ہا پیران جمیع طوائف اہل سنت اند و معلوم است کہ نزد اہلسنت عظمت و مقدار پیر در چہ مرتبہ است و بہ چہ حد محبت پیراں می کنند و بغض و اہانت او را ارتداد طریقت می دانند و حالا بنظر انصاف باید دید کہ مدار اہلسنت نیست الا بہ شریعت و طریقت و ہمیں دو امر را مواقع ریاست و بزرگی می شمارند و کبرائے شریعت فقہائے اربعہ اند و زلہ برداری از خوان

فیض الیشاں ..... الخ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۹۳) مطلب یہ کہ تصوف کے تمام سلاسل ائمہ اہلبیت علیہم السلام پر منتہی ہوتے ہیں اور اسی طرح ائمہ شریعت بھی ان سے فیضیاب ہیں اور اس لحاظ سے شریعت و طریقت میں ائمہ اہل بیت اہلسنت کے ملجا و ماوی ہیں اور اہلسنت انہیں آئمہ کے خوان فیض کے زلہ بردار (یعنی بچا ہوا کھانا لینے والے) ہیں (ختم)

حضرت خاتم المحدثین (۲) دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :- "باز چوں تامل کردیم دیدیم کہ پیشوایان اہل سنت خواہ در فروع فقہ خواہ در اصول عقاید و خواہ سلوک طریقت بلکہ در تفسیر و حدیث نیز ہمہ از اہلبیت اخذ نمودہ اند و بہ تلمذ اہلبیت مشہور و معروف و ائمہ اہل بیت ہمیشہ در حق شان ملاطفات و مباسطات فرمودہ اند بلکہ بشارت دادہ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۶۷)

مطلب یہ کہ فروع و اصول عقائد اور سلوک طریقت اور تفسیر و حدیث کو پیشوایان اہل سنت نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے اخذ کیا ہے اور یہ آئمہ کے تلمذ میں مشہور رہیں اور ائمہ نے ان پر ہمیشہ عنایت و شفقت رکھی بلکہ ان کو بشارت بھی دی ہو (ختم)

انہیں خیالات کا اظہار دیگر علمائے مقبولین و اساطین و عرفائے کاملین اہلسنت نے جا بجا اپنی تصنیفات میں کیا ہے مثلاً علامہ ابن حجر مکی و حضرت خواجہ فرید الدین عطار وغیرہ۔ ملاحظہ ہوں صواعق محرقہ و تذکرۃ الاولیا وغیرہما من الکتب العلماء و العرفاء۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ اکابر علما مثل یحییٰ و ابن جریج و مالک و سفیان و ابو عنیفہ و شعبہ و ایوب سجستانی نے حضرت امام جعفر صادق

سے علم حاصل کیا ہے (صواعق محرقہ ص ۱۳۳) اس قسم کی ہزارہا اسناد کتب مقبولۂ اہلسنت سے پیش کی جا سکتی ہیں۔

مگر ابن تیمیہ ایک خاص مکتب خیال کی ترجمانی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء و مشائخ عظام اہلسنت کا اعتدال پسند طبقہ ابن تیمیہ کے بعض مختارات کا ہمیشہ سے مخالف رہا ہے، قابل دید ہے ابن تیمیہ کی یہ عبارت جو درر کامنہ میں جناب امیر کے متعلق درج ہے جس کی عبارت یہ ہے وقال فی حق علی خطاء فی سبعۃ عشر شیئاً ثم خلف فیہا نص الکتاب (ص ۱۴۴) یعنی یہ کہ علی نے سترہ مقامات پر احکام قرآنی میں خطا کی ہے ابن تیمیہ کا یہ بیان جس قدر گستاخی اور خیرہ چشمی کا مظہر ہے اہل نظر سے ہرگز مخفی نہیں ہے سبحان اللہ جس برگزیدہ ہستی کے لئے زبان حق ترجمانی نبوی سے القرآن مع علی و علی مع القرآن کے مقدس اور معنی خیز الفاظ ادا ہوئے ہوں جس عالم یگانہ کے لئے حدیث ثقلین کی رو سے قرآن کی معیت تا بقیام قیامت بیان میں آئی ہو اور جس کے لئے باب مدینۃ العلم کا مایہ صد فخر و افتخار لقب بارگاہ نبوی سے عطا ہوا ہو اور جو خود بھی برمحل بیان کرتا ہو کہ یہ قرآن صامت ہے اور میں قرآن ناطق ہوں جیسا کہ بحوالہ روایت صحیحین شاہ ولی اللہ صاحب بھی بیان فرماتے ہیں (ازالۃ الخفا مقصد دوم حادثہ ثانیہ) اسی کی اس طرح تنقیص و تجہیل و توہین کی جائے۔ کیا خوب۔ خطا کار تو خود قرآن ناطق (علیؑ) ہوئے اور اس خطا کی گرفت کرنے والے ابن تیمیہ قرار پائے۔ افسوس صد افسوس۔ نہ بر ظلم بر عدل باید گریست۔

قریب قریب یہی حال ابن حزم اندلسی کا بھی ہے اور ان دونوں کے متعلق

ابن تیمیہ کا بیان خلافت جناب امیر پر

بعض ثقات اہلسنت نے تو ناصبی ہونے کا خیال بھی دبے ہوئے الفاظ میں اور کہیں کہیں صراحتاً بھی ظاہر کر دیا ہے۔

اس تعارف کے بعد اب ہم ابن تیمیہ کے ان اقوال سے بحث کرتے ہیں جن سے ہمارے مخاطب عالی مقام نے اپنے استدلال کو زینت دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ بیانات ابن تیمیہ کے یہ ہیں جو منہاج السنہ میں انہوں نے درج کئے ہیں :-

" خلفائے ثلثہ رضؓ نے تو اپنے اوپر امت کو مجتمع کر لیا تھا اسی لئے انہوں نے کفار کے مقابل جنگ کی اور ممالک فتح کئے لیکن خلافت علی کے زمانہ میں نہ تو کفار سے جنگ کی گئی اور نہ ممالک کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا بلکہ آپس ہی میں تلوار چلتی رہی جس سے مخالفین اسلام میں اسلام کو تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوتی رہی اور امت میں سے نصف یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تعداد نے (بشمول حضرت سعد و ابن عمر رضؓ وغیرہ) آپ سے بیعت بھی نہیں کی تھی (انتہیٰ بطور خلاصہ)

ابن تیمیہ کے ان بیانات میں سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ کیا جناب امیر کی خلافت علےٰ منہاج الشریعت نہ تھی اور بلا اجماع امت منعقد ہو گئی اگر شرعاً آنجناب کی کی خلافت پر اجماع ثابت ہونا مان لیا جائے تب تو کہا جاسکے گا کہ امت آپ کی خلافت پر مجتمع ہو گئی اور اگر یہ ثابت ہو کہ اجماع علیٰ وجہ الشرع ہوا ہی نہیں تو یہ ماننا لازم ہوگا کہ چونکہ جناب امیر کی خلافت پر امت مجتمع نہیں ہوئی لہذا آپ کی خلافت منعقد و منظم نہیں ہوئی۔ پس اس بحث میں سب سے اول یہ امر غور طلب قرار پاتا ہے کہ اجماع عرف شرعی میں کسے کہتے ہیں۔ صاحب محیط المحیط نے اجماع کی جو تعریف درج کی ہے وہ یہ ہے :-

الاجماع عند الاصولیین ھو اتفاق المجتہدین من امۃ الاسلام فی عصر علی الحکم الشرعی۔ و

والاجماع علیٰ قسمین۔ مرکب و غیر مرکب۔ فالمرکب اجتمعت علیہ الاراء علیٰ حکم حادثۃ مع وجود الاختلاف فی العلت و غیر مرکب ھو ما اجتمع علیہ الاراء من غیر اختلاف :- یعنی علمائے اصول کے نزدیک اجماع خاص اس اتفاق کا نام ہے جس پر مجتہدین اسلام ایک زمانہ میں کسی ایک حکم شرعی پر متفق ہوں اور اجماع کی دو قسمیں ہیں۔ مرکب اور غیر مرکب۔ اجماع مرکب وہ ہی کہ کسی امر حادث میں آراء متفق ہوں اور اس کی علت میں اختلاف موجود ہو اور غیر مرکب اجماع وہ ہے جس میں آرا کا اتفاق بغیر اختلاف ہو (ختم)

ان تشریحات کی موجودگی میں دیکھنا یہ ہے کہ جناب امیر کی خلافت کو ان کے زمانے کے مجتہدین صحابہ نے تسلیم کیا تھا یا نہیں اور ان مجتہدین و افاضل صحابہ کا آپ کی خلافت پر اجماع (مرکب یا غیر مرکب) ہو گیا تھا یا نہیں۔ اگر مجتہدین یا بالفاظ دیگر افاضل صحابہ موجودین نے آپ کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا تو آپ کی خلافت کے انعقاد و تنظیم میں علمائے اصولیین کے نقطۂ نظر سے کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی اور اہلسنت کے تسلیم کردہ معیار پر ماننا پڑیگا کہ امت آپ پر مجتمع ہو گئی۔ اب یہاں ہم جناب امیرؑ کے انعقادِ خلافت کی حد تک چند ناقابل تردید شواہد پیش کرتے ہیں۔

(۱) عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :- اکثر اہل علم کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں جس قدر مہاجرین و انصار موجود تھے ان سب نے آپ سے بیعت کر لی تھی اور ان سب کی بیعت سے آپ کی خلافت منعقد ہوئی

(ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۱۴۱)

(۲) اسی مقام پر جناب شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے اہل شام کو جو مکاتیب تحریر فرمائے ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ کے تمام مہاجرین وانصار نے آپ سے بیعت کرلی تھی اور اس طرح خلافتِ منعقد ہوئی تھی۔

(۳) اسی مقام پر جناب شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض (اہل علم) کی رائے ہے کہ یوم شوریٰ اصحاب شوریٰ نے ہی جناب امیر کو خلافت کے لئے منتخب کرلیا تھا اور اسی انتخاب کا نفاذ ہو کر آپ کی خلافت منعقد و منتظم ہوگئی۔

(۴) علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں :- ومن اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ان ماجری بین معاویہ وعلی من الحروب فلم یکن من المنازعۃ فی الخلافۃ للاجماع علیٰ حقیتھا بعلی رض یعنی معاویہ اور جناب امیر میں جو محاربات درپیش ہوئے وہ خلافت کی نزاع نہ تھی کیونکہ اہلسنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ جناب امیرؓ کی خلافت کے برحق ہونے پر اجماع ہوچکا تھا مختصر یہ کہ حسب صراحت علامہ ابن حجر جناب امیر کی خلافت پر امت کا اجماع ہونا اعتقاداتِ مسلمہ اہلسنت سے ہے۔ الفاظ للاجماع علیٰ حقیتھا بعلی نے حقیقت حال بوجہ احسن واضح کردی۔

(۵) علامہ ابن حجر عسقلانی رح فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس طرح توضیح فرماتے ہیں :- فبایعہ المھاجرون والانصار وکل من حضر وکتب ببیعتہ الی الآفاق فاذعنوا کلھم الا معاویۃ فی اہل الشام۔ یعنی جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بیعت جمیع حضار ور مہاجرین و انصار اور تمامی موجودین و حاضرین مدینہ نے کرلی اور اس بیعت کی اطلاع

چاردانگ عالم اسلام میں کردی گئی اور اس بیعت پر ہر طرف سے صدائے سمعنا واطعنا وصدقنا بلند ہوئی سوائے ایک معاویہ کے جو اہل شام میں سے تھے۔

ادہر آپ زینت بخش سریر خلافت حقہ راشدہ ہوئے اور اُدھر صحابۂ رسول کی طرف سے تبریک وتہنیت وعقیدت کا غلغلہ اس طرح بلند ہوا:- واللہ یا امیرالمومنین لقد زینت الخلافۃ وما زانتک ورفعتھا وما رفعتک وھی کانت احوج الیک منھا الیھا (اسد الغابہ) یعنی قسم ہے خدا کی اے امیرالمومنین آپ ہی نے خلافت کو زینت بخشی خلافت نے آپ کو زینت نہیں بخشی۔ آپ نے خلافت کو رفعت بخشی اور خلافت سے آپ کو کوئی رفعت حاصل نہیں ہوئی۔ خلافت کو آپ کی زیادہ احتیاج تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ کو اس کی احتیاج ہو (ختم)۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ قد رجع الحق الیٰ مکانہ۔

یہیں سے اہلسنت کا یہ بنیادی عقیدہ قائم ہوتا ہے کہ خلفائے اربعہ علی خلفائے برحق منہاج النبوت ہیں۔ ان کی خلافت خلافت راشدہ ہے اور ان چاروں خلفائے رضی اللہ عنہم کا برحق ہونا اہلسنت کے ان ناقابل شکست اعتقادات میں سے ہے جن کا دامن قیامت کے دامن سے وابستہ ہے فلاحاجت لاقامۃ الدلیل علیٰ ھذہ العقیدۃ الشریفۃ الواضح البرھان الثابت البنیان المشھور فی کل مکان۔ اب ہم ان سُنی نمانواصب کے اس عناد پر فساد کے متعلق کیا عرض کریں کہ جناب امیر کی خلافت حقہ راشدہ کو تسلیم بھی کرتے جاتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی تنقیص وتخریب کی سعی بے جا

سے بھی باز نہیں آتے جمیع اکابر اہل سنت ہر زمانہ اور ہر زمین میں ان خلفائے اربعہ کی خلافت حقہ کی تنظیم وانعقاد کا اعلان اپنی پوری قوت سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ مگر ان ناصبی سہرشتان بد اندیش کو نام علی اور صرف نام علی درمیان آنے سے بخار سا چڑھنے لگتا ہے اور اپنے دل کے بخارات فاسدہ کو یہ کہہ کر نکالتے رہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر امت مجتمع نہیں ہوئی۔ کبھی یہ کہنے لگتے ہیں کہ حضرت علی میں خلافت کی صلاحیت ہی نہ تھی کبھی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے خانہ جنگی برپا کردی اور فتوحات ممالک غیر کا انسداد ہی کردیا۔ کبھی کہنے لگتے ہیں کہ فلاں صحابی نے آپ سے بیعت نہیں کی تھی۔

اگر اجماع سے ہمارے مخاطب والا مقام نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ امت کی کوئی ایک فرد بھی بیعت عامہ سے خارج نہ ہو تب ہی کہا جائے گا کہ اجماع ہو گیا تو غایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مفروضہ قطعاً غلط ہے عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ رح اور دیگر علمائے متورعین نے اس کی وضاحت بخوبی اور جا بجا کردی ہے شاہ صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:-
اجماع سے جو جا بجا ذکر کیا گیا ہے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ کل مجتہدین عصر واحد نے کسی مسئلے پر اتفاق کر لیا ہو اس لئے کہ یہ صورت امر واقع کے خلاف ہے نہ اب تک ایسا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ بات محالات عادیہ میں سے ہے کہ کسی مسئلے پر کل اہل الرائے بالاتفاق ایک ہی رائے قائم کریں (ازالۃ الخفا حصہ اول صفحہ ۶۴) اور فی الواقع ہے بھی یہی بات جب خلافت پر بھی نظر کی جاتی ہے کہ مخالفت اور موافقت غرض ہر قسم کے مناظر پیش نظر ہو جاتے ہیں

خواہ وہ انعقاد و آغاز خلافت کے وقت ہوں۔ خواہ دوران زمانہ خلافت میں لیکن خاص طور پر یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ بعض کا اختلاف قادح حقیت خلافت نہیں ہو سکتا، اس قسم کے بعض واقعات خلفائے راشدین کی حد تک کتب تواریخ وغیرہ میں درج ہوتے چلے آرہے ہیں اور اب بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اہل اسلام میں خلافت راشدہ کی حد تک قلیل نہیں بلکہ کثیر اختلافات موجود ہیں۔ اگر بعض کے اختلاف کو غیر معمولی وقعت دی جائے تو شاید خلافتِ راشدہ ہی سے دستبردار ہونا پڑیگا۔ عام حالات میں اختلافات کا پیدا ہو جانا بتقاضائے فطرت انسانی کثیر الوقوع بلکہ بڑی حد تک لازمی بھی ہے۔ ان تمام امور کے ہوتے ہوئے ہم انتہائی وثوق کے ساتھ اور بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اہلسنت کا عالمگیر اجماع بلا استثنائے احدے خلفاء اربعہ راشدینؓ کی خلافت پر الآن کما کان موجود ہے اور یہ چاروں خلفا نیابت نبیؐ کی اغراض کے لئے خلیفہ راشد و منصوص بلا اختلاف اہلسنت میں تسلیم ہوتے چلے آرہے ہیں۔

جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:-

(اہلسنت) می گویند کہ "چوں اجماع بر تعیین یک کس از جماعت مستحقین امامت منعقد شود امام بالفعل اوست ولہذا در وقت انعقاد بیعت اہل حل وعقد باجناب امیر اورا امام بالفعل می دانند خلص کلام آں کہ استحقاق امامت نزد اہلسنت اگر بہ نص ثابت شود آں را خلافت راشدہ می گویند و اگر بعقل و قرائن ظنیہ ثابت شود آں را خلافت عادلہ نامند و اگر بدون استحقاق شخصے متغلب گردد آں را خلافت جائرہ و ملک عضوض دانند۔ و خلافت خلفائے اربعہ نزد ایشاں خلافت راشدہ

است۔ پس استحقاق امامت ہر یکے از ایشاں بنص ثابت است (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲۹)

اس عبارتِ منقولہ کی صحت کی تصدیق کے لئے اب تک تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کا مستقبل ماضی بن چکا ہے اور یہ ایسا شاندار اجماع اہلسنت کا ہے کہ خلافتِ راشدہ کی حد تک یہ ایک اصولی اور بنیادی عقیدہ اہل سنت کا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی اس عبارت نیز دیگر عبارات منقولہ بالا سے ہمارے ناظرین نے یہ اندازہ بخوبی کر لیا ہوگا کہ جب جناب امیر کے دستِ حق پرست پر اہل حل و عقد نے بیعت کر لی تو آپ بالفعل اور استحقاق امامت کی بنا پر خلیفہ راشد منصوص اہل سنت کے نزدیک قرار پاگئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ چونکہ ان چاروں خلفائے راشدینؓ کی خلافت راشدہ کی حقیت اہلسنت کے بنیادی عقیدۂ خلافت میں داخل ہی ہم دیگر اساطین اہل سنت کے اقوال کی نقل کرکے اس بیان کو طول دینا نہیں چاہتے۔ بقول مولانا نظامی گنجوی علیہ الرحمہ

گہر خر چہار اند و گوہر چہار ۔۔۔ فروشندہ را با فضولی چہ کار

اب رہا ہمارے مخاطب عالی مقام کا یہ دعویٰ کہ اکابر صحابہ نے جو ارباب حل و عقد سمجھے جاتے ہیں مثلاً سعد بن ابی وقاص و عبداللہ ابن عمرؓ نے بیعت خلافت جناب امیر علیہ السلام سے نہیں کی تھی جس کی تائید میں آنجناب نے ابن تیمیہ کی عبارت منہاج السنہ سے نقل کی ہے۔ جواباً عرض ہے کہ یہ بیان بھی ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ابھی ہمارے ناظرین جناب شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ و ابن حجر مکی و علامہ عسقلانی کے بیانات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ فتح الباری کی عبارت منقولہ بالا میں استغراقی صراحت سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ کی بیعت جناب امیر کے

سے بیان کردیا گیا ہے کہ "فبایعه المهاجرون والانصار وکل من حضر الخ" یعنی مہاجرین و انصار اور جملہ اشخاص موجودین نے جناب امیرؑ سے بیعت خلافت کی تھی اور اس بیعت کا حال اقصائے عالم اسلام کو لکھ دیا گیا تھا، اور تمام عالم اسلام نے سوائے معاویہ کے آپ سے بیعت خلافت کرلی تھی۔ اب جمیع افاضل صحابہ کرام رضؓ کی بیعت کا حال ہم جناب سند المتکلمین علامہ و مولانا حیدر علی علیہ الرحمہ (صاحب منتہی الکلام) کے الفاظ میں ناظرین کو سناتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ جناب امیر علیہ السلام کی بیعت خلافت میں تمامی اکابر و افاضل صحابہ مجتہدین موجودین شریک تھے۔ وہ عبارت ملاحظہ ہو:۔ "دلیل بریں امر مطالعہ کتب و اخبار و کلام اہلسنت است کہ صریح ازاں بیعت عبداللہ بن عمر و اطاعت و انقیاد و محبت و وداد ایشاں بجناب امیر معلوم می شود و بحث مناقب و فضائل اں مقتدیٰ در نیس اتقیا از نتائج و ثمرات آں بود حاشا کہ عبداللہ بن عمر رضؓ در صحت خلافت آنجناب تردد ے داشتہ و دست بیعت بر دست حق پرست امیر المومنین نگذاشتہ باشد چنانچہ حسین بن اسمٰعیل در رسالہ خود می فرماید "القصہ بعد ازو یعنی طلحہ رضؓ زبیر با علی رضی اللہ عنہم بیعت کرد بعدہ سعد رضؓ و سعید رضؓ و عبداللہ بن عمر با اتباع خود بیعت کردند بعد ازاں اہل مصر و کوفہ بعد اہل مدینہ و اعراب نواحی مدینہ بیعت کردند و چوں بیعت تمام شد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بر سر منبر آمد و خطبہ خواند و در نماز جمعہ امامت کرد و آں روز بست و پنجم ذی الحجہ سنہ خمس و ثلاثین بود" و شارح مقاصد در بیان آں کہ خلافت امیر المومنین ببیعت اہل حل و عقد و احادیث نبویہ ثابت شدہ می گوید" وکذا الطلحہ والزبیر و صحت

نوبتہما عن مخالفتہ وکذا بایعہ عبداللہ بن عمر وسعد بن ابی وقاص ومحمد بن مسلمہ
الا انہم استغنوا عن القتال مع اہل القبلہ کما ورد فی ھذا المعنی احادیث"
واز جملہ کتب معتبرہ اہلسنت بزعم مجتہد (یعنی شیعہ) وبعض معاصرین از فرقہ متشیعین بلکہ بگمان اکابر ایں
ہر دو نیز کتاب امامت وسیاست ابن قتیبہ است واز مطالعہ آں مستفاد می گرد د کہ عبداللہ بن عمرؓ مانند
صحابہ کبار از مہاجرین و انصار بیعت جناب امیرؑ کرد زیرا کہ او گفتہ است ثم بایعہ الزبیر وسعد و
اصحاب النبی صلعم جمیعا. وایں ہم نوشتہ کہ مروان بگریخت وبیعت نکرد وہمچنیں دیگر از بنی امیہ پس معلوم
شد کہ عبداللہ بن عمر بیعت کردہ آرے از حرب حضرت امیرؑ با بغاۃ متقاعد بود (ازالۃ الغین صفحہ ۴۴)
اس اقتباس کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ جمیع اکابر افاضل صحابہ بشمول حضرت عبداللہ بن
عمر وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ودیگر عوام صحابہ جناب امیرؑ کی بیعت خلافت حقہ سے مشرف
ہوئے تھے صدہا کتب معتبرہ اہلسنت سے ان بیانات کی مزید تصدیق کی جاسکتی ہے از انجملہ شرح
مقاصد کا اندراج اس اقتباس میں ہمارے ناظرین نے ملاحظہ بھی فرمالیا جو کوئی بھی ان ثابت
شدہ بیانات کے خلاف کہتا ہے وہ غلط ہی کہتا ہے خواہ وہ ابن تیمیہ ہو یا کوئی اور۔
اس مقام پر دوسرے ایک مسئلہ شرعی کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بعض
حالات میں ارباب حل و عقد میں سے کسی ایک فرد کی بیعت سے بھی انعقاد خلافت کا وقوع ممکن اور سراسر
جائز تسلیم کیا جاتا ہے کما قال شارح المقاصد علیہ الرحمہ "ان ذالک الحصول لا یفتقر الی
الاجماع من جمیع الاھل الحل والعقد بل الواحد والاثنین من اھل الحل والعقد
کاف کعقد عمر لابی بکرؓ وعقد عبدالرحمن لعثمان" یعنی تمیع اہل حل و عقد کے اتفاق
پر ہی انعقاد خلافت منحصر نہیں ہے بلکہ اہل حل و عقد میں سے ایک دو اشخاص بھی خلافت منعقد کرانے
کے لئے کافی ہیں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی خلافت منعقد کی اور حضرت عبدالرحمنؓ
نے حضرت عثمان کی منعقد کی۔ (ختم)

اب جناب امیرؑ کی خلافت کے انعقاد پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف ایک دو اہل حل و عقد ہی نے آپکی بیعت خلافت کی ہے بلکہ جملہ مہاجرین و انصار و کل حضار و اقصائے ممالک اسلام کے دور دراز گوشوں تک سے اذعان عام کی بنا پر اس بیعت مبارکہ کی تکمیل ہوئی ہے اور سوائے معاویہ کے کسی طرف سے بھی صدائے انکار بلند نہیں ہوئی خلیفہ برحق کے مقابل ہو کر امیر معاویہ نے نائرہ حرب ہی مشتعل کر دیا اور باتفاق جمیع امت یہ باغی قرار دئے گئے۔ جملہ مہاجرین و انصار و دیگر صحابہ رسول و عامہ مسلمین کی بیعت عام کے علاوہ اہلسنت کا ایک گروہ بربنائے شوریٰ بھی جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا انعقاد و انتظام تسلیم کرتا ہے جس کی صراحت بحوالہ عبارات شاہ ولی اللہ وغیرہ قبل ازیں کر دی گئی۔

جناب سند المتکلمین علامہ حید علی اعلی اللہ مقامہ صاحب منتہی الکلام اپنے شیعہ مقابل مجتہد اعظم صاحب کو جواب دیتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام کی خلافت راشدہ پر تحریر فرماتے ہیں :- جناب امیر باجماع اہلسنت صلاحیت خلافت راشدہ بنصوص نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داشتند بیشتر بہ بیعت اہل حل و عقد یعنی کبار مہاجرین و انصار امام بالفعل شدند و بر اریکہ خلافت حقہ جلوس فرمودند و سابق ازیں گذشت کہ تمامی مہاجرین و انصار بہ بیعت شریف شان درآمدند و خود آنجناب بایں دلیل بانضمام مقدمات واقعیہ روبروئے معاویہ سر منبر تمسک فرمودند و بقید کتابت آوردند کما اورد الرضی فی نہج البلاغۃ اکنوں اگر صد کس از افراد ناس مثل معاویہ و عمرو عاص از بیعت شیر خدا سر باز زنند و پہلو تہی کنند در فعلیت خلافت راشدہ ذیشاں چہ نقصان الخ (ازالۃ الغین صفحہ ۲۷۴) یعنی جناب امیر کیلئے اجماعی عقیدہ اہلسنت کا یہ ہے کہ آپ بموجب ارشادات نبویؐ خلافت راشدہ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے بعد اکابر مہاجرین و انصار کی بیعت سے آپ بالفعل امام بھی ہو گئے اور تخت خلافت راشدہ پر آپنے جلوس فرمایا اور پہلے ہی ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمامی مہاجرین نے آپ سے بیعت کر لی تھی اور آپنے ان واقعات سے روبروئے معاویہ برسر منبر بھی حجت قائم کر دی اور تحریراً بھی حجت قائم کی تھی جیسا کہ علامہ رضی نے نہج البلاغہ میں صراحت کر دی ہے اب اگر معاویہ و عمرو عاص جیسے سو شخص بھی جناب شیر خدا

کی بیعت سے سرتابی اور پہلو تہی کریں تو جناب امیر کی بالفعل خلافت کا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

ہماری ان تصریحات کے بعد ناظرین نے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا کہ ابن تیمیہ کا یہ بیان کہ بجلاف خلفائے ثلٰثہ جناب امیر پر امت کا اجماع ہی نہیں ہوا کہاں تک صحیح ہے جناب امیر کی خلافت بر بعقیدہ اہلسنت اجماع شرعی یقیناً ہوا اور بغیر اجماع شرعی آپ پر خلافتِ راشدہ منتظم بھی کس طرح ہو سکتی تھی ہمارے نزدیک تو ہر وہ شخص جو جناب امیر کی خلافت راشدہ کے متعلق یہ کہے کہ بوجہ عدم اجماع امت و بغاوت امیر معاویہ خلافت نامکمل یا ناقص قرار پاتی ہے اہلسنت کی جماعت سے خارج ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے اور غایت مسرت و فرطِ عقیدت سے یہی کہیں گے جو ہمارے خاتم المحدثین علیہ الرحمہ فرما گئے ہیں کہ :- خلافت حضرت امیرؑ بالاجماع در زمان خود نعمتے بود کہ بالاتر از ان نعمتے نہ باشد (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۴۴) دوسرے مقام پر جناب ممدوح الشان فرماتے ہیں :- دریں وقت بالاجماع امامت حق حضرت امیرؑ بود و جانب ثانی باغی و خلاف حق (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۶۷)

ابن تیمیہ کا دوسرا بیان

ابن تیمیہ کے بیان کے دوسرے حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضؓ نے کفار کے مقابل جہاد کئے اور ممالک فتح کئے مگر علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں ہی سے لڑتے رہے وغیرہ

کیا جنابِ امیرؑ خلافت کے اہل نہ تھے

سب سے پہلا سوال اس بحث میں یہ درپیش ہوتا ہے کہ یہ صورت حال جو ابن تیمیہ کے ان بیانات سے ہمارے مخاطب ذی الشان ظاہر فرما رہے ہیں جناب امیر علیہ السلام کی عدم صلاحیت اور ناقابلیت کی غمازی کرتی ہے۔ آنجناب کی عبارات سے مجموعی طور پر اور بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک جناب امیرؑ منصب امارت و امامت و خلافت کے ہرگز اہل نہ تھے اور جو خصوصیات ایک اعلےٰ درجہ کے خلیفہ وقت میں تدبر امور سیاسی و اقامت احکام الٰہی و اجرائے احکام اوامر و نواہی و فتوحات ملکی وغیرہ کی ہونی چاہئیں وہ آپ میں موجود ہی نہ تھیں پس سب سے اول ہم اس مقام پر یہ بحث لکھتے ہیں کہ حضرت امیرؑ منصب خلافت کے اہل تھے یا نہ تھے۔

سب سے پہلا اور بالکل ہی سامنے کا اور مسکت جواب ان اعتراضاتِ واہیہ کی حد تک ہماری جانب سے یہ ہے کہ افاضل صحابہ و جمیع اہل حل و عقد اور دیگر مومنین مخلصین و حاضرین بلا دو امصار نے آپکی بیعت بطوع و

رغبت تام و بطیب خاطر بالا کلام یہ سمجھ کر ہی کی تھی کہ آپ سے زیادہ مستحق خلافت ہر اعتبار میں کوئی بھی دوسرا موجود نہیں ہے بلکہ انعقاد بیعت مرتضوی سے بہت پہلے ہی یوم شوریٰ سب سے پہلے آپ ہی کو منصب خلافت آپکی ذاتی وصفاتی خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر ہی پیش کیا گیا تھا جسے آپنے اپنی ذاتی مصلحت و اجتہاد صائب کی بنا پر منظور نہ فرمایا تھا۔ یوم شوریٰ کی اس نامزدگی سے ہمارے علمائے اعلام نے جناب امیر کے حق خلافت اور آپکی ذاتی صلاحیت و اہلیت پر جا بجا استدلال فرمایا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ آپ کا حق خلافت اور خلافت کے لئے آپکی صلاحیت و قابلیت نہ صرف اسی روز سے مسلم ہے بلکہ سوابق جلیلہ اسلامیہ و دیگر ذاتی و صفاتی خصوصیات حسنہ کے باعث شروع ہی سے قدرت کاملہ نے آپ کی ذات والا صفات کو مجمع جمیع حسنات و خصوصیات خلافت کر دیا تھا اور جس کی نسبت حضورؐ کی زبانِ وحی ترجمانی پر یہ الفاظ جاری ہو چکے تھے کہ ان ولوا علیا تجدوہ ھادیا مھدیا (الاستیعاب) یعنی اگر تم علیؑ کو والی بناؤ تو اسے ہادی و مہدی پاؤ گے۔ اگر عدم قابلیت کا ادنیٰ شبہ بھی حضرت امیرؑ کی ذات پر ہوتا تو امت آپ پر بوقت بیعت مجتمع ہی نہ ہوتی اور نہ یوم شوریٰ اصحاب شوریٰ ہی آپ کو خلافت کے لئے نامزد کرتے۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جس مقدس ہستی کے لئے اکابر امت یہ بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ جس قدر فضائل علیؑ کے باسناد جیاد منقول ہیں اتنے کسی دوسرے کے نہیں ہیں اُسی علیؑ کے متعلق ہمارے بعض اخوانِ طریقت یہ کہنے میں باک نہیں کرتے کہ وہ خلافت کے قابل نہ تھے اور انکی خلافت ناقص ہی اور اس پر اجماع بھی نہ ہو سکا وغیرہ من الخرافات۔

جناب خاتم المحدثین کا ایک ارشاد اوپر نقل ہو چکا جس کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ "خلاصہ کلام آنکہ استحقاق امامت نزد اہلسنت اگر بہ نص ثابت شود آں را خلافت راشدہ می گویند و خلافت خلفائے اربعہ نزد ایشاں خلافت راشدہ است (تحفہ صفحہ ۱۲۹) اس توضیح سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ جناب امیرؑ کا استحقاق خلافت قطعی طور پر منصوص ہے اور مستحق خلافت وہی ہستی ہو سکتی ہے جس میں اہلیت و صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو۔ ایسے مقدس خلیفہ صالح کی عدم صلاحیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا مگر باوجود ان تمام شواہد عقلیہ و نقلیہ کے اس قسم کے مفکرین یہ اعتراض کرنے سے ہرگز باز نہیں آتے کہ جناب

امیرؑ میں یا تو خلافت کی قابلیت و صلاحیت تھی ہی نہیں اور یا آپ کی قابلیت میں بہت کمی تھی۔ اہلسنت کے نقطۂ نظر سے یہ عقیدہ مردود اور خطرناک ہے۔ جو شخص جناب امیر کی نسبت یہ خیال قائم کئے ہوئے ہو کہ آپ میں خلافت کی صلاحیت و قابلیت نہ تھی یا کم تھی وہ گمراہ ہے۔ جناب خاتم المحدثینؒ خاص اسی بحث میں فرماتے ہیں :- بالجملہ اجماع اہلسنت است براں کہ تکفیر کنندۂ حضرت امیرؑ یا منکر بہشتی بودن ایشاں یا منکر لیاقت خلافت ایشاں باعتبار اوصاف دینی مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع کافر است ... و علوئے درجہ ایمان حضرت امیرؑ و بہشتی بودن ایشان دلائق خلافت پیغمبر بودن از روئے احادیث بلکہ آیات قطعیہ متواترہ ثابت است پس منکر ایں امور کافر باشد (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۷۶۵) مطلب یہ کہ جمیع اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص جناب امیرؑ کی تکفیر کرے یا آپ کی لیاقت خلافت کا منکر ہو یا آپکے اوصاف علمی و تقوی وغیرہ کا انکار کرے وہ کافر ہے اور آپ کی لیاقت خلافت وغیرہ آیات قرآنی و احادیث نبوی سے قطعی طور پر ثابت ہے (ختم) پس ہمارا ہمدردانہ مشورہ جناب مخاطب والا مقام کی خدمت عالی میں یہ ہے کہ جناب امیرؑ کی خلافت راشدہ حقہ یا آپ کی قابلیت پر اس قسم کے خیالات کے اظہار سے باز ہی رہیں اور ایسی بے احتیاطی کے مرتکب نہوں ورنہ اندیشہ ہے کہ بموجب عقیدۂ مقبولہ و مسلمۂ اہلسنت سرحد کفر میں داخلہ نہو جائے۔ یاد رکھئے اور خوب یاد رکھئے کہ جب تک آپ طیلسان تسنن زیب تن فرمائے رہیں گے اس عقیدۂ مسلمۂ اہلسنت کو چار و ناچار تسلیم کرنا ہی پڑیگا۔

سب سے بڑا اعتراض جو سنی نما نواصب جناب امیر کی خلافت کے سلسلے میں عیب چینی کے طور پر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے ہمسایہ اغیار کے مقابل جہاد بالسیف کا کوئی اقدام ہی نہیں کیا اسلئے مملکت اسلامیہ میں کوئی توسیع و اضافہ نہ کر سکے اور فتوحات ملکی کا جو سیلاب زوروں پر چلا آرہا تھا یکبارگی رک گیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ جناب امیر اغیار کے مقابل جہاد بالسیف کا اقدام کیوں کرتے۔ کیا ایسے اقدام کی کوئی وجہ جائز پیدا ہو چکی تھی۔ اگر فی الواقع کوئی وجہ جائز پیدا ہو چکی تھی پھر بھی آپنے ایسا کوئی

اقدام نہیں کیا تو بیشک یہ اعتراض قابل وقعت سمجھا جا سکیگا ورنہ بصورت دیگر یہ اعتراض ہرگز قابل التفا نہیں ہو سکتا خلیفہ وقت کا اولیں فریضہ یہ ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل واجرا و نفاذ کرائے۔ پس سب سے اول ہمیں احکام الٰہی کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن حالات میں ہم قتال بالسیف کے لئے محکوم کئے گئے ہیں۔ قتال بالسیف کے جواز کے لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بالصراحت احکام موجود ہیں۔

۱۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔	۱۔ اور جو لوگ تم سے جنگ کریں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو اور اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اللہ ان کو دوست نہیں رکھتا جو (اپنی طرف سے) زیادتی کرتے ہیں۔
۲۔ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین	۲ جس طرح سب مشرکین تم سے قتال کرتے ہیں تم سب بھی ان سے قتال کرو اور جان لو کہ اللہ (ظلم سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے۔
۳۔ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین	۳۔ اگر وہ (فتنہ وقتال سے) باز آجائیں تو ان پر کوئی زیادتی نہیں بجز ظالموں کے۔
۴۔ فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم۔	۴۔ پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہو۔
۵ فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا علیکم السلم فما جعل اللہ علیکم سبیلا	۵ پس اگر وہ (منافقین) تم سے کنارہ کشی کرلیں اور تم سے قتال نہ کریں اور صلح کا پیغام دیں تو ان پر زیادتی کرنے کی اللہ نے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی

۶۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم
۶۔ اور (اے پیغمبر) اگر وہ (مخالفین) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کہ وہ سمیع وعلیم ہے:

ہم نے بنظر اختصار کلام الٰہی سے یہاں پانچ چھ مقامات سے احکام نقل کر دئے ہیں ورنہ جابجا قرآن مجید میں اپنی طرف سے بلا وجہ زیادتی کرنے کیلئے امتناعی احکام موجود ہیں آیات منقولہ بالا سے بلا تامل یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قتال کی اجازت محض مدافعانہ حیثیت ہی میں دی گئی ہے اور اپنی طرف سے بلا وجہ قتال آغاز کرنیکی قطعاً ممانعت کرتے ہوئے جناب باری تعالیٰ نے یہاں تک لزوم بیان کر دیا ہے کہ اگر فریق مخالف صلح پر آمادگی ظاہر کرے تو تم بھی صلح پر آمادہ ہو جاؤ الغرض ان احکام الٰہی سے یہی اور صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ محض مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے اور اپنی طرف سے بلا وجہ زیادتی کرکے جنگ کی ابتدا کرنے کی سخت ممانعت ہے۔

مگر ہمارے مخاطب عالیمقام اور ان کے ہم خیال افراد کا عقیدہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت وہی کامیاب کہی جا سکتی ہے جو ہمسایہ غیر سلطنتوں پر بلا کسی وجہ جائز کے بھی فوج کشی کرتی رہے ان غیر سلطنتوں کا کوئی قصور ہو یا نہ ہو بہرحال وہ مفتوح کر لی جائیں اور وہاں کے بے قصور لوگوں کو تہ تیغ بے دریغ کیا جائے اور قتل و غارت کا بازار اسلام کے نام پر گرم کیا جائے وہاں کی مخلوق کو بلا وجہ اور بے خطا لونڈی غلام بنا لیا جائے اور اس قتل و غارت کے بعد جوع ارضی کی سیری کا سامان بہم پہنچا کر خزائن سلطنت اسلامی پر کئے جائیں افسوس صد افسوس ایسے ہی ناقص العقیدہ لوگوں نے اغیار کی جماعت میں اسلام کو بدنام کیا ہے! حاشا کہ ان عقائد فاسدہ سے اسلام کا کوئی دور کا تعلق بھی ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے اور ہمیں فخر بھی ہے کہ خیر القرون اور خلافت راشدہ کے زمانے میں جتنی حروب پیش ہوئیں ان سب میں اہل اسلام کی حیثیت مدافعانہ ہی ہی کسی ایک مقام پر بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بلا وجہ جائز مخاصمت و قتال کی ابتدا ان دونوں زمانوں میں کہیں کی بھی مدافعانہ جنگ کے خاتمہ پر از روئے معاہدہ یا بطور دیگر جو قطعات ارضی حاصل ہوں یا جو اموال و غنائم ہاتھ آئیں وہ تمام مہذب اقوام و قوانین میں جائز سمجھے جاتے

ہیں اور فاتح کے خاص خاص حقوق سے حسب مقتضائے حالات کسی مسلمہ تہذیب میں بھی انکار نہیں کیا گیا ہے اور نہ انکار کیا ہی جا سکتا ہے نتائج جنگ میں قطعات ارضی کا حصول بھی داخل ہے تاوان جنگ ادائی خرچ جنگ وجزیہ وغیرہ بھی داخل ہیں اگر جنگ بوجہ جائز لڑی گئی ہو تو اس کے یہ نتائج وعواقب بھی فاتح کیلئے جائز سمجھے جا سکتے اور سمجھے جاتے ہیں اگر جنگ کے جواز کی کوئی وجہ جائز ہی نہو اور محض ظلم وجبر سے مخلوق خدا کا خون بہا کر قطعات ارضی واموال غنائم حاصل کئے جائیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہرگز مستحسن نہیں ہو سکتے۔ بلکہ کسی مذہب وملت یا قانون اخلاق میں کہیں بھی اس کا جواز نہیں دکھایا جا سکتا۔

مدافعانہ جنگ کا جواز پیدا ہونے کی بھی مختلف اشکال ہو سکتی ہیں مثلاً کوئی غنیم بلا وجہ اپنے ملک پر حملہ آور ہو جائے یا مثلاً فریق ثانی کسی معاہدہ سابق کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونے لگے وغیرہ حالات کا تفحص کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر وہ جنگ جو بعہد نبوی یا بعہد خلافت راشدہ لڑی گئی ہے کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر مبنی ہے بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی ایک جنگ بھی محض ملک گیری کے جذبۂ نامحمود کے تحت نہیں لڑی گئی ہاں البتہ غیر اقوام ہی کے اعمال ناجائز سے مختلف اوقات میں اہل اسلام کو وجہ پرخاش پیدا ہوتی رہی جس سے وہ لشکر کشی پر مجبور ہوتے رہے اور اس طرح قدرت نے ان کے لئے توسیع ملکی کے مواقع ان کی فتوحات متواترہ ومتوالیہ سے بطور جائز فراہم کر دئے جن مقدس ہستیوں نے خالصاً لوجہ اللہ یہ مدافعانہ جنگیں بغرض حفظ ثغور وحقوق سلطنت اسلامیہ کی ہیں اور اس طرح ان کے ہاتھوں ممالک اسلامیہ میں توسیع ہوئی ہے ان کی ان خدمات جلیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔ شکر اللہ مساعیہم۔

اب ہم ان سُنی نما نواصب سے یہ دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ فرمائیے کون سے

چنگیز یا ہلاکو نے جناب امیرؑ کی خلافت کے زمانے میں حکومت اسلامیہ پر حملہ کیا جس کا مقابلہ
کرنے میں آپ نے معاذ اللہ کسی جبن یا غفلت کا اظہار کیا یا کون سی حکومت نے بمقابل
سلطنت اسلامیہ کسی معاہدۂ سابق کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا جسے آپ نے اپنی
کسی کمزوری یا تکاہل و تساہل یا غفلت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جس سے دولت
اسلامیہ کو نقصان پہنچا اور اغیار میں سے کسی کو چیرہ دستی کا موقعہ مل گیا۔ تاریخ
اسلام کے اوراق تمام عالم کے روبرو کھلے ہوئے ہیں خدارا ہمیں کوئی بتائے کہ جناب
امیرؑ کے عہد خلافت میں کس غیر سلطنت کو خلیفہ اسلام کے تساہل اور کمزور حکمت عملی سے
کسی قسم کا ناجائز فائدہ کب اور کہاں پہنچا ہے۔ اول تو آپ کی خلافت کی مدت ہی کم
بلکہ پنج سالہ بھی نہیں ہے۔ پھر اس مختصر زمانہ خلافت میں ناکثین و بغاۃ و خوارج
کی حروب ہی سے آپ کو کہاں فرصت ملی جو آپ ممالک غیر کی طرف توجہ فرما سکتے اور
سب سے زیادہ یہ کہ اتفاق سے کسی غیر سلطنت کے عمل سے ایسی کوئی قابل ذکر پرخاش
ہی سلطنت اسلامیہ کو پیدا نہیں ہوئی۔ جو اس غیر سلطنت پر فوج کشی ضروری
سمجھی جاتی۔ بایں ہمہ ایک دو جگہ جب اس کی ضرورت محسوس ہوئی بارگاہ خلافت مرتضوی
سے فوراً ہی اس کے تدارک کے احکام جاری ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ مہم کی کامیابی پر
ہی پر معاملہ ختم ہوا مثلاً ایک بار نواح سندھ کے کسی حکمران نے خلاف معاہدہ سرکشی کی تو
فوراً ہی اس کی تادیب کے لئے بقیادت حرث بن مرۃ العبدی لشکر اسلام روانہ کیا
گیا اور جیسا کہ تاریخ ابن اثیر اور دیگر کتب تاریخ میں درج ہے۔ یہ مہم کامیابی پر ختم ہوئی
اور لشکر اسلام سالما غانما واپس ہوا۔ الغرض خلیفہ برحق کی طرف سے تعلقات
ممالک غیر اور دیگر امور خارجہ میں ہرگز کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی تاریخ سے ثابت نہیں کی جا سکتی

اور جب قدرت ہی نے کسی غیر کے مقابل اعلان جنگ کرنے کا کوئی جائز موقعہ فراہم نہیں کیا تو خلیفہ برحق احکام قضا و قدر کے خلاف کس طرح عمل کرسکتا تھا ہاں اگر کوئی ہلاکو منش اور چنگیز سرشت خلیفہ بجائے جناب امیر ہوتا تو غیر ممالک پر بلا وجہ جائز بھی محض جوع ارضی کے تسکین کے لئے تاخت کرنا جائز اور واجب سمجھ سکتا تھا مگر ایسا کوئی اقدام مسلمانوں کے کسی خلیفہ راشد و حاکم برحق کے لئے قطعاً جائز نہیں ہو سکتا۔

ان تمام تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ توسیعات ملکی نہو سکنے کا الزام دراصل خلیفہ برحق کے خلاف وارد نہیں ہو سکتا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض قدرت پر وارد ہوتا ہے کہ کیوں نہ کسی چنگیز کو حکومت اسلامیہ کے خلاف بھیجا کہ خلیفہ وقت کو اس سے مقابلہ کرنے اور اس طرح دفاعی جنگ میں خلیفہ کو توسیع حکومت اسلامیہ کا موقع مل سکتا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو جائے صد شکر ہے کہ اہل غرض باغیوں اور دیگر اشرار کی پیہم ریشہ دوانیوں اور مسلمانوں کی ان باہمی آویزشوں کے باوجود بھی کسی غیر حکمراں کو سلطنت اسلامیہ پر بُری نگاہ ڈالنے کی بھی ہمت خلافت حقہ مرتضوی کے دوران نہو سکی ورنہ جماعت بغاۃ شام نے تو کوئی دقیقہ اپنی اغراض منکرہ سیاسیہ کے تحت تخریب دولت اسلامیہ کے لئے باقی نہ چھوڑا تھا مگر بافضال خداوندی و باقبال خلافت حقہ مرتضوی دولت اسلامیہ کا کوئی ایک انچ رقبہ بھی کسی غیر قوم کے قبضہ و تصرف میں نہ جاسکا فالحمد للہ و الشکر للہ۔

اب رہی خانہ جنگی یعنی ناکثین و بغاۃ و خوارج کی حروب۔ بلا استثنےٰ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ اس تمام خانہ جنگی میں جناب امیر علیہ السلام برسر حق تھے اور آپ کی تمام مساعی لوجہ اللہ تھیں اور جو کچھ بھی آپ نے کیا وہ

ناکثین بغاۃ و خوارج کی جنگ میں جناب امیر کا برسر حق ہونا

عین حق اور آپ کے مخالفین ناحق پر تھے، اس مسلّمہ و مقبولہ عقیدۂ اہلسنت کے خلاف کوئی کچھ بھی کیا سکتا ہے جب کہ خود جناب رسول مقبول کا ارشاد حقیقت بنیاد موجود ہے کہ:- "یا علی انّکَ تقاتل علیٰ تاویل القرآن کما قاتلت علیٰ تنزیلہ" (مسند امام احمد و ریاض النضرہ و صواعق محرقہ وغیرہ) یعنی اے علی تم اسی طرح تاویل قرآن پر قتال کروگے جس طرح میں نے قتال کیا ہے (ختم) اس کلام صداقت التیام نبوی سے ثابت ہوگیا کہ جس طرح خود نبی کی حروب تاویل قرآن پر ہوئیں اسی طرح جناب امیر کی حروب بھی تاویل قرآن پر تھیں. بالفاظ دیگر جس طرح نبی کی حروب سراسر جائز اور برمحل اور ضروری تھیں بالکل اسی طرح جناب امیر کی حروب بھی تھیں کسی معترض کو اس حدیث شریف نیز دیگر احادیث و شواہد کی موجودگی میں یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی کہ یہ کسی نفسانیت یا حصول دنیائے دوں یا اور کسی غلطی پر مبنی تھیں. جناب امیرؑ کی ہر حربی حرکت تاویل قرآن پر ہی تھی بالکل اسی طرح جیسی کہ رسول مقبول کی ہر حربی حرکت تاویل قران پر تھی۔ اس خانہ جنگی کو باعثِ طعن قرار دینا درحقیقت جناب امیرؑ پر کوئی طعن نہیں ہوسکتا بلکہ یہ طعن براہِ راست رسول مقبول پر ہی ایک طعن سمجھا جاسکتا ہے پس طاعنین اگر چاہیں تو خود رسول مقبول پر طعن کیئے جائیں مگر بحمد اللہ اہل سنت کا مشرب و مسلک اس طعن و بدگوئی و خصومت اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بمراحل دور ہے. یاد رکھئے اہل سنت کے مسلک میں جناب امیر علیہ السلام کا ہر فعل عین حق ہے — انتہا یہ ہے کہ لسانِ وحی ترجمان نبوی پر جناب امیر کے متعلق یہ الفاظ جاری ہو چکے ہیں "اللّٰھُمَّ ادر الحق معہ حیث دار" یعنی خدایا حق کو تو اس طرف پھرا

جس طرف علی پھریں۔

اہل نظر ذرا اس منزلت علیا و مرتبت قصوی پر نظر کریں جو اس ارشاد نبوی سے جناب امیر کی ظاہر ہو رہی ہے اور جس سے بلا کسی شک و شبہ کے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر کا ہر قول ہر فعل ہر حرکت، ہر حکم ہر ادا سراسر حق ہی حق ہے۔ حدیث شریف کے اس مضمون کی ہمہ گیر لطافت اور معنی خیزی کی تشریح ذرا ارباب معرفت و اصحاب ذکر و طریقت سے دریافت کیجئے۔ جابجا اولیاء اللہ الکاملین و عباد اللہ الصالحین نے جناب امیر علیہ السلام کے ہر عمل کو عین حق تسلیم کیا ہے اور اسے اتمام عصمت کا مقام ارفع و اعلیٰ بیان کیا ہے۔ ازانجملہ ہم صرف ایک ہی شہادت اس حدیث کے مضمون کی حد تک والاجناب عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی یہاں پیش کرتے ہیں جو آنجناب نے اپنی مشہور تصنیف تفہیمات الٰہیہ میں درج فرمائی ہے ملاحظہ ہو:- اذا تمّت العصمة کانت افاعیله کلّها حقت لا اقول انّها تطابق الحق بل هی الحق بعینها بل الحق ینعکس من تلک الافاعیل کالضوء من الشمس والیه اشار رسول الله حیث دعی لعلی اللهمّ ادر الحق معه حیث دار ولم یقل ادره حیث دار الحق۔ یعنی جب عصمت تامہ حاصل ہو جاتی ہے تو انسان کے تمام افعال حق ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے افعال حق کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس کے افعال عین حق ہوتے ہیں بلکہ ان افعال سے حق اس طرح منعکس ہوتا ہے جس طرح روشنی آفتاب سے اور اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ رسول مقبولؐ نے جناب امیر کے لئے دعا کرتے ہوئے کہ:- خدایا جس طرف علیؑ پھریں اسی طرف حق

ادر الحق معہ کی حدیث کی تشریح شاہ ولی اللہ رح کی معرفت

کو پھرا، اور یہ نہ فرمایا کہ خدایا تو علی کو ادھر پھیر جدھر کو حق پھرے (ختم) حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی اس تشریح و توضیح کے بعد ہم اپنی طرف سے کلام نبوی کی کیا توضیح کریں۔ سوائے اس کے کہ خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست (قاتلین عثمان رض سے قصاص نہ لینے کی بحث دوسرے مقام پر ملاحظہ ہو)

قال المخاطب:۔ شیخین رض کو اپنے اپنے عہد میں بے نظیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت عثمان رض کو اگرچہ اتنی مقبولیت تو نہ حاصل ہو سکی اور آپ کی خلافت کے آخر زمانے میں لوگوں نے آپ پر اعتراضات بھی کئے مگر رفتہ رفتہ یہ مخالفت جو محض عارضی تھی زائل ہو گئی مگر حضرت علی کو اتنی مقبولیت بھی نہ حاصل ہو سکی اور آپ کا تمام زمانہ خلافت مشاجرات بین المسلمین ہی میں گذر گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ: آپ کے استحقاق خلافت کے علاوہ آپ کے ایمان ہی سے لوگ انکار کرنے لگے اور آپ کی تفسیق بلکہ تکفیر تک بھی کی گئی۔ جس کا سلسلہ مسلمانوں کے ایک گروہ میں اب تک بھی جاری ہے۔

الجواب:۔ بے شک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی خلافت راشدہ کے زمانے میں بعض نئے نئے فتنوں نے سر اٹھایا اور خلیفہ وقت کو ان فتنوں کے دبانے میں دشواریاں درپیش ہوئیں لیکن ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ خلافت راشدہ کی حقیقت کی ناپ تول کے لئے یہ مقبولیت کی جریب کون سے الٰہی کارخانہ میں بنائی گئی ہے علیٰ منہاج الشریعت خلیفہ کا تقرر جب ایک بار ہو گیا تو بہر حال وہ خلیفہ ہی ہے، غور کیا جائے تو خود جناب رسول مقبول کو کیسی کیسی دشواریوں اور کیسے کیسے شدید مصائب و فتن کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اپنی ہی قوم کے کیسے کیسے جفا کیش موذیوں اور سرکشوں سے تکالیف غیر معمولی حضور اقدس کو پہنچی

رہی ہیں اور یہ سلسلہ قریب قریب حضورؐ کی وفات کے وقت تک جاری رہا۔ کتنے ابوجہل زماں اور ابوسفیان دوراں آنحضرت کے آزار کے درپے رہے ــــــ کتنی بار میدان جنگ میں اور کتنی بار میدان جنگ سے باہر حضورؐ کو قتل کردینے کی تدبیریں ہوتی رہیں یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی گذرا ہے کہ حضورؐ کو شب تار میں اپنے وطن مالوف سے ہجرت ہی کرنا پڑی اور کفار قریش اور بعض دیگر قبائل کے اشرار نے حضورؐ کو دارالہجرت میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور طرح طرح کے فتنے برپا کرتے رہے مگر کیا ان تمام مصائب وفتن کے برپا رہنے سے حضور کی بنوت کی شان عالی میں کسی کلام کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یہ خلفاء راشدین بھی تو نائب نبیؐ ہی تھے اگر اس قسم کے ابتلاء ان کو بھی مفسدہ پردازوں یا باغیوں کی شرارت سے درپیش ہوئے تو ان مصائب وفتن سے ان کی خلافت حقہ واستحقاق خلافت بھی اسی طرح باطل نہیں ہوتے جس طرح خود رسول مقبول کی رسالت ان فتنوں سے باطل نہیں ہوتی۔ اصلاح فساد خلیفہ رسولؐ کے فرائض میں بھی اسی طرح داخل ہو جس طرح خود رسول کے فرائض ہیں۔ ہاں اگر خلیفہ وقت نے اپنی کسی کمزوری یا غفلت شعاری کے باعث فتن کے سدباب میں حتی الامکان مساعی موثرہ سے کام نہ لیا ہو تو بے شک ایسا خلیفہ مورد اعتراض ہو سکے گا۔ والاّ فلا۔

سدباب الفتن کے علاوہ خلیفہ برحق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشاعت اسلام وتزکیۂ نفوس واقامت الحدود والتعزیرات وسیاست الامت وترویج احکام شرعیہ وحفظ ثغور اسلامیہ کا خاص طور پر اہتمام کرے اور بجہد اللہ

تعالے خلافتِ حقہ مرتضویہ میں ان سب امور کا اہتمام وانصرام مفسدین کی سرزنش کے ساتھ ہی ساتھ بوجہ احسن عمل میں آتا رہا ہے آج تک کسی مخالف نے بھی اس سے انکار نہیں کیا۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام سے بھی ایک بار یہ سوال کیا گیا تھا جسے ہم مشہور مورخ علامہ ابن خلدون اور ہمارے مخاطب والامقام کے "امام المورخین" کے مقدمہ تاریخ سے یہاں نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

"ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ کی امارت و خلافت میں اختلاف کیا اور جھگڑے کھڑے کر دئے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں کچھ اختلاف نہ کیا آپ نے جواب دیا کہ ابو بکر و عمر مجھ جیسے لوگوں پر والی ہوئے اور میں آج تم جیسے لوگوں پر والی بنا ہوں مطلب یہی تھا کہ اس وقت میں حکومت دینی تھی اور اب دین میں ضعف آچلا ہے اور دنیا (کی طلب) لوگوں کو مجھ سے مخالفت کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ واقعی بات بھی یہی تھی (مقدمہ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۶۵)

لوگ تو ملک عضوض و خلافت جائزہ حاصل کر لینے کی طمع فاسد میں خلیفہ برحق کے مقابل علانیہ بغاوت و سرکشی کے مرتکب ہوں اور اس بغاوت و تمرد کا الزام جائے خلیفہ برحق کے سر۔ کیا خوب۔ کیا انصاف ہے اور کتنا زبردست اعتراض اسی مضمون کو تو عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے ازالۃ الخفا میں مقصد اول کے ختم پر بیان فرمایا ملاحظہ ہو:۔ میری غرض اس نکتے کے بیان سے یہ نہیں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ نہ تھے یا شرعاً آپ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی اور یا

ان حروب میں جو آپ کو پیش آئیں آپ کی سعی لوجہ اللہ نہ تھی اعوذ باللہ من جمیع ما کرہ اللہ الخ (ختم) الغرض جناب امیرؑ نے جو کچھ بھی کیا اور جن جن باغیان بد اندیش کی سرکوبی کے لئے مساعی جمیلہ کو آنجناب کام میں لائے۔ آپ کی یہ تمام مساعی خالصاً لوجہ اللہ ہی تھیں نہ ان میں کوئی شائبہ نفسانیت یا دنیا طلبی۔ یا حب جاہ کا تھا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ خود جناب رسول مقبولؐ نے اول ہی فرمایا تھا کہ یا علی انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ اس بیان حقیقت بنیان کی موجودگی میں نہ کسی محدث کے تائید کی بیان کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کسی مورخ کی تصدیق کی ضرورت۔ آپ کا جو عمل بھی تھا وہ سراسر اخلاص پر ہی مبنی تھا، دنیا طلبی، عیش پرستی، نفسانیت حب جاہ وغیرہ کا کوئی سوال ہی اس سراپا پیکر اخلاص کی حد تک پیدا نہیں ہوتا جب ہی تو عارف رومی علیہ الرحمہ اس مجسمہ صدق و اخلاص کے لئے اپنی مشہور و معروف و مقبول مثنوی شریف میں لکھ گئے ہیں :-

از علیؑ آموز اخلاص عمل شیر حق را داں منزہ از دغل

فللہ درہ و علیہ اجرہ۔ ہمارے مخاطب عالی مقام جناب امیر علیہ السلام کی خلافت حقہ راشدہ کے استخفاف و توہین میں تمام دنیا کی خاک کیوں نہ اڑائیں۔ لیکن ناممکن ہے کہ شمس بازغہ خلافت راشدہ مرتضویہ میں تذلیل و توہین کی۔ اس گرد و غبار سے کسوف کا ادنی عیب بھی پیدا ہو سکے۔ ولنعم ما قیل۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آں کو پف زند ریشش بسوزد

حضرت مخاطب والا مقام نے غور نہیں فرمایا کہ الوقت مقدار

غیر قار - ہر وقت ہر عمر ہر موسم اور ہر زمین کا مقتضائے حال ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے آغاز میں جو حالات تھے وہ خلافتِ رابعہ کے وقت میں کہاں باقی رہ گئے تھے جو اس وقت اور اس وقت کے مقتضائے حالات کا مقابلہ کیا جانا جائز سمجھا جائے ، وقت کو ہرگز ایک لمحہ بھی قرار نہیں ہے نتیجہ میں مقتضائے وقت کو بھی قرار ممکن نہیں۔ اکبر و جہانگیر کی صدی کے حالات و مقتضائے اوقات کا مقابلہ و موازنہ موجودہ صدی کے حالات سے ہم کس طرح کر سکتے ہیں اور یہی وہ نکتہ تھا جسے جناب امیر علیہ السلام نے اس شخص کے جواب میں بیان فرمایا جس کی نقل ہم نے ابھی علامہ ابن خلدون کی تاریخ کے مقدمے سے اوپر کی ہے۔ تاریخ اسلام کے صفحات کھلے ہوئے ہیں ہم ان تفصیلات سے قصداً بچنا چاہتے ہیں کہ ہماری اس مختصر کتاب میں ان تفصیلی مباحث کے لئے گنجائش کہاں ہے۔

ہمارے مخاطب والا مقام نے جناب امیر کی بے مثل مقبولیتِ خداداد پر کس قدر بدنما اعتراض اپنی عبارت زیر بحث میں کیا ہے۔ اگر بعض اشرار بنی امیہ اور خوارج کی ایک جماعت آپ کے خلاف ہو بھی گئی تھی تو اس سے آنجناب کی اس عالمگیر مقبولیتِ خداداد پر کیا اثر مرتب ہو سکتا ہے اور اگر بعض کا اختلاف ہمارے مخاطب کے نزدیک اتنا ہی اہم اور مؤثر ہے تو پھر خلافت راشدہ ہی سے دستبرداری کی نوبت آ جائے گی مسلمانوں کی دو سب سے بڑی جماعتوں میں سے ایک جماعت یعنی جماعت امامیہ کے عقائد پہلے تین خلفائے راشدین اور بعض دیگر صحابہ کی حد تک کسی سے مخفی نہیں ہیں تو کیا محض اس وجہ سے کہ ان تینوں خلفا کی مقبولیت عام میں رخنہ واقع ہو گیا ہمارے مخاطب خلافت راشدہ کی حقیقت ، اور عالمگیر مقبولیت کے

بیان سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہیں۔ دیدہ باید۔

اب رہی جناب امیر علیہ السلام بلکہ آنجناب کے دودمان والاشان کی عالم اسلام میں مقبولیت عامّہ۔ وہ ہر عاقل و بالغ بصیر پر روشن ہے۔ اہلسنت اپنے طریقے پر اور شیعہ اپنے طریقے پر اس مقدس و برگزیدہ ہستی اور آپ کی اولاد اطہار سے عقیدت و اتباع کا اظہار کرتے اور اس سلسلۃ الذہب کے افراد طاہرین سے تمسک کرتے ہیں۔ جماعت امامیہ میں اس سلسلہ عالیہ کی فضیلت سوائے ایک ذات ختم المرسلین کے تمام عالم پر تسلیم شدہ ہے اہلسنت اگرچہ ان ذوات مقدسہ کو اس طور پر معصوم تو تسلیم نہیں کرتے اور نہ جماعت انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں مگر بالاتفاق ان کو محفوظ جانتے اور خاصان خدا کی مخصوص و مقدس جماعت میں ان کا مقام ارفع واعلےٰ تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے پہلی دو ہستیاں بعقیدہ اہلسنت خلفائے راشدین میں بھی شامل ہیں اور اگرچہ جناب امام حسین ع کی خلافت راشدہ بعقیدۂ اہلسنت بطور جلی ظاہر نہ ہوسکی مگر بالاتفاق سب اہلسنت آپ کے احق بخلافت ہونے کا عقیدہ رکھتے اور جناب ممدوح الشان کو سید الشہدا تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو اہل اسلام کے ان دونوں بڑے گروہوں میں یہ ایک عظیم مناقشہ درپیش ہے کہ اس مقدس جماعت طاہرین ع کا متبع و مقلد حقیقی ہے کون ——— شیعہ جماعت مدعی ہے کہ ہم اس جماعت کے حقیقی پیرو ہیں۔ اور فریق ثانی کا دعوے اس جماعت کی پیروی کی حد تک غلط ہے۔ فریق ثانی یعنی اہلسنت شیعہ جماعت کے اس اِدّعاء کی

تغلیط کرتے ہوئے ان ائمہ طاہرین مقبولین کے اصلی وحقیقی پیرو ہونے کا مدعی ہے۔ ایک ہزار سال سے زائد اور ڈیڑھ ہزار سال سے کچھ کم مدت سے یہ مناقشہ باہمی برابر چلا آرہا ہے۔ ہمارا مقصد تو اس مقام پر صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین کی مقبولیت عام اور ہر دلعزیزی کا اب تک یہ عالم رہا ہے کہ ہر فریق ان سے متمسک ہونے اور ان کے بے مثل تقدس اور ہادئ طریق و مرشدِ انام ہونے پر کامل اعتقاد رکھتا ہے۔ کیا ایسی عظیم الشان مقبولیت کسی دوسرے خاندان یا کسی ایک فرد خاندان میں نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں بھی کہیں دکھائی جا سکتی ہے۔ اللہ اللہ کیسی بے مثل اور عالمگیر مقبولیت سلسلۃ الذہب کے ان افراد طیبین وطاہرین کو جناب باری تعالےٰ نے عطا فرمائی ہے مگر ہمارے مخاطب عالی مقام یہی فرمائے جاتے ہیں کہ جناب امیر کو مقبولیت حاصل ہی نہیں ہوئی اور لوگ آپ کے ایمان ہی سے انکار کرنے لگے بلکہ آپ کی تفسیق وتکفیر بھی کی گئی جس کا سلسلہ ایک گروہ (یعنی خوارج میں اب تک بھی جاری ہے" (ختم) ہاں جناب ابن تفسیق وتکفیر کا علم ہمیں بھی ہے خدانہ کرے کہ آپ بھی ان مفسقین ومکفرین کی جماعت میں شامل ہوں۔ آپ نے مفسقین ومکفرین کی مردود جماعت کا تو ذکر کر دیا مگر ان بدبختان ازلی کا ذکر کیوں نظر انداز فرما دیا جنہوں نے جناب امیر کو الوہیت کے درجے پر ہی پہنچا دیا تھا۔ ہمارے نزدیک تو یہ دونوں گروہ بر سر ناحق ہیں۔ باوجود ان دونوں گروہوں کی سراسر افراط وتفریط ناجائز کے جناب امیرؑ کا مقام ارفع واعلیٰ اپنی جگہ پر ہے اور مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہ اپنے اپنے نقطۂ نظر سے آپ کو خلیفۂ برحق و امامِ مطلق و پیشوائے دین و قدوۂ ارباب علم ولقین مانتے چلے آرہے ہیں۔

ہمارے ان بیانات کی تائید میں اساطین اہل سنت کے تائیدی مقالات کتاب:

ہذا کے اوراق میں جا بجا نظر آئینگے مگر چونکہ یہاں خاص طور پر بعض مختارات اہلسنت کا ذکر ہوا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کی کسی ایسی مسلمہ و مقبولہ ہستی کے کلام سے ان بیانات کی تائید و تشیید کرادی جائے کہ کسی کو مجال دم زدن ہی باقی نہ رہے۔ ارباب بصیرت سے یہ امر ہرگز مخفی نہیں ہے کہ مناقشات بین المسلمین کے مسائل متعارفہ میں اہل سنت کی سب سے زیادہ مشہور و معروف و مقبول ہستی جناب حبر العلام و فاضل القمقام خاتم المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ کی ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ مسلمہ طور پر پیشوائے متکلمین اہل سنت ہیں اور آپکے علم و فضل کا اعتراف تمام عالم اسلام کر چکا ہے لہٰذا ہم اپنے ان بیانات کی حد تک جو ہم نے ائمہ طاہرین کے سلسلۃ الذہب کی حد تک لکھے ہیں جناب خاتم المحدثین کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے گا کہ جناب امیر اور آپ کی اولاد طاہرین کو کیسی عالمگیر مقبولیت اہلسنت میں ہمیشہ سے حاصل رہی ہے اور انشاء اللہ تا بقیام قیامت حاصل رہے گی۔ اب آپ اہل سنت کی اس عقیدتمندی کا کچھ حال جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے جس سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ ائمہ طاہرین اہل بیت کے اس سلسلۃ الذہب کا کیا مقام عقائد و مختارات اہل سنت میں ہے:-

(۱) اہلسنت اجماع دارند برآں کہ محبت اہلبیت کلہم بر ہر مسلم و مسلمہ فرض و لازم و داخل در ارکان ایمان است و در فضائل اہل بیت جمعاً و فرادیٰ تصانیف پرداختہ اند و مناقب ایشاں را روایت نمودہ و عمر ہا بنواصب مروانیہ و عباسیہ دریں مقدمہ پرخاش کردہ طائفہ از ایشاں مثل سعید بن جبیر و نسائی بہ شہید

شدند (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۸۸) یعنی تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ اہلبیت رسول ؐ
کی صحبت ہر مسلمان پر واجب اور ارکان ایمان میں داخل ہے اور اہلسنت نے اہلبیت
علیہم السلام کے فضائل میں مجموعی طور پر بھی اور خاص خاص افراد اہلبیت کے
لئے ہی تصانیف کی ہیں اور ان کے مناقب روایت کئے ہیں اور مدتوں تک نواصب
مروانیہ وعباسیہ سے اس معاملہ میں پرخاش جاری رکھی ہے اور ان کی حمایت
میں بعض اکابر اہلسنت مثلاً سعید بن جبیر اور نسائی علیہما الرحمۃ شہید بھی ہوئے ہیں (ختم)

(۲) روایت حدیث از ائمۂ اہلبیت در کتب اہل سنت بسیار است وسلسلۂ
آبائی اہل بیت را بسلسلۃ الذہب نامیدہ اند (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۹۸) یعنی اہل
سنت کی کتب احادیث میں آئمۂ اہلبیت سے بکثرت روایات منقول ہیں اور اس سلسلۂ
آبائی اہل بیت کا نام اہلسنت نے سلسلۃ الذہب رکھ دیا ہے (ختم)

(۳) باز چوں تامل کردیم دیدیم کہ پیشوایان اہل سنت خواہ در فروع فقہ
وخواہ در اصول عقائد وخواہ در عقائد وسلوک طریقت بلکہ در تفسیر وحدیث نیز ہمہ
از اہل بیت اخذ نمودہ اند وبہ تلمذ اہل بیت مشہور ومعروف وائمۂ اہلبیت ہمیشہ در
حق شاں ملاطفات ومباسطات فرمودہ اند بلکہ بشارت دادہ الخ (تحفہ اثنا
عشریہ صفحہ ۷۳۶) خلاصہ کلام یہ کہ اصول و فروع فقہ وسلوک طریقت وتفسیر و
حدیث کے مسائل اہل سنت نے اہل بیت سے اخذ کئے ہیں اور ائمہ کی شاگردی
کے لئے اہل سنت مشہور بھی ہیں اور ائمہ نے ان پر ہمیشہ لطف وکرم کئے ہیں اور
بشارت بھی دی ہے۔

(۴) (باعتقاد اہلسنت) بعد از حضرت امیر حضرت امام حسن امام بودہ

بعد از حضرت امام حسن دیگر ائمہ اطہار استحقاق امامت داشتند لیکن چوں بالیشاں بیعت اہل حل وعقد واقع نشد واکثر ایشاں بسبب غلبہ شغل باطن وتعلیم علم درخواست ایں معنی ہم نکردند بالفعل امام نشدند...... ودر جمیع ایں فنون (ائمہ اہلبیت پیشوا بودہ اند خصوصاً در ہدایت باطن وارشاد طریقت کہ مخصوص بالیشاں بود بایں جہت ایشاں را اہلسنت علی الاطلاق ائمہ دانند نہ امامت کہ مرادف خلافت است .... ولہذا خلافت را منحصر در پنج شخص مذکور داشتہ اند... پس ہمیں است خلافت حقہ کہ در پنج شخص مذکور است (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۷۷) مطلب یہ ہے کہ باعتقاد اہلسنت حضرت امیر علیہ السلام کے بعد امام حسن امام ہوئے اور امام حسنؑ کے بعد دیگر ائمہ اطہار بھی مستحق خلافت تھے مگر چونکہ ان سے اہل حل وعقد کی بیعت نہ ہو سکی اور ان میں سے اکثر نے بوجہ اشتغال تعلیم باطن وتعلیم علم امامت ظاہری کی خواہش بھی نہیں کی تھی امام بالفعل نہیں ہوئے .... اور عقائد وکلام وغیرہ کے پیشوا بھی یہی آئمہ ہیں خصوصاً ہدایت باطن اور ارشاد طریقت کے تو خاص طور پر یہ پیشوائے اہل سنت ہیں اسی وجہ سے اہلسنت ان کو علی الاطلاق آئمہ کہتے ہیں اور ان کی امامت کو خلافت کا مرادف نہیں کہتے .... اس لئے بعقیدۂ اہلسنت خلافت راشدہ انہیں پانچ اشخاص (خلفائے اربعہ وامام حسنؑ) میں منحصر ہے اور یہ خلافت حقہ ان پانچ شخصوں تک ہی محدود ہے (ختم)

(۵) نیز ائمہ طیبین مثل حضرت سجاد وباقر وصادق وکاظم ورضا ہمہ مقتدایان وپیشوایان اہلسنت بودہ اند کہ علمائے ایشاں مثل زہری وامام ابوحنیفہ وامام مالک تلمذ از انجناب کردہ اند وصوفیائے آں وقت مثل معروف کرخی رح از آنجناب فیض اندوختہ

ومشائخ طریقت سلسلۂ آں حضرات را سلسلۃ الذہب نامیدہ ومحدثین اہلسنت ازاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر سلوک دفتر دفتر احادیث روایت کردہ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۸۴) یعنی تمام ائمہ اہلبیت اہلسنت کے مسلمہ مقتدیٰ و پیشوا ہوئے ہیں اور اہلسنت کے علماء مثل زہری اور امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہم نے ائمہ کی شاگردی اختیار کی اور اس زمانے کے صوفیائے کرام مثلاً حضرت معروف کرخی رح وغیرہ نے ان ائمہ ؑ سے فیض حاصل کیا اور مشائخ طریقت اہل سنت نے ان حضرات ائمہ کے سلسلے کو سلسلۃ الذہب کے نام سے موسوم کیا اور محدثین نے ان ائمہ سے ہر فن اور خصوصاً تفسیر و سلوک میں دفتر کے دفتر احادیث کے روایت کئے ہیں (ختم)

یہ چند اقتباسات اہلسنت کے ایک مسلمہ عالم جلیل القدر و عظیم المنزلت کی صرف ایک ہی کتاب سے ہم نے یہاں نقل کر دئے ہیں ورنہ اگر دیگر اساطین اہل سنت کی صدہا دیگر ضخیم مجلدات سے دو دو چار چار اقتباسات بھی لئے جائیں تو اس مضمون پر ایک ضخیم جلد بجائے خود ہو جائے گی۔

ایہا الناظرین! دیکھا آپ نے ۔۔ یہ ہے عقیدۂ اہلسنت جناب امیر علیہ السلام اور آپ کی اولاد اطہار علیہم السلام کی حد تک مگر ہمارے مخاطب والا مقام یہی فرمائے جاتے ہیں کہ جناب امیر ؑ کو مسلمانوں میں مقبولیت ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ آپ کی تفسیق و تکفیر بھی کی گئی اعاذنا اللہ عن العصبیۃ والعناد و عداوت اہلبیت الامجاد اگر ہم نے اپنی پہلی تحریر میں مجملاً اس مقبولیت سلسلۃ الذہب کی طرف کی اشارہ کر دیا تھا تو کیا گناہ کیا تھا

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است　　　گناہ گبر و مسلماں بجرم ما بخشند

بحث خلافت راشدہ سی سالہ و دوازدہ خلف

قال المخاطب :- (خلاصہ کلام) (۱) تیس سال کی مدت تک خلافت راشدہ کی مشہور حدیث محض وضعی اور امیر المومنین معاویہ و یزید رضی اللہ عنہما کی خلافتِ راشدہ کے ابطال کی غرض سے وضع کی گئی ہے۔

(۲) رسول کے پسندیدہ اصحاب میں سے جو شخص بھی زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لے وہی شخص خلیفہ راشد ہے اور شرعاً اس کی خلافت خلافت راشدہ سمجھی جاتی ہے۔

(۳) مشہور حدیث اثنی عشر خلیفہ کلہم من قریش الخ کی بموجب پانچویں خلیفہ راشد امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے خلیفہ امیر المومنین یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

الجواب :- غلط ہے یہ دعوی کہ تیس سال تک خلافت راشدہ کے قیام وبقا کی جو پیشگوئی جناب رسول مقبول کی زبانی بیان ہوئی ہے وہ صحیح نہیں ہے جماعت محدثین کے علاوہ اہلسنت کے اکابر علما و فقہا و مورخین تمامی امصار واعصار میں متفق اللفظ ہو کر اس ارشاد نبوی کی تصدیق کرتے چلے آرہے ہیں اور اتنی کثرت سے اس پیشگوئی نبوی کا بیان ہوا ہے کہ اس کی صحت تواتر سے بھی متجاوز ہو کر اہلسنت کے اصولی اور بنیادی عقائد میں ہمیشہ سے داخل چلی آرہی ہے۔ حیرت ہوتی ہے جناب مخاطب عالی مقام پر کہ با وجود ادعائے تسنن

آپ کو مسلمات اہل سنت کے خلاف ایسا بلند بانگ (وور باطن ہیچ) دعوے کرتے ہوئے ادنیٰ تامل بھی نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں موقعہ حاصل ہوتا تو ہم ضرور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ آنجناب نے اپنے بلدیہ کے مردم شماری کے رجسٹر میں اپنا مذہب و مسلک کیا درج کرایا ہے۔ جہاں تک آپ کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اہلسنت کی جماعت ہی میں شامل ہونے کا ادّعا کرتے ہوئے آپ مسلمات اہل سنت کی تردید و تخریب کے دَرپے اور "یکے بر سر شاخ و بن می برید" کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دور آزادی میں آپ کو اپنے حقیقی مشرب و مسلک کے اعلان کر دینے میں کیا امر مانع ہے۔ اہلسنت تو وہی توضیح و تشریح کلام نبوی کی تسلیم کرینگے جس پر ان کے اکابر و اساطین نے ہمیشہ اتفاق کیا ہے اور بالاتفاق ہزارہا مقامات پر وضاحت کی ہے کہ بموجب ارشاد نبوی خلافتِ راشدہ کا دَور جناب سبطِ اکبر حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا پر اُسی روز ختم ہو گیا جس روز آپ نے خلع حکومت بحق امیر معاویہ کے معاہدے پر دستخط کئے تھے اور حضور کی وفات پہ مدت سی سال منقضی ہوئی تھی۔ کہاں تک ہم اس مشہور و متعارف مختار اہلسنت کو ظاہر کرنے کے لئے منقولات پیش کر سکتے ہیں۔ آپ ہزار کوشش کریں لیکن ناممکن ہے کہ آپ کے امیر المومنین معاویہ یا امیر المومنین یزید کی خلافت بعقیدہ اہلسنت خلافت راشدہ ثابت ہو سکے۔ وایں خیال است و محال است و جنون اگرچہ ہمیں اس مشہور و معروف بلکہ بنیادی عقیدہ اہلسنت کی وضاحت کے لئے یہاں اکابر و اساطین اہل سنّت کے بیانات پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت تو ہے نہیں مگر چونکہ بیان ہو ہی رہا ہے لہٰذا بمصداق اند کے از بسیارے چند

شواہد ناظرین کتاب ہٰذا کی خدمات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں :-

عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :- "بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت نبوت و خلافت رحمت ہوگی پھر شخصی مملکت ہو جائے گی آنحضرت کی وفات کے بعد ہی خلفائے اربعہ کی حکومت قائم ہوئی لہٰذا ان کی خلافت خلافت نبوت و رحمت تھی۔ اگر خلفائے راشدین کی سیرت انبیاؑ کی سیرت کے مشابہ نہ ہوتی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و خلافت رحمت کس طرح ہو سکتی تھی اور بہت سی احادیث مستفیضہ میں آنحضرتؐ نے بیان فرمایا ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی سفینہؓ نے اس کی تفسیر خلفائے راشدین سے کی ہے اور عقل بھی اسی کی شہادت دیتی ہے کیوں کہ مطلق ریاست و امارت اسلامیہ کی مدت تیس سال نہیں بلکہ زیادہ ہے پس خلفائے اراشدین کی خلافت ہی خلافت راشدہ تھی نہ شخصی یا جبری سلطنت اور اسی لئے آنحضرتؐ نے ان کی مدح فرمائی ہے اور خلافت غصبیہ کسی طرح بھی قابل مدح نہیں ہے (ازالۃ الخفا مقصد دوم از فصل ہفتم مقدمۂ دوم از دلائل عقلی) الغرض جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ان تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ نقلاً و عقلاً یہی تیس سالہ خلافت خلافت راشدہ ہے اور امیر معاویہ وغیرہ کی خلافت غصبیہ کسی طرح بھی قابل مدح نہیں ہے۔

دوسرے مقام پر جناب محدث ممدوح الشان علیہ الرحمہ ترمذی شریف کی حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خلافت میری امت میں تیس سال تک رہے گی اور پھر مملکت ہو جائے گی۔ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ اس کے بعد سفینہ رضؓ نے خلفائے اربعہ کی مدت خلافت شمار کرائی تو اس کی کل تعداد تیس سال ہوئی۔ اس کے

بعد سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضہ سے کہا کہ بنی امیہ کا بیان ہے کہ ان کے درمیان بھی خلافت ہے تو آپ نے فرمایا کہ بنو زرقا یعنی بنو امیہ دروغگو ہیں وہ خلیفہ نہیں بلکہ اشر ملوک ہیں۔ ترمذی شریف (ازالۃ الخفا حصہ اول مسند سفینہ رضہ ص ۲۲۹)

یہی محدث عظیم الشان علیہ الرحمہ دوسرے مقام پر بحث آیہ استخلاف میں تحریر فرماتے ہیں :- یہ بھی جاننا چاہئیے کہ منکم کے مرجع میں دو احتمال ہیں منکم کا مخاطب یا کل امت ہے یا صرف حاضرین بروقت نزول آیت اور ہم اوپر تحقیق کر چکے ہیں کہ مراد آخر الذکر ہیں کیونکہ اگر امت محمدیہ مخاطب ہو تو لفظ منکم اور لفظ الذین آمنو میں تکرار لازم آئے گی اور جب مراد صرف حاضرین نزول سورۂ نور ہوئے تو امیر معاویہ اور دیگر بنی امیہ و خلفائے عباسیہ اس کے مفہوم سے خارج ہو گئے (ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۴۸)

یہی محدث عظیم وجلیل دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :- اس کے بعد حدیث "الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام پر غور کرنا چاہیئے کہ :- سلطنت اسلامیہ کی دو قسمیں کی گئیں۔ خلافت اور ملک اور بتا دیا گیا کہ خلافت مدینہ میں ہو گی اور ملک شام میں (ازالۃ الخفا مقصد دوم فصل پنجم)

مورخ ومحدث ومفسر عظیم وجلیل علامہ جلال الدین سیوطی رح تحریر فرماتے ہیں :- حسن بن علی بن ابی طالب ابو محمد سبط رسول اللہ صلعم آپ نص یعنی حدیث رسول کے موافق آخری خلیفہ ہیں (تاریخ الخلفا ص ۱۹۹) یہی مفسر ومورخ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن شیبہ نے مصنف میں سعید بن جمہان سے روایت کی ہو کہ میں نے

سفینہ رضؓ سے کہا کہ بنو امیہ کہتے ہیں کہ خلافت ہمارے خاندان میں ہے تو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بنو امیہ جھوٹے ہیں بلکہ وہ بادشاہ اور سخت ترین بادشاہ ہیں (تاریخ الخلفا ص ۲۱۲)

خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح تحریر فرماتے ہیں :۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہلسنت کے عقیدے میں اگر استحقاق امامت نقل سے ثابت ہو تو اسے خلافت راشدہ کہتے ہیں اور اگر عقل و قرائن ظنیہ سے ثابت ہو تو اسے خلافتِ عادلہ کہتے ہیں اور اگر بلا استحقاق کوئی شخص متغلب مسلط ہو جائے تو اسے خلافت جائرہ اور ملک عضوض کہتے ہیں۔ خلفائے اربعہ کی خلافت اہلسنت کے نزدیک خلافت راشدہ ہے پس ان میں سے ہر ایک کا استحقاق امامت نص سے ثابت ہے (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲۹)۔

اہلسنت کے یہی مشہور و معروف بزرگ جناب خاتم المحدثین رح دوسرے مقام پر اہلسنت کے اس متعارف عقیدہ کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں :۔

"پس یہی ہے خلافت حقہ جو پانچ اشخاص مذکورین (خلفائے اربعہ و امام حسنؑ) میں منحصر ہے.... اور اگرچہ امام حسنؑ کا استحقاق حکومت آپ کی ذات عالی صفات میں اس وقت منحصر تھا اور اسی طرح مخالف (یعنی امیر معاویہ) کی بے استحقاقی بھی مسلم تھی مگر ظاہر یہ ہے کہ امام حسنؑ نے سمجھ لیا تھا کہ خلافت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اور کاٹ کھانے والی بادشاہت اور ظلم و بے داد کا زمانہ آن پہنچا ہے۔ اگر میں اس وقت اس ریاست کے درپے رہوں گا اور یہ مقدر میں چونکہ نہیں ہے منتظم نہ ہو گی اور فتنہ و فساد و غضب و عناد کی صورت درپیش رہے گی اور امامت میں جو

جو مصلحتیں ملحوظ و منظور ہونی چاہئیں وہ سب یکسر فوت ہو جائینگی ان تمام حالات میں) ناچار اُس وقت کی ریاست سے آپ نے علیحدگی اختیار کر لی اور امر ریاست امیر معاویہ کے سپرد کر دیا کہ اس وقت وہ اسی کے اہل تھے اور یہ صلح و تسلیم کسی قلت و ذلت کے باعث نہیں کی گئی کیونکہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ اس وقت فوج کثیر مستعد جانبازی موجود تھی اور یہ فوج یکدل و یک رو ہو کر نصرت امام میں ساعی تھی مگر چونکہ کل مدت خلافت تیس سال تھی آپ نے یہ امر ترک فرما دیا۔
(تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۳۷۸)

فخر المحدثین جناب علامہ محقق دہلوی حضرت شاہ عبدالحق علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :۔ رسول مقبولؐ نے خبر دی کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔ اس کے بعد ملک ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ کاٹ کھانے والا ملک ہوگا اور فرمایا کہ اس امر کی ابتدا نبوت و رحمت سے ہے اس کے بعد رحمت ہے خلافت ہے اور اس کے بعد ملک عضوض یعنی کاٹ کھانے والا ملک اور اس کے بعد عتود و جبروت و فساد (مدارج النبوۃ صفحہ ۲۰۹)

علامہ سعد الملت والدین تفتازانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں۔

فمعاویہ ومن بعدہ لا یکونون خلفا بل ملوک و امراء
(شرح عقائد) یعنی امیر معاویہ اور اس کے بعد ہونے والے ملوک و امرا تھے نہ کہ خلفاء

علامہ فضل ابن روزبہان ابطال الباطل میں تحریر فرماتے ہیں۔

واما معاویہ فانہ کان من ملوک الاسلام فی اعمالھم ولا یخلو عن المطاعن :۔ یعنی امیر معاویہ کا شمار ملوک اہل اسلام میں اعمال کی حد تک ہے

جو مطاعن سے خالی نہیں ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں تحریر فرماتے ہیں واما معاویہ ومن بعدہ علیٰ طریقۃ الملوک یعنی امیر معاویہ اور ان کے بعد کے امراء بادشاہوں کے طریق پر تھے۔

مولانا علی القاری شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں اوّل الملوک معاویہ یعنی سب سے پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔ دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ معاویہ ومن بعدہ لایکونون خلفا بل ملوکا وامراء۔ یعنی معاویہ اور ان کے بعد آنے والے خلفا نہ تھے بلکہ ملوک وامراء تھے

امیر معاویہ اپنے بادشاہ (نہ کہ خلیفہ راشد) ہونے کی خود بھی تصدیق کرتے ہیں علامہ ابن عبدالبر الاستیعاب میں امیر معاویہ کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں انہ کان یقول انا اوّل الملوک (یہ آخر کے پانچ اقتباسات ازالۃ الغین ص ۳۲ و ۳۳ سے یہاں نقل کئے گئے ہیں)۔

الغرض سی سالہ مدت خلافت راشدہ ایک ایسا مقبولہ ومسلمہ ناقابل تردید مسئلہ اہل سنت میں ہے جس سے کوئی فرد اہل سنت انکار کر ہی نہیں سکتا۔ مگر ہمارے مخاطب والا مقام ہی غالباً پہلے شخص ہیں جو بزعم خود اہل سنت کے منصب تجدید واجتہاد پر فائز ہو کر مدعی اس امر کے ہوئے ہیں کہ تیس سال تک خلافت راشدہ کی حدیث وضعی ہے جس کی کوئی اصلیت ہی نہیں ہے اور وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خاص اسی لئے وضع کی گئی ہے کہ امیرالمومنین معاویہ وامیرالمومنین یزید رضی اللہ عنہما کو خلافت راشدہ سے خارج کردیا جائے حیرت ہے کہ تمام اجلہ محدثین

وعلمائے راسخین واولیائے کاملین وناقلین موثقین اب چودھویں صدی ہجری تک بھی اس سے بے خبر رہے کہ یہ مشہور ومقبول حدیث بغض معاویہ ویزید کے باعث وضع کرلی گئی ہے اور اس حدیث کی تحقیق کی حد تک ان سب علمائے اعلام کی بصارت اور بصیرت دونوں ناکارہ ثابت ہوئی ہیں نہ انہوں نے نقد رجال ہی سے کام لیا اور نہ ولائے خلیفہ راشد وبرحق امیرالمومنین یزید ہی کا کوئی لحاظ کیا۔ یہ شرف ہمارے مخاطب والا مقام کو ہی حاصل ہونے والا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پرانے اور فرسودہ طلسم کا پردہ چاک چاک کر ڈالا۔ عیاذاً باللہ۔ خاندان بنی امیہ کے ان مخصوص افراد سے محبت ایسی تو ہو کہ اجلہ ثقات امت علیہم الرحمہ کی کیسی ہی تکذیب و تغلیط کیوں نہ ہو جائے مگر ان سلاطین جائرین کو سریر خلافت راشدہ پر ضرور متمکن کرادیا جائے۔ اے سبحان اللہ کیسی نمایاں خدمت ہمارے مخاطب والا مقام نے اپنے قلم تیزدم وحمایت شیم سے اب چودھویں صدی ہجری میں انجام دی ہے جو غالباً ابن زیاد ومسرف نے بھی ان دونوں راشد خلیفوں کی اپنے اپنے اوقات میں انجام نہ دی ہو گی۔ کیسی عمدہ وکالت ہے اور کیسی پُرزور حمایت کہ عقیدہ مسلّمہ اہلسنت ہی اس کی پیش رفت میں منسوخ کردیا گیا اور ایک ہی سانس میں حدیث خلافت راشدہ سی سالہ کو غلط اور محض وضعی قرار دیدیا اس اجتہادی فرمان نادری کے صدور کے وقت اگر بیہقی اور رازی بھی موجود ہوتے تو شاید اپنے اپنے کان پکڑ لیتے اور اس مختار مسلمہ اہلسنت سے تائب ہو جاتے۔ نازم بریں منصب اجتہاد وتجدید۔ یاد رکھیئے اگر کوئی معمولی واقعہ ہو یا کوئی دوسرا متنازعہ مسئلہ فروع میں ہو وہاں کی حدیث کے موضوع ہونے نہ ہونے کا سوال اگر زیر بحث لایا بھی جائے تو بشرطے کہ کوئی دوسرا امر مانع نہو اس

میں گفتگو کی گنجائش نکالی بھی جاسکتی ہے مگر جن احادیث پر بنیادی عقائد مبنی ہوں۔ اور ثقات امت اجماعاً متفق اللفظ ہوکر ہمیشہ اس کی تصدیق کرتے آئے ہوں ان اخبار و آثار و عقائد اجماعی کی صحت کے لئے انتقاد رجال وغیرہ سے استدلال مخالفانہ سراسر بے محل اور قطعاً مردود سمجھا جاتا ہے۔ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ کا ارشاد ہدایت بنیاد نبوی اس مقام پر کس قدر برمحل ہے۔

مخاطب والا مقام نے دعویٰ تو کردیا کہ حدیث خلافت راشدہ سی سالہ غلط محض اور سراسر وضعی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوے بے ہنگام کی رکاکت و سخافت کا بھی آنجناب کو فوری طور پر احساس ہوا اور اس کی تاویل اس طرح فرمائی گئی کہ یہ حدیث خاص طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافتِ راشدہ کی منزلت عالیہ کو کم کرنے کی غرض سے اور دوسری حدیث شریف خلفائے اثنائے عشر کے بیانِ اصح کی تکذیب و تردید کے لئے وضع کرلی گئی ہے مطلب آنجناب کا یہ ہے کہ چونکہ بعض اصحاب اہلسنت نے خلفائے اثنا عشر کی حدیث میں جناب امیر معاویہ کا شمار کرلیا ہے حدیث خلافت راشدہ سی سالہ وضع ہوکر امیر معاویہ کو خلافتِ راشدہ سے خارج کردیا گیا حالانکہ امیر معاویہ کی خلافت خلافت راشدہ ہے اور کیوں نہ خلافت راشدہ ہو کہ امیر معاویہ جیسے جلیل القدر صحابی کاتب وحی و خال المومنین کے زیر حکومت زبردست جہاد ہوکر فتوحات ملکی بھی ہوئیں مسلمانوں میں باہم اتفاق و اتحاد بھی رہا اور تمام رعایا مرفہ الحال و منشرح البال ہی ہر طرف امن بھی رہا حدیث خلفاء اثنا عشر کی بموجب حضرت امیر معاویہ پانچویں خلیفہ راشد۔ اور امیر المومنین یزید چھٹے خلیفہ راشد قرار پاتے ہیں، ان دونوں کے عہد ہمیمنت

عہد میں شعائر اسلام کی جس قدر حفاظت و صیانت کا اہتمام کیا گیا اور توسیع مملکت ہوئی وہ سب واقعات مندرجہ کتب تواریخ وغیرہ سے بخوبی ثابت ہے۔ وغیرہ۔ یہ ہے خلاصہ ہمارے مخاطب عالی مقام کے استدلال کا اس مقام پر

ہمارے ناظرین نے اکابر ملت کی زبان قلم سے حدیث سی سالہ خلافت راشدہ کی تشریح و توضیح تو ابھی سماعت فرمائی، اس کے بعد ہرگز اس مبحث پر قلم چلانے کو جی نہ چاہتا تھا مگر دوسری حدیث شریف خلفائے اثنا عشر کو چونکہ ہمارے مخاطب عالی مقام نے اپنے ممدوحین خاص کے لئے بطور منقبت کے پیش فرمانے کی جسارت بے جا فرمائی ہے اور یہ بیان فرمادیا ہے کہ اس حدیث کی موجودگی میں حدیث سی سالہ خلافت راشدہ موضوع محض قرار پاتی ہی ہم مجبور ہیں کہ بر سبیل اختصار ہی سہی اپنے معروضات پیش کر دیں۔

یہ حدیث صحیحین شریفین کے علاوہ بھی متعدد کتب حدیث میں بعض الفاظ کے اختلاف سے درج ہے لا یزال ھذا الامر صالحاً اور لا یزال ھذا الامر عزیزا حتی یمضی فیھم اثنا عشر خلیفہ کلھم من قریش اسی قسم کے الفاظ میں یہ حدیث شریف ہماری کتب احادیث میں درج کی گئی ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی مشہور و مقبول کتاب تاریخ الخلفائ کے آغاز ہی میں تفصیل سے تقریر درج فرمائی ہی جس سے اس کے مختلف طرق پر بآسانی آگاہی حاصل کی جاسکتی ہی۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے طور پر ان کی تفصیل و تشریح بیان کریں حضرت محدث و مفسر و مورخ ممدوح علیہ الرحمہ کے الفاظ میں ہی اس حدیث شریف کا بیان لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ آپ کی عبارت کا اردو متن یہ

یہ ہے :- "عبداللہ احمد کہتے ہیں کہ جابر بن سمرہ نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ ہمیشہ اسلام غالب رہے گا جب تک کہ قریش میں بارہ خلیفہ نہ گذریں۔ اس کو شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کے بہت سے طریقے ہیں جن کے الفاظ اس طرح ہیں۔ یہ نیک امر ہمیشہ رہے گا۔ یہ امر ہوتا رہے گا۔ (ان دونوں کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے) امام مسلم کے نزدیک یہ الفاظ ہیں "ہمیشہ لوگ گذرتے رہیں گے یہاں تک کہ بارہ حاکم ان پر ہوں گے انہوں نے اس طرح بھی روایت کیا ہے"۔ یہ امر نہیں منقضی ہو گا حتی کہ اس میں بارہ خلیفہ نہ ہو چکیں نیز" ہمیشہ رہے گا۔ اسلام بارہ خلفار کے گذرنے تک"۔ بزار اس طرح روایت کرتے ہیں "میری امت کی حالت ہمیشہ قائم رہے گی۔ تا وقتے کہ اس میں بارہ خلفا نہ گذر جائیں اور وہ سب قریشی ہونگے۔ ابو داؤد نے اس پر اور اتنا اضافہ کیا ہے۔ "جب حضور اپنے مکان میں تشریف لے آئے تو قریش آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ پھر کیا ہو گا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ پھر قتل اور فساد ہو گا ایک روایت میں اس طرح ہے۔ "ہمیشہ رہے گا یہ دین قائم یہاں تک کہ ہونگے تم پر بارہ خلیفہ کہ جن پر تمام امت کا اجتماع اور اتفاق ہو گا"۔ احمد اور بزار کے نزدیک لبسند حسن اس طرح ہے کہ ابن مسعود سے دریافت کیا گیا کہ ہم پر کتنے خلفاؑ و حکمران ہوں گے ابن مسعودؓ نے کہا کہ ایک بار ہم نے حضور سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بارہ خلفا ہوں گے جتنے بنی اسرائیل میں نقیب تھے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان احادیث یا ان کے ہم معنی احادیث میں بارہ خلفا سے شاید یہ مراد ہو کہ وہ بارہ خلیفہ قوت و استقامت اسلام کے زمانہ میں ہوں گے اور

اجتماع و اتفاق ایک شخص واحد کی خلافت کے لئے لوگوں میں پایا بھی جاتا ہے الخ (تاریخ الخلفا ص ۹)

الفاظ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کا معین ہونا ان خلفائے مذکورین کے تعین کے لئے ازبس ضروری ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ یہ سب خلفائے مذکورین فی الحدیث اب تک گزر چکے ہیں یا ان میں سے بعض گزر چکے ہیں اور بعض گزرنے والے ہیں یا ان مذکورین میں سے اب تک بھی کوئی نہیں گذرا۔ غور طلب یہ بھی ہے کہ یہ سب خلفا صالحین ہی ہوں گے یا ان میں سے بعض صالح اور باقی غیر صالح بھی ہوں گے یا ہو سکتے ہیں اور یہ پیشگوئی کسی محدود زمانے ہی کے لئے حضور نے فرمائی ہے یا قیامت تک کے لئے یہ پیشگوئی بلا تعین وقت ہے۔ یہ بھی وضاحت طلب ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس حدیث کے مذکورین میں ہیں یا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت خاص کی بنا پر شارع اسلام نے اس کی توضیح بیان کرنی مناسب خیال نہیں فرمائی کہ یہ بارہ خلفاء کون کون اور کس کس وقت میں ہوں گے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں ہر مصلحت خداوندی کا علم لازمی طور پر وضاحت ہی سے کرا دیا جائے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عدم توضیح میں کیا مصلحت خاص تھی چونکہ اس حدیث کے متون میں ابہامات خفی و جلی موجود ہیں مختلف اعصار و امصار کے علماء نے اپنے اپنے قیاسات و اجتہادات کی بناء پر خلفائے مذکورین فی الحدیث کے اسماء کا تعین کیا ہے۔ لیکن یہ سب عندیات اور شخصی مختارات اور ذاتی قیاسات کی حد سے متجاوز نہیں ہو سکتے۔ اور خصوصاً جب کہ ان علمائے اعصار کے عندیات میں واضح اختلافات بھی موجود ہیں۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ اسی خلافت راشدہ وغیر راشدہ کا ذکر متن حدیث میں ہے جو گذر چکیں

تو پانچ خلفائے راشدین کے علاوہ ماننا پڑیگا کہ ان پانچ صالحین کے علاوہ خلفائے غیر صالحین کا شمول بھی مذکور فی الحدیث ہے کیونکہ بالجزم کہا جاسکتا ہے کہ پہلے پانچ خلفائے راشدین کے بعد سوائے ایک خلیفہ صالح عمر بن عبد العزیز رح کے اور کسی کی صلاحیت مسلمہ جمیع امت محمدیہ نہیں ہے اس طرح چھ خلفائے صالحین تو شمار میں آسکتے ہیں باقی چھ رہ جاتے ہیں جو یا تو قیامت برپا ہونے سے قبل کسی ایک یا چند زمانوں میں ہوں گے. اور یا ان خلفائے غیر صالحین میں سے جو گذر چکے ہیں چھ غیر صالح خلفا کو مذکورین فی الحدیث تسلیم کرنا پڑیگا! الغرض ان امکانات و قیاسات کی کوئی حد ہی معین نہیں کی جاسکتی ہے قیاس بہرحال قیاس ہی کی حد تک ہے اور ابہامات بہرحال اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ و ذلک بمصالح لا یعلمہ الا اللہ۔

علامہ سیوطی رح نے جو تشریح مختلف متون حدیث کی لکھی ہے وہ ہمارے ناظرین نے ابھی ملاحظہ فرمالی اس کے بعد وہ اپنا ذاتی خیال ان بارہ خلفا مندرجہ متن حدیث کے متعلق اس طرح ظاہر فرماتے ہیں :۔ "میں کہتا ہوں کہ وہ بارہ خلفا یہ ہیں. خلفائے اربعہ۔ امام حسن رض. امیر معاویہ، ابن زبیر۔ عمر بن عبد العزیز۔ آٹھ تو یہ ہوئے نویں مہتدی کو بھی شامل کرنا چاہیئے کیونکہ یہ خلیفہ عباسیوں میں ایسا عادل ہوا ہے جیسا کہ بنی امیہ میں عمر بن عبد العزیز اسی طرح طاہر کو بھی شامل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھی بہت بڑا عادل خلیفہ ہوا ہے، دو ابھی باقی ہیں. ایک ان دو میں سے امام مہدی ہوں گے جو رسول کے اہلبیت میں سے ہوں گے (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱)

قاضی عیاض و ابن حجر وغیرہما نے اس حدیث کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ انہم یکونون فی مدۃ عزۃ الخلافۃ وقوت الاسلام

واستقامة امورہ والاجتماع علیٰ من یقوم بالخلافة جس کا ذکر ابھی علامہ سیوطی کی تاریخ کے بیان میں ہوا، اور اس طرح ولید بن یزید بن عبدالملک یک بارہ خلفا کے نام ان دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے قیاس سے شمار کرا دیے ہیں اسی طرح اس حدیث کے متعلق اپنی اپنی رائے مختلف ادوار کے علمائے کرام ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں جن میں بکثرت باہمی اختلافات موجود ہیں اور ان بارہ خلفا کے ناموں پر آج تک بھی کبھی یک سوئی یا اتفاق کی شکل نہیں نکل سکی ہے۔

انہیں علمائے اعلام اہل سنت میں سے بعض اکابر و اہل کشف و تحقیق نے ان بارہ خلفائے مندرجہ متن حدیث کو ائمہ طاہرین اہل بیت علیہم السلام کا سلسلۃ الذہب ظاہر کیا ہے جو اہلسنت کے مسلمہ خلفائے راشدین و غیر راشدین سے علیحدہ ایک مشہور و مقبول سلسلہ اپنے اپنے طریقے پر بین المسلمین تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے حدیث زیر بحث کے مختلف متوں میں کلہم من قریش کی صراحت موجود ہے مگر ایک روایت قطب ربانی امام ہمدانی علیہ الرحمہ اور بعض دیگر اکابر اہلسنت نے اس طرح بھی نقل کی ہے :-

عن عبد الملک بن عمیر عن جابر بن سمرہ قال کنت مع ابی عند رسول اللہ صلعم سمعت یقول بعدی اثنا عشرہ خلیفہ ثم اخفیٰ صوتہ فقلت لابی ما الذی اخفی صوتہ رسول اللہ صلعم قال قال کلہم بنی ہاشم (مودۃ القربیٰ وغیرہ) یعنی حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے حضور صلعم کو فرماتے سنا کہ میرے بعد بارہ خلفا ہوں گے اِس کے بعد حضور صلعم

نے کچھ آہستہ ارشاد فرمایا میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا کہ یہ آہستہ سے حضورؐ نے کیا فرمایا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ بارہ خلیفہ بنی ہاشم سے ہونگے (ختم) اس روایت اور دیگر ہم مضمون روایات مذکورہ میں معناً کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہی روایت ہے۔ راوی بھی وہی ہیں البتہ دوسری روایت میں کلمہ بنی ھاشم کی صراحت سے پہلی روایت کی تعمیم میں ایک تخصیص پیدا ہو گئی کیونکہ بنی ہاشم بھی تو قریش ہی میں شامل بلکہ اشرف و اکمل قریش ہیں بفحوائے مضمون حدیث شریف واصطفےٰ من قریش بنی ھاشم۔ اور قریش اور بنی ہاشم کے ذکر میں ظاہر ہے کہ کوئی منافات ہرگز نہیں ہے۔ فرق صرف اس قدر ہی ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری روایت پہلی روایت کی مخصص ہے۔ اگر یہ تخصیص بنی ہاشم کی حسب طور پر اس مقبولہ روایت میں ظاہر کی گئی ہے تسلیم کرلی جاتی ہے تو خلافت راشدہ اہلسنت سے خلفائے اثنا عشر کی حدیث کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا کیونکہ خلافت راشدہ مسلمہ اہل سنت میں غیر ہاشمی خلفا بھی موجود ہیں بلکہ اس صورت میں یہ ماننا پڑیگا کہ خلفائے اثنا عشر کی حدیث ایک دوسرے ہی سلسلے سے متعلق ہے جو اہلسنت میں تو سلسلۃ الذہب کے نام سے مشہور ہے۔ اور مسلمانوں کے دوسرے بڑے گروہ یعنی جماعت شیعہ اثنا عشری میں ائمہ معصومین مفترض الطاعت کی جماعت کہلائی جاتی ہے بعض اکابر علمائے اہلسنت نے بھی اس کی تصدیق اپنے اپنے اجتہادات کی بنا پر کردی ہے کہ درحقیقت خلفائے اثنا عشر میں ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہی کا ذکر ہے اور انہیں علما میں سے ہیں ملک العلما حضرت شیخ شہاب الدین عمر علیہ الرحمہ (صاحب ہدایت السعدا) اور محدث شافعی جلیل

علامہ حموینی علیہ الرحمہ (صاحب فرائد السمطین) اور شیخ الاسلام والمسلمین عارف باللہ جناب شیخ سلیمان قندوزی الحنفی (صاحب ینابیع المودۃ) اور بعض دیگر اکابر اہلسنت۔ از انجملہ یہاں حضرت شیخ الاسلام آخر الذکر کا مختار ان کی مشہور و معروف و مقبول کتاب مستطاب ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:- قال بعض المحققین ان احادیث الدالۃ علی کون الخلفاء بعدہ صلعم اثنا عشر قد اشتہرت من طرق کثیرۃ فبشرح الزمان وتعریف الکون والمکان ان مراد رسول اللہ صلعم من حدیث ھذا الائمۃ اثنا عشر من اھل بیتہ وعترتہ اذ لا یمکن ان یحمل ھذا الحدیث علے الخلفاء من بعدہ من اصحابہ لقتلھم عن اثنا عشر ولا یمکن ان یحملہ علی الملوک الامویہ لزیادتھم علی اثنا عشر ولظلمھم الفاحش الا عمر بن عبد العزیز ولکونھم غیر بنی ھاشم لان النبی صلعم قال کلھم من بنی ھاشم فی روایت عبد الملک عن جابر واخفاء صوتہ صلعم فی ھذا القول یرجح ھذا الروایۃ لانھم لا یحسنون خلافۃ بنی ھاشم ولا یمکن ان یحملہ علے الملوک العباسیہ لزیادتھم علی العدد المذکور ولقلت رعایتھم لایۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ وحدیث الکساء فلابد ان یحمل ھذا الحدیث علے الائمۃ الاثنا عشر من اھلبیتہ وعترتہ صلعم لانھم کانوا اعلم اھل زمانھم واجلھم و

اورعہم واتقاھم واعلاھم نسبا وافضلہم حسبًا واکرمہم عند اللہ وکان علومہم عن اٰبائہم متصلا بجدھم صلعم وبالوراثۃ واللدنیۃ کذاعرفہم اھل العلم والتحقیق ویوید ھٰذالمعنی ای ان مرادالنبی صلعم الائمۃ الاثنا عشرمن اھلبیتہ ویرجح حدیث الثقلین والاحادیث المتکثرۃ المذکورۃ فی ھذاالکتاب وغیرھا واما قولہ صلعم کلہم تجتمع علیہ الامۃ فی روایۃ عن جابر بن سمرۃ فمرادہٗ صلعم ان الامۃ تجتمع علی الاقرار بامامت کلّہم وقت ظہور قائم المہدی رضی اللہ عنہم (انتہی بلفظہٖ علیہ الرحمہ) مطلب یہ کہ احادیث خلفائے اثنا عشر بہت سے طریقوں سے مشتہر ہوئی ہیں اور زمان وکون ومکاں کی شرح و تعریف سے واضح ہوا کہ رسول مقبول کا مطلب ان خلفائے اثنا عشر سے سوائے ائمہ اہلبیت و عترت طاہرہ کے اور کوئی نہیں ہے کیونکہ اصحاب رسول خلفا سے اگر مطلب لیا جائے تو ان کی تعداد بارہ سے کم ہے اور نہ ان بارہ خلفا سے مطلب خلفائے امویہ سے لیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے بھی زیادہ ہے اور ان کے ظلم فاحش کی وجہ سے بھی (سوائے عمر بن عبد العزیز کے) اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بنی ہاشم سے نہیں ہیں دراں حالے کہ حضور صلعم نے آواز خفی فرمایا تھا کہ وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے جیسا کہ روایت عبد الملک بن جابر میں وارد ہے جس سے اس روایت کو ترجیح حاصل ہے کہ لوگ بنی ہاشم کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ بارہ خلفائے مذکورین فی الحدیث سے مراد سلاطین عباسیہ سے ہو کیوں کہ ان کا عدد بارہ سے بھی زیادہ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ملوک عباسیہ نے آیہ کریمہ مودۃ فی القربیٰ

وحدیث کسا کی رعایت میں کوتاہی کی پس لازم ہوا کہ حدیث خلفائے اثنا عشر کو ائمہ اہل بیت ع و عترت رسول اللہ پر ہی حمل کیا جائے کیوں کہ اس جماعت کے افراد اعلم زماں اور اجل واورع واتقیٰ تھے اور نسب میں سب سے عالی اور حسب میں سب سے افضل تھے اور عند اللہ یہ اکرم تھے اور ان کے آبا کے توسط سے ان کے علوم ان کے جد اعلیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثتاً متصل تھے اور یہ صاحبان علم لدنیہ تھے۔ اہل علم وتحقیق و صاحبان کشف و توفیق نے ان کو ایسا ہی پایا ہے۔ اس حدیث میں ان کے ذکر کی تائید حدیث ثقلین سے اور دیگر بہت احادیث سے بھی ہوتی ہے جن کا ذکر ہماری اس کتاب اور دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ اب رہا یہ قول رسولؐ اس حدیث میں کہ امت ان بارہ پر مجتمع ہوگی پس مطلب حضورؐ کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت پر بوقت ظہور امام مہدیؑ امت مجتمع ہو جائے گی (ختم)

ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں کہ اس ضمنی بحث کو قدرے طول ہوگیا۔ مگر چونکہ مخاطب عالی مقام نے حدیث خلفائے اثنا عشر سے اپنے امیر المومنین یزید رضؓ کی خلافت راشدہ پر اہلسنت کے نقطۂ نظر سے بنائے استدلال رکھی تھی ہم مجبور ہوئے کہ بحث کے مختلف گوشوں کی توضیح کردیں۔ تیس سالہ خلافت راشدہ کی حدیث سے تو ان کے امیر المومنین یزید اور ان کے پدر نامدار بدیہی طور پر خلافت راشدہ سے محروم تھے اور یہی مختار اہلسنت کا اجماعاً اب تک چلا آرہا ہے اب ان کی خلافت راشدہ کے اثبات کے لئے حضرت مخاطب کو ایک ایسی حدیث سے استدلال کرنے کا شوق پیدا ہوا جس کے مذکورین کے تعیین میں خود اہل سنت آج تک بالجزم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکے اور نہ بظاہر اس اختلاف کے یک سو ہونے کی کوئی امید

قیامت تک کی جا سکتی ہے۔ جب عبارت حدیث میں ابہامات جلی و خفی موجود ہیں تو ان کو کوئی کس طرح عین الیقین کی حد تک رفع کر سکتا ہے۔ رسول صلعم نے پیشگوئی کی اور مستقبل جیسے جیسے ماضی بنتا گیا ہر مجتہد عصر اپنے اپنے قیاس و اجتہاد کی بنا پر پیشگوئی کے الفاظ کو حتی الوسع واقعات سے مطابق کرنے کی سعی کرتا رہا و المجتہد یخطی و یصیب۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امیر معاویہ و یزید خلافت راشدہ سے تو از روئے حدیث خلافت سی سالہ خارج ہی ہیں اور حدیث خلفائے اثنا عشر کے ابہامات کا رفع ہونا بحالات موجودہ آسان نہیں بلکہ مختلف اجتہادات کی بنا پر ناممکن ہے پس ان کی خلافت راشدہ کا اثبات بھی ناممکن ہے بلکہ اہلسنت کا اجماع ان دونوں کی خلافت جائزہ پر ایک واضح حقیقت ہے جس کا بیان ہماری اسی کتاب میں متعدد مقامات پر اور اس مقالے میں بھی اکابر داعیان اہل سنت کے تائیدی اقوال سے ملے گا، ان دونوں کا شمار ہمیشہ سے ملوک جائزین و اشہر الملوک ہی میں ہوتا آیا ہے۔ نہ کہ خلفائے راشدین میں۔ ہم کس طرح یقین کر لیں کہ یہ اشہر الملوک (یا اشد الملوک) ان خلفاء میں داخل ہیں جن کا ذکر رسول مقبول صلعم "کلہم یعمل بالھدیٰ و دین الحق" کی عظمت و وقعت کے اظہار کے ساتھ خلفائے اثنا عشر کی حدیث میں فرما رہے ہیں۔

خلفائے اثنا عشر کی حدیث کے علاوہ ہمارے مخاطب عالی مقام کو امیر معاویہ و یزید کی خلافت راشدہ مزعومہ کے اثبات کے لئے جب کوئی موضوع حدیث تک بھی نہ مل سکی اور صحابہ و تابعین و اتباع مابعد کے اقوال سے بھی اس مصنوعی بلکہ محض

فرضی خلافت راشدہ کی تائید میں کوئی بھی سند ہاتھ نہ آسکی تو ناچار آپ نے دیگر مصنفین
مابعد کی طرف رجوع کیا اور بڑے طمطراق سے مصنف غنیۃ الطالبین کا ایک قول
پیش فرمادیا جس کے الفاظ یہ ہیں :- واما خلافت معاویہ بن ابی سفیان
فثابت صحیحۃ " یعنی امیر معاویہ کی خلافت ثابت شدہ اور صحیح ہے۔

سب سے اول ہم غنیۃ الطالبین کے اس اندراج کی بحث میں یہ ظاہر کردینا چاہتے
ہیں کہ اس کتابکے نام کو جو کچھ بھی اہمیت حاصل ہوئی ہے وہ حضرت غوث الثقلین
محبوب سبحانی قطب ربانی شیخنا سید عبدالقادر الجیلانی رح کے نام نامی سے منسوب ہوجانے
کے باعث ہے۔ ہمیشہ سے اس باب میں کلام ہوتا چلا آیا ہے کہ مصنف غنیہ عبدالقادر
جیلانی ہے کون شخص بعض مصنفین نے اس طرح صراحت کی ہے کہ غنیہ عبدالقادر جیلانی
کی تصنیف تو ہے مگر یہ شخص حضرت غوث پاک کا ہم نام و ہم وطن تھا۔ مرور ایام سے
بوجہ ہمنامی و ہم وطنی یہ کتاب غلط طور پر حضرت غوث پاک کی طرف منسوب ہوگئی
یہ ایک طویل بحث ہے جسے ہم یہاں بخوف اطالت نہیں چھیڑنا چاہتے اور صرف چند
الفاظ ہی میں اپنا یہ خیال ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین خواہ کسی شخص
کی بھی تصنیف ہو ہم بحیثیت ایک حنفی مسلمان ہونے کے مصنف غنیہ سے علانیہ بیزاری
کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں مصنف غنیہ نے جہاں بعض دیگر فرق اسلامیہ پر لے دے کی ہے
وہاں احناف کو بھی معاف نہیں کیا اور جماعت حنفیہ کو اہلسنت سے بالکل ہی علیحدہ
کرکے اور مرجیۂ قرار دے کر معاذاللہ فرقہ ضالہ بلکہ جہنمی قرار دینے میں بھی کوتاہی نہیں
کی نہایت مختصر طور پر ہم یہاں غنیہ سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف غنیہ کے
نزدیک گروہ حنفی ناجی نہیں اور اہل سنت میں حنفی جماعت شامل ہی نہیں۔

غنیۃ الطالبین کا مصنف کہتا ہے " فاصل ثلث وسبعین فرقۃ عشرۃ۔ اھل السنۃ والخوارج والشیعۃ والمعتزلۃ والمرجئۃ الخ (ص ۱۹۲) یعنی اصل ان ۷۳، فرقوں کی یہ دس فرقے ہیں۔ اہل سنت وخوارج وشیعہ و معتزلہ ومرجئہ وغیرہ الخ۔ پھر فرماتے ہیں " واما الفرقۃ النّاجیۃ فاھی اھل السنۃ والجماعۃ " یعنی فرقہ ناجیہ صرف فرقہ اہل سنت ہے (اور مابقی فرقے یعنے مرجئہ وغیرہ غیرناجی جہنمی ہیں اور حنفی جماعت بقول صاحب غنیہ اہل سنت میں شامل نہیں بلکہ مرجئہ فرقہ کی ایک فرع ہے) پھر ارشاد ہوتا ہے " واما المرجئۃ ففرقھا اثنتا عشرۃ۔ الجھمیۃ ..... والحنفیۃ " (صفحہ ۲۰۰) یعنی غیرناجی فرقہ مرجیہ کے بارہ فرقے ہیں جہمیہ وحنفیہ وغیرہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے " واما الحنفیۃ فھم اصحاب ابی حنفیۃ النّعمان بن ثابت " یعنی احناف ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے پیرو ہیں (ختم)

ایہا الناظرین ہم نے غنیہ کے اس مقام کی عبارات کو بار بار پڑھا اور چونکہ غنیہ حضرت غوث پاک کے نام سے صحیح یا غلط طور پر بہرحال منسوب ہے۔ ہم نے ہرچند کوشش کی کہ کوئی تاویل جائز ایسی نکل آئے جس سے بعقیدۂ غوث پاک رح کم از کم احناف کا شمول فرق ناریہ میں سے نہ مانا جا سکے مگر وائے ناکامی دل کو کسی طرح اطمینان نہ ہو سکا۔ مجبوراً ہم نے بعض علمائے عصر سے بھی افہام و تفہیم کے منازل طے کئے مگر عقدہ حل نہ ہونا تھا نہ ہو سکا۔ اب ہم کیا کہیں غنیہ کے مصنف کو جس نے اپنے ان بیانات میں حسبہٗ اہل اسلام کے تقریباً ۴/۳ حصے کو فرقۂ غیرناجیہ یعنی فرقۂ ناریہ ہی قرار دیدیا۔ ایسے شخص کا کوئی قول یا فعل ہم احناف

کے مقابل کس طرح قابل احتجاج قرار دیا جا سکتا ہے جن اصحاب کو غنیۃ الطالبین کے ان مسائل سے زیادہ دلچسپی ہو انہیں چاہیئے کہ حضرت علامہ شاہ مراد صاحب مارہروی مصنف سیرت غوث الاعظم کے مقالات کا مطالعہ کریں۔ افسوس ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت ہم آپ کی کسی تصنیف سے استفادۃً یہاں آپ کا کوئی بیان نقل نہ کر سکے البتہ اس وقت رسالہ ماہواری مولوی دہلی بابت ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ سے ایک اقتباس آپ کی رائے کی حد تک ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ غنیۃ الطالبین کے متعلق آنجناب اس رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں

"کہا جاتا ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف ہے مگر بعض اکابر دواقفان اسرار نے اسے حضور کی تصنیف قرار دینے میں تامل کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف نام کی یکرنگی و یکسانی نے اس کتاب کو حضور غوث اعظم کی طرف منسوب کر دیا ہے ورنہ یہ ایک اور شخص عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے اور جہاں تک ہمارا خیال پہنچ سکا ہے اور ہماری نظر کام کر سکی وہاں تک تو ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ یہ تصنیف حضرت غوث اعظم کی نہیں ہے۔ دقیقہ سنج اور باریک بیں اصحاب اسلوب بیان اور طرز عبارت ہی سے بیک نظر اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں غیر مقلدین نے اس کتاب کو بہت اہمیت دی ہے۔ ہم نے غور کیا تو ہمیں بھی یہ شک گذرا اور ہمارا شبہ اس سے اور بھی قوی ہو گیا کہ فتوح الغیب اور اس کتاب کی عبارات میں بعد المشرقین نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غنیۃ الطالبین کو غوث اعظم کا ہاتھ بھی نہیں لگا.... جنہوں نے اس کتاب کو حضور کے نام سے منسوب کیا ہے. ہمارے نزدیک انہوں نے غلطی کی ہے اور یہ ان کی تحقیق و کاوش کی کوتاہی کا نتیجہ

ہے (ختم)

ہم بذات خود حضرت غوث الثقلین رح سے بدرجہ غایت عقیدت رکھتے ہیں۔ اور ہمارا وہی عقیدہ آنجناب علیہ الرحمہ کی نسبت ہے جو بین الانام مشہور و معروف ہے کہ ؎

غوثِ اعظم درمیان اولیا چوں محمدؐ درمیان انبیا

مگر باوجود اس عقیدت کے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ غنیۃ الطالبین یا تو قطعی جناب غوث پاک کی تصنیف ہی نہیں ہے اور یا اس میں تصرف غیر اس قدر ہوا ہے کہ اسے بالکل ہی مسخ کر دیا گیا اس میں شک نہیں کہ مصنف کے نام کی یکسانی نے بعض مقامات پر اکابر کے قلم سے بھی لکھوا دیا ہے کہ یہ تصنیف غوث پاک ہی کی ہے مگر اس کے برخلاف بھی بکثرت ثقات کے اقوال موجود ہیں اور ان تفصیلات میں جانا اس وقت ممکن نہیں، ہم بے حد شکر گذار ہوں گے۔ اگر اہل علم میں سے کوئی صاحب غنیہ کی عبارات سے احناف کی حد تک ہمارے بیان کردہ نتیجے کی تردید و تغلیظ دلیل سے کر دیں۔

محدث جلیل و مفسر اعظم رئیس جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ مترجم صحاح ستہ و مصنف مشہور و مقبول نے تسلیم کرتے ہوئے کہ غنیۃ الطالبین غوث پاک رح ہی کی تصنیف ہے امیر معاویہ کے متعلق اندراج زیر بحث کا جواب اس طرح ارقام فرمایا ہے :- فمعاویہ و من بعدہ ملوک لاخلفا وخالف فیہ شیخنا عبد القادر الجیلانی وقال خلافت معاویہ ثابتہ بعد موت علی وبعد خلع

الحسن بن علی ولعلہ اراد بالخلافۃ الحکومت لان الذی یظہر من نص الحدیث ھو ان بعد الحسن بن علی ملک عضوض ولما حزن النبی من رویت بنی امیہ وقال عمر رضی اللہ عنہ نزلت الآیۃ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ فی الجہاد علی بنی امیہ وبنی المغیرہ وقال ھما الافجران من قریش بنو امیہ وبنو المغیرہ فکیف تصیر حکومتہم خلافت شرعیہ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۱۰۴) یعنی معاویہ اور ان کے بعد کے امرا سب کے سب بادشاہ ہیں خلفا نہیں ہیں مگر اس میں ہمارے شیخ طریقت عبدالقادر جیلانی نے مخالفت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ معاویہ بعد وفات جناب امیر و صلح امام حسن خلیفہ ہوئے۔ شاید غوث اعظم رح نے خلافت سے حکومت کا مطلب لیا ہے کیونکہ نص حدیث سے ثابت ہے کہ بعد موت جناب امام حسن کاٹ کھانے والا ملک ہے اور آنحضرت ؐ نے بنو امیہ کو خواب میں منبروں پر دیکھ کر اظہار رنج کیا تھا اور حضرت عمر رض کا یہ قول بھی ہو کہ آیہ جاھدوا فی اللہ حق جہادہ خاص بنو امیہ اور بنو مغیرہ سے جہاد کے لئے نازل ہوا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ بنو امیہ اور بنو مغیرہ قبائل قریش میں سب سے زیادہ فاجر ہیں۔ پھر ان کی حکومت خلافت شرعیہ کس طرح ہو سکتی ہے (ختم)

حضرت علامہ ممدوح الشان کتاب ثراہ کے اس جواب کی نقل کر دینے کے بعد ہم غنیۃ الطالبین کے حصہ بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ ہنوز یہ بحث تشنہ رہ گئی کہ غنیہ حضرت غوث پاک کی تصنیف نہیں ہے۔ اور نہیں

ہو سکتی ہے۔ حضرت غوث پاک کا فقہی مشرب حنبلی بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ کوئی بھی حنبلی حنفی مشرب والوں کو فرق ضالہ غیر ناجیہ میں ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔ چار فقہی مشرب اہلسنت کے مقبول ہیں اور انہیں کے چار مصلے حرم شریف میں بھی ہیں انہیں چار میں حنفی اور حنبلی بھی ہیں۔ اس لحاظ سے غنیہ کے اس اندراج کا جواب ہمارے ذمّے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ہم بحیثیت ایک حنفی مسلمان کے مصنف غنیہ سے علانیہ اظہار بیزاری کرنے پر مجبور رہیں پس اس کے کسی اندراج کو ہمارے مقابل حجت گردانا ہی نہیں جا سکتا۔ خدا جانے صاحب غنیہ کس مشرب و ملّت کا آدمی تھا۔

یہی علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ جن کے علم و فضل کی شہرت ممالک اسلام میں ہر طرف رہ چکی ہے اور جو جماعت اہل حدیث کے نامی گرامی پیشوا و رہنما تسلیم کئے جا چکے ہیں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:- ہم اہل حدیث لوگ کہتے ہیں کہ معاویہ کی خلافت صحیح تھی نہ یزید کی، دونوں ظلمی اور جبری حکومتیں تھیں۔ یزید تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق فاجر دنیا کے تعیشات کا دلدادہ رنڈی باز شراب خوار کبوتر باز مرغ باز زبردستی حاکم بن بیٹھا اور معاویہ کی خلافت اس وجہ سے صحیح نہ تھی کہ امام حسنؓ نے خوشی کے ساتھ ان کو مستحق خلافت سمجھ کر خلافت سپرد نہ کی تھی بلکہ مجبوری سے مصلحت وقت سمجھ کر کیونکہ معاویہ جنگ پر مستعد تھے اور امام حسنؑ کو اپنی فوج کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر اس وقت معاویہ سے جنگ کرتا ہوں تو مسلمانوں کی خرابی اور اسلام کی بربادی کے سوائے اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا اس کے علاوہ میری جان بھی محفوظ نہ رہے گی اور آنحضرت کی اولاد تباہ ہو گی۔ قطع نظر اس کے معاویہ کو خلافت کا استحقاق بالکل نہ تھا۔

جب وہ امام برحق سے باغی ہو چکے تھے تو از روئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے نہ وہ مہاجرین میں سے تھے اور نہ انصار میں سے بلکہ طلقا میں سے تھے۔ فرمایئے معاویہ کو جو باغی و طاغی اور مجرم سنگین تھے خلافت کا کیا استحقاق تھا۔ اور اسی لئے سعد رضی اللہ عنہ نے معاویہ کو جب سلام کیا تو کہا السلام علیک ایہا الملک اور یہ نہیں کہا السَّلَامُ علیکَ یا امیرالمومنین۔ اس کے علاوہ جو معاہدہ امیرالمومنین سے ہوا تھا معاویہ نے نقض عہد کر کے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ بنانے اور امام حسنؑ کی جان لینے کی فکر کی، اس لئے اگر ان کی خلافت بالفرض ابتداءً صحیح بھی مانی جائے تو انتہاءً باطل ٹھہرتی ہے۔ خطابی نے کہا حدیث میں میرے جانشین سے امام حسینؑ اور آپکی اولاد مراد ہیں جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے اور جانشین کے جانشین سے مہاجرین و انصار مراد ہیں جو یوم الحرہ شہید ہوئے غرض یزید پلید نے نہ آنحضرت کے جگر گوشوں ہی کا لحاظ کیا۔ نہ آپ کی اولاد کو چھوڑا نہ دوسرے مہاجرین و انصار کو جنہوں نے آنحضرت پر سے اپنا جان و مال تصدق کیا اور انہیں کی جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ یزید جنگل میں شُور چراتا پھرتا اور اونٹ کا دودھ اور موت اور گوڑپھوڑ (سوسمار) کا گوشت کھاتا رہتا اس محسن کشی اور کورنمکی کا کوئی ٹھکانا ہے (انوار اللغۃ ص ۸۴)

اب اس مقالہ میں صرف ایک ہی حصہ بحث طلب باقی رہ گیا ہے۔ مخاطب والا مقام تحریر فرماتے ہیں کہ "رسولؐ کے پسندیدہ اصحاب میں سے جو شخص بھی زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لے لے وہی خلیفہ راشد ہے اور عندالشرع اس کی خلافت خلافتِ

راشدہ سمجھی جاتی ہو اور حضرت معاویہ اسی اصول متعارفہ کی بنا پر خلیفہ راشد ہیں
اور کیوں نہ ان کی خلافت راشدہ ہو کہ امیر معاویہ جیسے جلیل القدر صحابی۔ کاتب
وحی اور خال المومنین کے زیر حکومت شعائر اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ جہاد
ہو کر فتوحات ملکی بھی ہوئیں مسلمانوں میں باہم اتفاق و اتحاد بھی رہا اور تمام
رعایا مرفہ الحال و منشرح البال ہی اور ہر طرف امن و اطمینان رہا الخ۔

جواباً عرض خدمت ہے کہ امیر معاویہ کے محامد و مناقب کی بحث عن قریب ہی
آتی ہی۔ سب سے اول براہِ کرم اس کا جواب عنایت فرمائیے کہ ایسا کوئی
شخص جس نے دو برحق خلیفوں کے خلاف علم بغاوت سالہا سال تک بلند کیا
ہو اور حضرت عمار رضؓ کے قتل کا مرتکب ہو کر بحکم حضرت صادق مصدوقؐ گروہ
باغی کا راس و رئیس بھی قرار پا چکا ہو اور جسے اپنی بغاوت کا علم بھی بخوبی ہو اور
جس نے اگر لاکھوں نہیں تو بلا مبالغہ ہزارہا مومنین کو اپنی اس طویل بغاوت
میں قتل بھی کرادیا ہو اور دیگر کبائر کا مرتکب بھی رہ چکا ہو کیا رسول کا پسندیدہ
صحابی کہا جاسکتا ہے اور کیا ایسے ہی صحابہ جلیل القدر کہلائے جاتے ہیں جنہوں
نے زور و زر و زر و زہر کے حربوں سے اس طویل بغاوت کے بعد دنیوی حکومت
حاصل کی ہو اور اس کی بقائے آئندہ کا خاص اہتمام بھی کیا ہو اور وہ بھی بخلاف
معاہدات خاص اپنی اولاد و نسل کے واسطے۔ کیا اسی حکومت غصبیہ کا نام خلافت
راشدہ ہے۔ کہاں تک کوئی واقعات ثابت شدہ کی تغلیط و تکذیب کرسکتا ہے
اور کہاں تک تحکمانہ انداز میں یہ کہہ کر حقائق ثابت شدہ پر پردہ ڈالا جاسکتا
ہے کہ یہ سب روایات وضاعین و سبائین و کذابین و روافض کی تراشیدہ اور

یکسر کذب دروغ کا انبار در انبار اور ہمہ سوختنی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیسا مختصر اور آسان و مسکت جواب لاجواب ہے۔ جناب والا ایسی حکومت جائزہ غصبیہ اہلسنت کے عقیدے میں خلافت راشدہ کس طرح ہو سکتی ہے۔ کجا خلافت راشدہ اور کجا یہ ملک عضوض و شتان بینہما۔

مخاطب والا مقام بیان فرماتے ہیں کہ اس عہد میمنت مہد میں شعائر اسلام کو فروغ ہوا جہاد کئے گئے اور ممالک غیر مفتوح ہو کر سلطنت اسلامیہ میں شامل کئے گئے وغیرہ فتوحات ممالک غیر کی بحث ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملے گی۔ البتہ ہم مختصر طور پر یہ ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ امیر معاویہ و یزید کے عہد حکومت میں شعائر اسلام کو کیا کیا فروغ حاصل ہوئے اور کن کن برکات عالیہ کا نزول ہوتا رہا۔ حضرت انس بن مالک رضؓ شام تشریف لے گئے اور عوام کے ارتداد کی حالت دیکھ کر گریہ فرمانے لگے۔ راوی نے آپ سے وجہ گریہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے روتا ہوں کہ عہد مبارک رسول میں جو جو آثار دین و شعائر اسلام دیکھتا تھا۔ اب وہ مطلقاً نظر نہیں آتے صرف ایک نماز رہ گئی تھی وہ بھی تم نے ضائع کر دی (بخاری) ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیے عن عمار یاسر قال اذ رائتم الشام اجتمع امرھا علی ابن ابی سفیان فالحقوا بمکہ (کنز العمال صفحہ ۶۲/۶) یعنی حکومت شام معاویہ کے تصرف میں آجانے پر تم مکہ چلے جاؤ۔

عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں :- "ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلعم نے کہا کہ اے معاویہ خدا تم کو اس امت کا والی کریگا دیکھو تم کیا کرتے ہو۔ ام حبیبہؓ نے کہا کہ میرے

بھائی کو یہ بات حاصل ہوگی تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں حاصل ہوگی اور اس میں برائی ہے اور بڑی ہے اور برائی ہو۔" (ازالۃ الخفا حصہ آخر بذیل کرامات سیدنا علی رضؓ) اس کے چند صفحات کے بعد جناب ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں :- ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے حسن بن علی رضؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسولخدا نے بنی امیہ کو اپنے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ بیان کرتے ہوئے دیکھا اور آپ کو یہ ناگوار ہوا۔ (ختم)

علامہ سیوطی کا بیان بھی ملاحظہ فرمایئے: ذکر الحافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ انہ کان فی ایام بنی امیہ اکثر من سبعین الف منبر یلعن علیہا علی ابن ابی طالب (نصائح کافیہ صفحہ،،) یعنی علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ دَور حکومت بنی امیہ میں ستر ہزار منبروں سے زیادہ پر جناب امیرؑ پر لعنت کی جاتی تھی۔

الغرض ہم کہاں تک منقولات پیش کرتے چلے جائیں اور کہاں تک عہد مبارک معاویہ ویزید کے حسنات وبرکات شمار کراتے جائیں۔ رسول مقبولؐ تو اس دَور شر وفتن کے متعلق زور دے دے کر بیان کریں کہ اس میں برائی ہے اور برائی ہے مگر اسی دَور کے متعلق ہمارے مخاطب عالی مقام غایت شدومد سے مدعی ہیں اور فرماتے جارہے ہیں کہ یہ زمانہ مسلمانوں کی صلاح وفلاح کے لئے نہایت مبارک بلکہ خلافت راشدہ کا عہد طلائی تھا۔ حضرت انس بن مالک اس دور نامسعود کے حالات اور شعائر اسلام کے زوال پر گریہ فرمارہے ہیں اور ہمارے مخاطب عالی مقام اسی عہد شر وفتن میں شعائر اسلام کے فروغ پانے کا انشا

بے اصل سُنائے جارہے ہیں۔ حضرت عمار یاسر جیسے متقی و سراپا ایمان کی زبان فیض ترجمان سے ہم اس دورِ جور و ظلم میں سے شام مکۂ معظمہ کو ہجرت کر جانے کا حکم سن رہے ہیں مگر ہمارے مخاطب کو اسی دور میں سراسر امن و امان اور رعایا کے مرفہ الحال و منشرح البال ہونے کے خواب پریشاں نظر آرہے ہیں۔ ہزارہا مساجد کے منبروں پر اہل بیت رسول پر لعنت کی جارہی ہے (معاذاللہ) مگر ہمارے مخاطب بکمال مسرت یہ اعلان فرمارہے ہیں کہ اس دور میں شعائر اسلام کو جیسا فروغ حاصل ہوا ایسا کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ الغرض ہمارے مخاطب نے عہد کر لیا ہے کہ ہر مردار کو حلال اور ہر زہر کو تریاق ثابت کر کے ہی دم لینگے۔

آنجناب کے ایک خلیفہ راشد امیر المومنین یزید کا دورِ حکومت جن جن حسنات و برکات و جہاد فی سبیل اللہ پر مشتمل تھا وہ کسی صاحب نظر سے تمام عالم اسلام بلکہ تمام عالم میں کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔ کیسے کیسے جہاد فی سبیل اللہ اس خلیفہ راشد بلکہ خلیفہ ارشد نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں کئے ہیں کہ رہتی دنیا تک آنحضور کا نام روشن رہے گا خاندان رسالت کا استیصال آنجناب نے اسی جہاد فی سبیل اللہ (؟) میں کیا اور سر بریدہ بے جان حسینؑ مظلوم سے وہ انتقام لیا کہ آنجناب کے تمام مقدس رشتہ داران مقتولین بدر کی ارواح مقدسہ نے صدائے احسنت و آفرین بلند کی۔ دوسرا جہاد فی سبیل اللہ (؟) اس خلیفہ ارشد نے مدینۃ الرسول اور خانہ خدا پر کر کے اپنے جملہ اقارب کشتگان بدر و اُحد وغیرہ کا خوب ہی بدلہ لیا اور داخل حسنات ہوا

کیوں جناب ہم نے کوئی غلط واقعہ تو ان سطروں میں تحریر نہیں کر دیا تمام کتب مقبولہ اہلسنت میں جا بجا یہ واقعات عمدہ اسانید کے ساتھ درج ہوتے

چلے آرہے ہیں مگر ہمارے پاس اس کا فی الواقع کوئی جواب نہیں ہے کہ بقول مخاطب یہ سب روایات وضاعین وکذابین وروافض کے ہفوات ہیں جن کو اکابر ثقاۃ اہلسنت آنکھیں بند کرکے ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ کتنا ہی ناراض کیوں نہوں مگر ہم اپنے محدثین کرام کو ایسا کور چشم ہرگز باور نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ آپ باور کرانے کی سعی بے سود کررہے ہیں۔ آنجناب کے نزدیک ہر وہ روایت جسے ابن تیمیہ وابن حزم وابن کثیر دمشقی نے نقل نہ کیا ہو محض دروغ بے فروغ اور وضاعین کذابین کی خودساختہ وتراشیدہ روایت ہی ہو۔

اب رہے بعض مناقب مثلاً کتابت وحی اور خال المومنین کا اعزاز وغیرہ یہ بحث بہت جلد آنے والی ہے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمایئے۔

قال المخاطب (خلاصہ کلام طویل) حضرت امیر معاویہ رسول کے ایک جلیل القدر اور برگزیدہ صحابی ہیں متعدد احادیث نبوی آپ کی منقبت میں کتب احادیث وغیرہ میں منقول ہیں پھر آپ نے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اسلام کے صفحات پر نمایاں ہیں۔ رسول اللہ سے آپ کا نسبی اور صہری رشتہ بھی موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ان سے اظہار عقیدت میں کیوں کوتاہی کرتے ہیں یہاں تک کہ آنجناب کے نام نامی کے بعد رضی اللہ عنہ کے عرفی وتعظیمی الفاظ لکھنے میں بھی آپ نے بخل فرمایا ہے۔ بخلاف اس کے آپ کی تحریرات میں بعض دیگر افراد بنی ہاشم کے اسماء کے بعد بخلاف قاعدۂ جاریہ علیہ السلام وہمچنیں دیگر الفاظ جو عرف شرع میں مخصوص بانبیاء ہیں نظر آتے ہیں پس براہ کرم اس کی تشریح مع الدلائل بیان فرمایئے کہ محبت الزامی قائم کرنے میں سہولت ہوسکے۔ سید الشہداء کا لقب مخصوص حضرت حمزہؓ کے لئے ہے

اور آپ حضرت حسین کے لئے بلا تکلف استعمال کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

الجواب :- مخاطب والا مقام کی خدمت میں گذارش ہے کہ دو بار قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ بحث اگر بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا تو مناسب تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہماری گذارشات کو نظر انداز کر دیا گیا مگر یہ بحث ہرگز نظر انداز نہ کیا گیا۔ بہتر ہے۔ یوں ہی سہی بتعمیل ارشاد عالی ہمیں جواب پیش کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

امیر معاویہ کے متعلق ہمارا عقیدہ اور اس کا جواب

ہمارا عقیدہ امیر معاویہ کے متعلق وہی ہے جیسے اکابر و اعیان علمائے اہلسنت علیہم الرحمہ بیان فرماتے چلے آرہے ہیں اور وہ یہ کہ امیر معاویہ کو سوابق اسلامیہ میں سے تو کوئی شرف و اعزاز حاصل نہیں ہو سکا البتہ یہ مسلمہ فتح مکہ میں سے ہیں بعض مصنفین نے ان کے حسن اسلام کا بھی اظہار فرمایا ہے بعض نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے چند حدیثیں ان کی منقبت میں بیان کی جاتی ہیں محدثین نے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ ان کی منقبت میں کوئی ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی سوائے ایک حدیث کے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا معاویہ کو شکم سیر نہ کرے۔ ان کا شمار افاضل صحابہ و اہل حل و عقد میں کبھی نہیں ہوا حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے خلیفہ برحق کے مقابل دیدہ و دانستہ اپنے اغراض منکرہ سیاسیہ کے لئے بغاوت کی اور بالآخر حضرت امام حسنؓ نے حالات سے مجبور ہو کر بمضمون حدیث خلافت راشدہ تیس سالہ حکومت ملکی اس شرط سے ان کے سپرد کر دی کہ امیر معاویہ کے بعد یہ حکومت امام حسنؓ کی طرف عود کرے گی یا بروایت دیگر امارت مسلمین کا فیصلہ مشورہ مسلمین سے کیا جائیگا۔ مگر انہوں

انہوں نے دیدہ و دانستہ نہ صرف اس شرط کی تعمیل کی نوبت آنے دی بلکہ اپنے فرزند یزید کی بیعت ولیعہدی ہزارہا تدبیریں اور طرح طرح کی قابل اعتراض کارروائیاں کرکے حاصل کرلی۔ یہ ملک عضوض کے پہلے بادشاہ ہیں۔ علمائے اہلسنت میں ان کے متعلق اختلاف ہے کہ خلیفہ برحق کے خلاف انہوں نے جو جنگ برپا کردی۔ وہ کس قسم کی خطا ہے بعض کا بیان ہے کہ یہ خطا اجتہادی تھی بعض اس کے خلاف اسے خطائے منکر بیان کرتے ہیں۔ مگر ان کو خطا کار اور باغی سب تسلیم کرتے ہیں البتہ اہلسنت کے نزدیک ان پر لعنت کرنے کی ممانعت ہے یہ ہے ہمارا عقیدہ امیر معاویہ کی حد تک۔

اب ہم اپنے اس مختار کے متعلق بعض ایسے ثقاۃ علماء کی شہادت پیش کرتے ہیں جن کے ثقہ ہونے یا تورع و تقدس و راسخون فی العلم ہونے میں کسی ادنی شک و شبہ کی بھی گنجائش بلکہ کسی ایسے تصور کا امکان ہی نہیں اور ہمیشہ ان کے اقوال و مختارات تا بجد عقائد اہلسنت میں بلا خلاف تسلیم ہوتے چلے آرہے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :۔ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (حضرت ابوہریرہ و ابودرداء سے) فرمایا کہ جو لوگ میری بیعت کرچکے ہیں، وہ بیعت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں تو اب معاویہ کو کیا حق ہے کہ وہ مجھ سے مشورہ کرنے کو کہتے ہیں حالانکہ وہ خود طلقاء میں سے ہیں جن کی خلافت جائز نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوہریرہ و ابودرداء رض اپنی ایام رسانی پر نہ صرف نادم ہی ہوئے بلکہ توبہ بھی کرلی (ازالۃ الخفا حصہ اول صفحہ ۲۰) طلقاء وہ لوگ تھے جو بہنگام فتح مکہ مشرف باسلام ہوئے تھے اور عام طور پر انکے اسلام میں ضعف تھا۔ حضرت ممدوح الشان علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد سے اندر بطور قطعی ثابت ہے کہ امیر معاویہ افضل

صحابہ میں سے نہیں بلکہ طلقا میں سے ہیں اور جملہ سوابق اسلامیہ کے مخصوص فضائل سے ان کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ مستحق خلافت ہی ہو سکتے ہیں کہ طلقاء کی خلافت ناجائز ہے۔

سند المحدثین حضرت علامہ محقق دہلوی جناب مولینا شاہ عبدالحق صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :- "معاویہ بن ابی سفیان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے معاویہ اور اس کے باپ اور بھائی مسلمہ فتح میں سے ہیں یعنی بہنگام فتح مکہ اسلام لائے اور مولفۃ القلوب میں سے ہیں اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ اپنے باپ سے قبل اور آنحضرت کے داخلہ مکہ اور فتح مکہ سے قبل آنحضرتؐ سے راہ میں معاویہ جا ملے اور اسلام لائے اور (یہ بھی) روایت ہے کہ پھر معاویہ نے کہا کہ میں نے یوم القضیہ یعنی عمرۃ القضا کے روز آنحضرت سے مسلمان ہو کر ملاقات کی تھی۔ امیر معاویہ ان اشخاص میں سے ایک ہیں جو آنحضرتؐ کے لئے کتابت کرتے تھے اور بعض کا بیان ہے کہ وہ وحی کی کتابت کرتے تھے۔ صاحب جامع الاصول کا بیان ہے کہ کتابت وحی ثابت نہیں ہے صاحب مواہب لدنیہ کا بیان ہے۔ کہ معاویہ کتابت نبوی کے لئے مشہور ہیں اور بعض کا بیان ہے کہ معاویہ کتابت وحی نہیں کرتے تھے بلکہ کتب و مناشیر کی کتابت کرتے تھے۔ اپنے برادر یزید بن سفیان کے بعد بزمانہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم یہ شام کے والی بیس سال تک رہے اور بالآخر حضرت حسنؑ کی تسلیم سے امارت شام پر مستبد و مستقل ہو گئے (چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) "گفتہ اند محدثاں کہ ثابت نشدہ است در فضل معاویہ ہیچ حدیثے۔" یعنی محدثین نے بیان کیا ہے کہ معاویہ کے فضل میں کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ (مدارج النبوت صفحہ)

جناب سند المحدثین علیہ الرحمہ کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ امیر معاویہ کا شمار مؤلفۃ القلوب میں رہا ہے اور ان کی کتابت وحی وکتابت کتب وفرامین وغیرہ کی روایات میں اختلافات ہیں اور ان کی حکومت مستبدہ ہے۔ خلافت راشدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کرام کی رائے میں امیر معاویہ کے فضل میں (ہیچ حدیثے) کوئی ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :۔ "مذہب اہلسنت آنکہ حضرت مرتضیٰ امام حق است بعد از شہادت حضرت عثمان و طاعت او برکافہ انام فرض است و افضل زماں خود بود و ہر کہ باو خلاف نمود در امر خلافت مخطی و باغی بود و ہر کہ او را لائق خلافت ندانست مبطل و ضال (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۲) یعنی مذہب اہلسنت یہ ہے کہ شہادت عثمان رضؓ کے بعد جناب امیر امام برحق ہیں اور ان کی اطاعت تمام مخلوق پر فرض ہے اور اپنے زمانے میں سب سے افضل بھی ہیں اور جس کسی نے بھی آپ سے امر خلافت میں مخالفت کی وہ خطا کار اور باغی ہے اور جس کسی نے آپ کو خلافت کی قابل نہ سمجھا وہ کاذب و گمراہ ہے (ختم)

دوسرے مقام پر جناب محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں :۔ ہر جاہل فارسی خواں بلکہ طفل دبستاں کہ عقائد نامہ فارسی اہلسنت را کہ نظم مولانا عبدالرحمن جامیؒ است خواندہ یا دیدہ باشد یقین می داند کہ اہلسنت قاطبۃً اجماع دارند بر آں کہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتدائے امامت امیر لغایت تفویض حضرت امام حسنؑ باد از بغاۃ بود کہ اطاعت امام وقت نداشت و بعد از تفویض حضرت امام بدو از ملوک شد.....

..... و لہذا اہلسنت او را اول ملوک اسلام گفتہ اند آدیم بریں کہ چوں او را باغی

ومتغلب می دانند پس چرا لعن او نمی کنند جوابش آں کہ نزد اہلسنت ہیچ مرتکب کبیرہ را لعن جائز نیست بالخصوص اں شخصے باغی ہم مرتکب کبیرہ است او را چرا لعن نمایند الخ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۶۹) حضرت خاتم المحدثین کی اس عبارت سے یہ امور واضح ہوئے کہ امیر معاویہ بعقیدۂ قطعیہ اہلسنت دو اماماں برحق کے باغی تھے اور امام وقت کی نافرمانی کرتے تھے۔ اہلسنت کے عقیدے میں وہ پہلے بادشاہ ہیں (نہ کہ خلیفہ راشد) رہا یہ سوال کہ جب وہ باغی اور متغلب تھے تو ان پر اہلسنت لعنت کیوں نہیں کرتے دراں حالے کہ یہ شخص باغی مرتکب کبیرہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ پر بعقیدہ اہلسنت لعن جائز نہیں ہے (ختم) حاصل کلام یہ کہ امیر معاویہ نے یقیناً دو اماماں برحق کی نافرمانی کی ان کے مرتکب کبیرہ ہونے میں بعقیدہ اجماعی اہل سنت کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور باغی مرتکب کبیرہ پر بعقیدہ اہلسنت لعن کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت خاتم المحدثین علیہ الرحمہ اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے کہ امیر معاویہ جناب امیر پر سب کیا کرتے تھے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔ "مرتبہ سب کم تر از قتل و قتال است لما روی فی حدیث الصحیح سباب المومن فسوق و قتالہ کفر ہر گاہ قتال دا مر قتال یقینی الصدور است ازاں گزیر نیست بالجملہ اصلح ہمین است کہ شخصے را (معاویہ را) مرتکب کبیرہ باید دانست و زبان از لعن و طعن بند باید نمود واما یقال فی من زنی و من شرب من الصحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ و ہر جاتے خطائے اجتہادی را دخل دادن خالی از سماجت نیست (فتاوی عزیزی جلد ا صفحہ ۱۳۰)

جناب خاتم المحدثین کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ معاویہ یقیناً خطا کار

اور باغی ہیں اور جس شخص نے بھی جناب امیر کو لائق خلافت نہ سمجھا وہ مبطل اور ضال ہے یعنی بے حقیقت بات کہنے والا اور گمراہ ہے (اور کیا شک ہے کہ امیر معاویہ نے جناب امیر کو لائق خلافت نہ سمجھتے ہوئے اور خود کو مستحق سمجھتے ہوئے ہی یہ جنگ کی تھی اور سب یعنی دشنام اسے ہی دی جاتی ہے جو ذلیل وحقیر اور کسی کام کے انجام دینے کی قابلیت نہ رکھتا ہو پس نتیجہ ظاہر ہے، پھر سب علی کی بحث کے اندراج مذکورہ سے بطور قطعی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:۔
حضرت محدث و مفتی اعظم مذکور نے لعقیدۂ اہلسنت امیر معاویہ کی حد تک مرتکب کبیرہ ہونا قطعی طور پر تسلیم فرمالیا ہے اور مرتکب کبیرہ کے قول کو اصلح فرما کر یہ بھی فرمادیا کہ ہر جگہ خطائے اجتہادی کا عذر ہرگز لایق تسلیم نہیں ہو سکتا ورنہ پھر ان صحابہ کے لئے کیا کہا جائے گا جنھوں نے زنا کیا اور شراب پی۔

دوسرے مقام پر جناب خاتم المحدثین شاہ بخارا کو جواب لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔ علمائے اہلسنت درحال او (معاویہ) مختلف اند۔ علمائے ماوراالنہر و مفسرین و فقہائے ایں ہمہ حرکات و جنگ و جدل او را با جناب علی مرتضیٰ رضؓ حمل بر خطائے اجتہادی دارند و محققین اہل حدیث بعد تتبع روایات صحیح دریافتہ اند کہ ایں حرکات خالی از شائبۂ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بجناب ذی النورین رضؓ داشتند نبودہ است پس نہایت کارش این است مرتکب کبیرہ و باغی باشد و الفاسق لیس باہل اللعن (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۹۳)
اس عبارت سے مزید توضیح اس امر کی ہو گئی کہ امیر معاویہ نے جناب امیرؑ کے خلاف جو محاربات کئے وہ لعقیدہ محققہ اہل حدیث نفسانیت سے ہرگز خالی نہ تھے اور روایات صحیحہ کے مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ نفسانیت اور

تعصب کو کام میں لاکر یہ محاربات برپا کئے گئے۔ اس خطائے اجتہادی کا پردہ بقول جناب محدث محمد وح الشان چاک چاک ہو جاتا ہے اگر بالفرض ہم یہ بھی لیا جائے کہ امیر معاویہ ایک مجتہد صحابی تھے تو اس نفسانیت کے درمیان آ جانے سے کسی خطائے اجتہادی کا سوال ہی باقی نہیں رہتا کما لا یخفی۔ مجتہد کی رائے اسی وقت تک قابل احترام اور بصورت خطا خطائے اجتہادی کہی جا سکتی ہے جب تک خارجی اثرات از قسم نفسانیت و تعصب و ترہیب وغیرہ سے مجتہد کی رائے متاثر نہ ہوئی ہو اور یہاں نمایاں طور پر نفسانیت و تعصب کا اظہار ہو رہا ہے ان اجلہ علمائے متورعین و اکابر ثقات صالحین اہل سنت علیہم الرحمہ کے بیانات سے ناقابل تردید طور پر یہ امور ثابت ہوتے چلے آرہے ہیں کہ امیر معاویہ فاسق بھی ہیں باغی بھی ہیں مرتکب کبیرہ و مبتلائے نفسانیت و تعصب بھی ہیں اور مبطل و ضال بھی ہیں۔

محدث شہیر و جلیل و پیشوائے اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ مگر معاویہ کا باپ تو آنحضرت سے عمر بھر لڑتا رہا پھر اس کا بیٹا حضرت علیؑ سے لڑتا رہا۔ اور خلیفہ برحق (حضرت علی) سے باغی بن بیٹھا ہزاروں مسلمانوں کا خون کر دیا پھر اس کے بیٹے (یزید) نے تو معاذ اللہ تمام خاندان رسالت کو تباہ و تاراج کر دیا۔ ایسے لوگوں کی حمایت درحقیقت اللہ اور رسول سے دشمنی کرنا ہے ہم اہلسنت کا یہ مشرب نہیں کہ کسی پر لعنت کریں یا کسی کو برا کہنا جزو ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرور نہیں کہ اگر کوئی ان بدکاران دشمنان اہلبیت کی برائی کرے تو ہم ان کی مدح و ثنا کریں (انوار اللغۃ پ ۱۳ صفحہ ۱۰)

اب ہم کہاں تک اپنے بیانات کی تائید میں اکابر اہلسنت کے اقوال و مختارات

نقل کرتے چلے جائیں البتہ صحابہ کرام رضہ کے مقدس گروہ اور ان کے بعد کے بعض ثقاۃ کی چند شہادتیں پیش کئے بغیر بھی ہم نہیں رہ سکتے ملاحظہ ہو:- علامہ ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ اسد الغابہ میں تحریر فرماتے ہیں:- عن عبد اللہ بن حبیب قال اخبرنی قال قال ابن عمر رضہ حین حضرۃ الموت ما اجد فی نفسی من الدنیا الا انی لم اقاتل الفئۃ الباغیہ" یعنی عبد اللہ بن حبیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمر رضہ نے بہنگام وفات فرمایا کہ بس یہی حسرت باقی رہ گئی کہ میں نے جناب امیر کی طرف سے گروہ باغی سے مقاتلہ کیوں نہ کیا۔ دوسرے مقام پر اسد الغابہ ہی میں درج ہے کہ:- قال الشعبی ما مات مسروق حتی تاب الی اللہ تعالیٰ من تخلفہ عن القتال مع علی۔ یعنی شعبی کہتے ہیں کہ مسروق رضہ نہیں فوت ہوئے جب تک کہ انہوں نے بارگاہ ایزدی میں جناب امیر کے ساتھ شریک ہو کر مخالف گروہ سے جنگ نہ کرنے کے جرم سے توبہ نہ کرلی۔

صحابہ کرام رضہ کے عدول پر بحث لکھتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی رح نے اپنی مشہور شرح جمع الجوامع میں مفصل تقریر علما کے مختارات کے حوالے سے درج فرمائی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:- وقیل ھم عدول الا من قاتل علیا فھم فساق لخروجھم علے الامام الحق۔ یعنی بعض علماء کا قول ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں مگر وہ لوگ عدول نہیں ہیں جنھوں نے حضرت امیر سے جنگ کی پس یہ لوگ امام برحق پر خروج کرنے کے باعث فساق ہیں۔

اسحٰق ابن راہویہ کا بیان ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی اور اسی طرح علامہ شوکانی نے موضوعات میں اور علامہ علی القاری

نے موضوعات کبیر (صفحہ ۲۸) پر بھی صراحت فرمادی ہے۔

صاحب نصائح کافیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شوکانی نے فوائد المجموعہ میں بیان کیا ہے کہ باتفاق محدثین فضیلت معاویہ میں کوئی حدیث بھی صحیح ثابت نہیں ہوئی اور یہی صراحت علامہ سیوطی رح نے لآلی مصنوعہ میں کی ہے۔

حضرت علامہ محقق دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ گفتہ اند محدثان کہ ثابت نشدہ در فضل معاویہ ہیچ حدیثے۔ یعنی محدثین کا بیان ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہوئی (مدارج)

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں علامہ ابن راہویہ کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ فضیلت معاویہ میں کوئی بھی حدیث صحیح موجود نہیں ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے کوئی باب فضائل معاویہ اپنی صحیح میں قائم نہیں کیا بلکہ باب ذکر معاویہ قائم کیا ہے۔

محدث عزیز و جلیل حضرت احمد بن شعیب النسائی صاحب السنن والخصائص علیہ الرحمہ جن کی مرتب کردہ صحیح داخل صحاح ستہ ہے اور جماعت مقدسہ محدثین کرام میں جن کی منزلت عالیہ تمام عالم اسلام میں تسلیم کی جاتی ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ کی منقبت میں کوئی ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی سوائے ایک حدیث کے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا معاویہ کو کبھی شکم سیر نہ کرے۔ ما اعرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنه۔ اور اسی تلخ حقیقت کے انکشاف میں آپ نے اپنی جان شیریں جان آفرین تعالٰی شانہ کو سپرد کر کے بقائے دوام حاصل کی اور اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار عقیدت کے صلے میں جام

شہادت نوش فرما کر زندہ جاوید ہو گئے انا رالله برھانہ

دوسرا قول حضرت امام نسائی رح کا امیر معاویہ کے متعلق یہ ہے کہ اہل دمشق نے جب آپ سے سوال کیا ما روی من فضلہ فقال اما یرضی معاویہ ان یخرج راسا براس حتی یفضل الخ (وفیات الاعیان ابن خلکان ومراۃ الجنان یافعی) دریافت کیا گیا کہ آپ امیر معاویہ کی فضیلت میں کیا فرماتے ہیں تو حضرت موصوف رح نے جواب دیا کہ کیا معاویہ اس پر راضی نہیں کہ وہ سر بسر نجات ہی حاصل کر لیں کہ ان کے فضائل کا ذکر کیا جائے۔

جناب شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں :- امام نسائیؒ چوں از تصنیف مناقب مرتضوی فارغ شد خواست کہ آں کتاب را در جامع دمشق برملا بیان کند تا مردم آنجا کہ بسبب طول سلطنت بنی امیہ دراں دیار مذہب نواصب پیدا کردہ بودند تہتدی شوند، قدرے ازاں کتاب مذکور کردہ بود کہ سائلے گفت کہ در مناقب امیر المومنین معاویہ نیز چیزے نوشتۂ نسائی رح گفت کہ معاویہ را ہمیں بس است کہ سر بسر نجات بر دارد مناقب کجاست۔ وبعضے گویند کہ ایں کلمہ ہم گفت کہ نزد من از مناقب او ہیچ صحیح نشدہ مگر ایں حدیث لا اشبع اللہ بطنہ عوام مردم او را بہ تشیع تہمت کردہ لگد کردند وچند حربہ شدید بہ خصیتین او رسید کہ بسبب آں نیم جاں شد تا مردمانش برداشتہ بخانہ آوردند۔ او گفت مرا ہمیں وقت روانہ مکہ معظمہ کنید کہ تا در مکہ بمیرم یا در راہ مکہ۔ گویند کہ بعد از رسیدن بمکہ وفات یافت و در میدان صفا ومروہ مدفون شد۔ (بستان المحدثین صفحہ ۲۴) یعنی امام نسائی رح نے اپنی کتاب سے مناقب مرتضوی بیان کئے تو نواصب میں سے ایک شخص نے کہا کہ

امیر معاویہ کی منقبت میں بھی کچھ لکھا ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ معاویہ کے لئے یہی کافی ہوگا کہ وہ سر بسر نجات ہی پا جائیں ان کے مناقب کہاں سے لائیں اور بعض کا بیان ہے کہ آپنے یہ بھی فرمایا کہ ان کے مناقب میں صرف ایک ہی حدیث نبوی ثابت ہوئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ خدا معاویہ کا پیٹ نہ بھرے اس پر نواصب نے تشیع کا الزام لگا کر ان پر حملہ آور ہو گئے اور لاتیں مار مار کر ان کے خصیتین کو شدت سے مضروب کر دیا اور یہ نیم جان ہو گئے تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے مکہ شریف کے راستے پر لے چلو تاکہ میں راستے میں یا مکہ میں فوت ہو سکوں چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور یہ مکہ شریف پہنچ کر میدان صفا و مروہ میں مدفون ہوئے اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ اللہ اس امام حدیث کا مرتبہ ارفع واعلےٰ جسے اہل بیت رسالت ونفس رسول کی منقبت علیا بیان کرنے کی وجہ سے نواصب کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش کرنا پڑا اور اس طرح زندۂ جاوید ہو کر اپنا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔ نور اللہ مضجعہ وشکر اللہ مساعیہ۔

پس جب کہ اکابر محدثین وعلماء ومورخین وغیرہم کے یہ بیانات ان کی مبینہ احادیث منقبت کی حد تک جا بجا موجود ہیں ہم کس طرح باسانی باور کر سکتے ہیں کہ ایسے مسلمہ مرتکب کبیرہ وطلیق وباغی کے محامد ومناقب جناب ختمی مرتبت کی زبان وحی ترجمان پر کبھی جاری ہوئے ہوں گے دو چار حدیثیں جو ان کی منقبت سے بعض

اوقات منسوب کی جاتی ہیں وہ یقیناً ان محدثین کرام کی نظر کیمیا اثر میں غیر ثابت شدہ ہی ہو سکتی ہیں ورنہ اس شد و مدّ سے ان بیانات کی محدثین کرام کے نزدیک کوئی ضرورت ہی نہ ہو سکتی تھی، اس مبحث میں تفصیلی بحث کی ضرورت ہے جو یہاں اس ضمنی بحث میں ہم ضروری نہیں سمجھتے۔

امیر معاویہ کے حق میں خال المومنین کی منقبت بدون عقائد و اعمال صالحہ مسلمہ طور پر کوئی منقبت نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ ابولہب کیلئے عم رسول ہونے کی منقبت جلیلہ تسلیم فرمانے کیلئے تیار ہیں جناب والا ابولہب تو ایک طرف عم رسول ہونے کی منقبت تو غالباً بلکہ یقیناً آپ حضرت ابی طالب کی حد تک بھی قبول فرمانے کے لئے تیار نہ ہو سکیں گے درحالیکہ تمام عالم اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ ان کے احسانات اور ان کی خدمات اور ان کی بے مثل محبت و شفقت و ایثار جانی و مالی جناب رسالتمآب کی حد تک یقیناً مثمر خیر ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو حضرت ابی طالب نے جناب رسالتمآب کی پرورش غایت جاں نثاری سے بطور ایک متبنیٰ کے کی تھی اور حضور اقدسؐ پر یہ نہ صرف خود ہی فدا تھے بلکہ اپنے جگر گوشوں تک کو بھی جناب رسالتمآبؐ پر نثار کر دینے میں تامل نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ شبلی نعمانی جیسے متشدد محقق اور سیرت نگار کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ:- ابوطالب نے آنحضرتؐ کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا آپ کی خاطر محصور ہوئے فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش۔ یہ جاں نثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی۔ (سیرت النبی) مگر باوجود ان تمام حالات کے ہمارے مخاطب کے نزدیک حضرت

ابی طالب کے لئے عم نبی ہونے کی یہ منقبت کوئی منقبت ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ محض اس لئے کہ ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے حضرت ابی طالب کا ایمان نہ لانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ دوسری روایت ہم رتبہ اسناد کی ایسی بھی موجود ہے جس سے ان کا ایمان لانا قطعی طور پر ثابت ہے۔ جس کی صراحت علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ نے بھی سیرت النبی میں بخوبی کر دی ہے اور اہلسنت ہی کے مالکی گروہ میں بلا اختلاف ان کا مومن کامل ہونا مسلمات سے ہے البتہ اہلسنت کے دیگر گروہوں میں ان کے مومن کامل ہونے میں اختلاف باہمی موجود ہے۔

پس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ محض، خال المومنین کی منقبت اس وقت تک کوئی منقبت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اعمال صالحہ بھی اس خال المومنین سے وابستہ نہوں کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ بدون اعمال صالح ایک مرتکب کبیرہ و خطاکار و باغی کے لئے خال المومنین کی منقبت ایک منقبت جلیلہ ہے یا ہو سکتی ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہ کبائر۔ یہ بغاوت، یہ خطاکاری ایک حقیقی خال المومنین کے لئے باعث منقصت ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ باعث عزت و منقبت۔

ہم نے بعض اکابر متقدمین اہلسنت علیہم الرحمہ کے بعض اقوال بھی اس مضمون کے نقل کئے کہ امیر معاویہ کی منقبت میں کوئی ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اب چودھویں صدی ہجری تک کے اکابر علما اس حقیقت کا اظہار بلا فصل کرتے اور یہ ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی منقبت میں جو دو چار حدیثیں ظاہر کی جاتی ہیں وہ سب پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکیں اور اس میں کیا شک ہے کہ حکومت جائرہ بنوامیہ کے زمانہ میں صدہا احادیث خاص طور پر ان سلاطین متغلبین جائرین کے فرضی

محامد و مناقب کے اثبات کے لیے وضع کرائی گئی تھیں، چودھویں صدی ہجری کے مشہور
و معروف محقق اعظم اہلسنت حجت الاسلام شمس العلما علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ اس مبحث
میں تحریر فرماتے ہیں :- "حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے
نوے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آلِ فاطمہ پر
تبرا کہلایا اور جمعہ میں سر منبر علی رض پر لعن کہلوایا۔ سیکڑوں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ
کی مدح میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں بھی ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشگوئیاں
حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی
کرا دی کہ یہ سب جھوٹی روایات ہیں آج حدیث کا فن اس "خس و خاشاک" سے
پاک ہے اور بنو امیہ و عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے
ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیئے (سیرت النبی جلد ۱)

حضرت محقق موصوف طاب ثراہ کی اس تحقیق پر امام الہند حضرت العلامہ ابوالکلام
آزاد وزیر تعلیمات جمہوریہ ہند طاب ثراہ اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ "خس و خاشاک" اب تک باقی ہیں آج بھی صدہا ایسی احادیث
کتابوں میں موجود ہیں جو محض بنو امیہ کے سیاسی دسائس سے وجود میں آئی تھیں
اور ان کے متعلق کوئی تمیز نہیں کی جاتی (الہلال ۱۲ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰) ہم غایت ادب سے
جناب امام الہند طاب ثراہ کی روح پر فتوح سے عرض کرتے ہیں کہ ضرور تمیز کی جاتی
ہے کیوں کہ اجلۂ محدثین کرام نے جا بجا اس کی تصریح کر دی ہے کہ معاویہ کے حق میں
(ایچ حدیثے) کوئی ایک حدیث بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی بس امیر معاویہ کی حد تک جس
رائے کا اظہار شمس العلما علامہ شبلی نے کیا ہے وہ اپنی جگہ قائم ہے اور محدثین کی (ایسی)

حدیثیہ) کی اس استغراقی صراحت کے بعد دو چار مفروضہ و موضوعہ احادیث منقبت کے پائے جانے سے دسائیس سیاسیہ بنو امیہ کی پردہ پوشی کسی طرح نہیں ہو سکتی البتہ یہ خس و خاشاک "کم ہو کر جہان حدیث بہت بڑی حد تک پاک ہو چکا ہے اور پیچ حدیثیہ" کی ہمہ گیر صراحت کے بعد تو باطمینان کہا جا سکتا ہے کہ اس خس و خاشاک سے جہان بالکل ہی پاک ہو چکا ہے۔

اب اس کے بعد ان چند احادیث کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو ہمارے مخاطب عالی مقام نے منقبت امیر معاویہ میں پیش فرماتے ہوئے ان کے جلیل القدر صحابی رسول ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔

(۱) پہلی اور سب سے زیادہ اہم حدیث ترمذی شریف سے آپ نے پیش فرمائی ہے جو یہ ہے:۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاویہ اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھد بہ۔ یعنی آنحضرت نے معاویہ کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہ خدا معاویہ کو ہدایت یافتہ ہادی بنا اور دوسروں کو ان سے ہدایت کر (ختم) اس حدیث کے بیان میں سب سے پہلے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ جن اجلہ محدثین عظام و اعیان مفسرین و مورخین نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ کے حق میں کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہے کیا ان سب اکابر کی نظر اس حدیث تک نہ پہنچی تھی ظاہر ہے کہ ایسے ایسے اکابر و افاضل حفاظ و جامعین حدیث کی نسبت ایسا گمان کرنا سراسر بے جا ہے پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان اکابر ثقاۃ کے نزدیک یہ حدیث اگر بالکل موضوع نہیں ہے تو کم از کم اس قدر ضعیف ضرور ہے کہ اس کی صحت پر ان کو کوئی اطمینان نہ تھا جب ہی تو ان جامعین صحاح وغیرہ نے بالتصمیم اثبات احادیث سے مجبوراً طور پر انکار

کر دیا ہے۔ اگر یہ حدیث پایہ ثبوت کو پہنچی ہوتی تو اس طرح تعمیم و استغراق سے یہ علماء ہرگز نفی نہ کر سکتے تھے۔ اگر بر سبیل تنزل ان تمام ثقاۃ محدثین کے قول آخر سے بالکل ہی قطع نظر کر لیا جائے اور اس حدیث کو حدیث صحیح و متواتر بھی مان لیا جائے تو سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ منقبت زیر بحث کس قسم کی ہے بالفعل موجود ہے یا آئندہ کے لئے کوئی بشارت اس میں ہے یا محض کسی تمنا کا اظہار ہی کیا گیا ہے الفاظ حدیث سے زیادہ سے زیادہ حضور کی ایک تمنا ہی کا اظہار پایا جاتا ہے اس میں کیا شک ہے اور کوئی مسلمان بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جناب رسالت مآب صلعم سے زیادہ مستجاب الدعوات کوئی ہستی نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تسلیم کر لینا لازمی ہے کہ اس دعا کا بروئے کار آنا نہ آنا سراسر مشیت ایزدی ہی کے تابع ہے۔ آنحضرت صلعم نے متعدد اشخاص کے لئے اس قسم کی دعائیں کی ہیں مثلاً علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں اس دعا کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت نے بحق حضرت ابی طالب کی تھی۔ الفاظ یہ ہیں میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے خدا اس سے منع نہ کرے (ختم) اس سے معلوم ہوا کہ دعائے رسول کی حد تک ہی مشیت ایزدی اثر انداز ہو سکتی اور ہوتی ہی، اسی طرح ابوجہل وغیرہ کے حق میں بھی حضور کی دعا منقول ہے اور حضور اکرم کی تمنا کی حد تک آیہ کریمہ انکَ لَا تَہْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ بھی موجود ہے۔

حدیث زیر بحث پر بحث لکھتے ہوئے محدث شہیر و جلیل و رئیس جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "بعض علمائے اہلسنت پر مجھ کو تعجب ہوتا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے معاویہ کے لئے یہ دعا کی کہ اَللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً۔ اور اس میں شک نہیں کہ آنحضرت کی دعا مقبول ہے تو معاذ

ہادی اور مہدی ہوئے اور جو کوئی اس میں کلام کرتا ہے وہ غلطی پر ہے اور جب حضرت علیؓ کے لئے آنحضرتؐ کی دعا کا ذکر آتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کچھ ضرور نہیں کہ پیغمبر کی ہر دعا قبول ہو۔ جب پیغمبر کی ہر دعا حضرت علی رضؓ کے قبول ہونا ضروری نہیں ہے تو معاویہ کے لئے قبول ہونا کیا ضرور ہے، وہاں یہ نہیں کہتے۔ یہ صریح تعصب اور ناانصافی ہے اور میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جیسے امام احمدؒ اور نسائی رحؒ نے فرمایا ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کئے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ ہدایت، مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابو سفیان سے حجر بن عدی کا قتل یزید سے بالجبر اور بہ مکر و فریب بیعت کرانا نقض اس معاہدے کا جو امام حسنؓ سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ (انوار اللغۃ پ ۲۷ صفحہ ۲۰)

دوسری حدیث ہمارے مخاطب عالی مقام نے کنز العمال سے پیش فرمائی ہے جو یہ ہے واللہ لیفتحنھا اللہ علیکم ولیستخلفنکم اللہ فیھا۔ یعنی قسم بخدا اللہ تعالےٰ تمہارے لئے شام کو ضرور فتح کریگا اور اس میں تم کو ضرور خلیفہ بنائے گا (ختم) اس حدیث میں کوئی منقبت مخصوص امیر معاویہ کی ہرگز موجود نہیں ہے نہ ملک شام کے یہ فاتح ہی ہیں نہ یہ ثابت ہے کہ جمع مذکر حاضر کے مخاطبین میں امیر معاویہ موجود تھے بلکہ یہاں خطاب مسلمانان موجودین سے عام طور پر پایا جاتا ہے۔ ملوک جائرہ شام سے یہاں خطاب بطور خاص کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ کوئی قرینہ حالیہ اس حدیث میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ خلفائے جائرین شام میں سے کچھ افراد اس وقت موجود تھے اور حقائق تاریخی کے بھی یہ امر

بالکل خلاف ہے۔ فتح شام کی بشارت کا ظہور) اور خلیفہ اسلام کا شام میں خلیفہ تسلیم کیا جانا امیر معاویہ کی بادشاہی سے بہت قبل کے واقعات ہیں۔ حیرت ہے کہ امیر معاویہ کی منقبت اس حدیث سے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہے۔

اس کے بعد طبرانی کی ایک حدیث ہمارے مخاطب عالی مقام نے منقبت امیر معاویہ میں پیش فرمائی ہے جو یہ ہے:- "یا معاویہ اذا ملکت فاحسن" یعنی اے معاویہ جب تم بادشاہ بن جاؤ تو اچھے طریقے سے حکومت کرنا (ختم) اگر مان لیا جائے کہ حضور ص کو اخبار غیب میں یہ منکشف ہو چکا تھا کہ بلحاظ مضمون روایت دیگر بل ھم ملوک من اشد الملوک و اول الملوک معاویہ کسی وقت بادشاہ ہو جائیں گے تو کوئی قباحت لازم نہیں ہوتی۔ یہ ایک نصیحت ہے جو بشرط صحت روایت آنحضرت ص نے امیر معاویہ کو کی ہوگی۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ امیر معاویہ نے کہاں تک رسول مقبول کی اس نصیحت پر عمل کیا اور اپنی اس ملک گیری اور ملک داری میں کن کن اعمال صالحہ پر کاربند ہو کر حکم نبوی کی تعمیل انہوں نے کی۔ حالت یہ ہے کہ ابن عم رسول، نفس رسول، داماد رسول۔ خلیفہ رسول مولائے مومنین و ابن رسول ص کے خلاف انہوں نے ملک گیری کے جذبہ نامحمود کے تحت جدال و قتال کا بازار خوب ہی گرم کیا اور حکومت جائرہ پر مستبد و مستقل ہو کر ملک داری کے جذبات نامحمود کے تحت کیسے کیسے افعال منکرہ کا ارتکاب کیا۔ ایک بہت بڑی طویل و عریض فرد جرم ان کے مقابل علمائے اعلام اہلسنت نے مرتب کر رکھی ہے اور اگرچہ بعض علما نے حسب صراحت جناب خاتم المحدثین ان کے بعض اعمال پر خطائے اجتہادی کی طیلسان ڈال دی ہے مگر بقول خاتم المحدثین ان کی نفسانیت کسی کے چھپائے

چھپ نہیں سکتی۔ کتب تاریخ و حدیث و سیر میں ان کا اعمالنامہ ملاحظہ فرمایئے اور
غور کیجیے کہ ارشاد نبوی اذا ملکت فاحسن کی تعمیل انہوں نے کس کس طرح کی ہے
آخر یہ خطائے اجتہادی کی سپر کس کس جگہ اور کہاں تک کام میں آئے گی۔ ایک حقیقی
خاطی کو محض مخطی کہہ دینے سے بظاہر جرم میں تو خفت نظر آنے لگتی ہے۔ مگر جرم کی
حقیقی نوعیت میں کوئی تبدیلی کس طرح ممکن ہے۔

اس کے بعد جناب مخاطب عالی مقام نے ایک قول جناب امیر مندرجہ کنز
العمال سے استدلال فرمایا ہے یا ایھا الناس لا تکرھوا امارت معاویہ
فانہ لو فقدتموہ رائیتم الرؤس تبدر عن کواھلھا کالحنظل۔
یعنی اے لوگو امیر معاویہ کی امارت سے نفرت نہ کرو اگر وہ جاتے رہے تو بکثرت
خون خرابہ ہوکر حنظل کی طرح سر اڑینگے (ختم) اگر یہ روایت صحیح مانی جاتی ہے تو کیا
شک ہے کہ مطابق واقعات بھی ہے کیوں کہ امیر معاویہ کے مستبد و مستقل اول
الملوک جائرین بن جانے کے بعد ان کی وفات تک کوئی قابل ذکر خانہ جنگی یا
کوئی اہم خون خرابہ ممالک اسلامیہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ بقول مورخین نہایت خموشی
سے زہر اور تلوار کے ذریعے سے کارروائی کی جاتی رہی اور جب یہ وفات پاگئے
یعنی مفقود ہوگئے تو ان کے فرزند دلبند و لیعہد اور ہمارے مخاطب کے امیر المومنین
یزید رضا کے عہد میمنت مہد میں بر وقت پیشگوئی مرتضوی کا ظہور ہوا اور اندرائن
کے پھل کی طرح سر اڑتے ہوئے بکثرت دیکھے گئے۔ واقعہ جانفرسائے کربلا اور حادثہ
خونیں حرہ و محاصرہ مکہ و احراق خانہ کعبہ وغیرہ نے پیشگوئی جناب امیر پر مہر
صداقت ثبت کردی۔ سبحان اللہ کیا خوب منقبت امیر معاویہ کی جناب امیر

کی زبانی ہمارے مخاطب خوش فہم نے بیان فرمائی ہے۔

اس کے بعد صحیحین شریفین کی حدیث لا تسبوا اصحابی اور حدیث ترمذی من احبہم فبحبی احبہم و من ابغضہم فببغضی ابغضہم سے آپ نے منقبت امیر معاویہ پر استدلال فرمایا ہے۔ پہلی حدیث مندرجہ صحیحین کا مطلب یہ ہے کہ میرے اصحاب کو دشنام نہ دو۔ خدا جانے اس سے امیر معاویہ کی کیا منقبت برآمد ہوتی ہے۔ سب صحابہ کرام کے متعلق اہلسنت کے عقیدہ و عمل سے کون ناواقف ہے اور باوجودے کہ امیر معاویہ کے مقابل کس قدر سنگین الزامات خود علمائے کبار اہلسنت نے ثابت قرار دیتے ہیں مگر ان پر سب و لعن کی ممانعت لکھ دی ہے اور خود ہمارا مسلک و عمل بھی امیر معاویہ کی حد تک یہی ہے۔ البتہ امیر معاویہ نے بذات خود اس حکم نبوی کی تعمیل خوب خوب کی اور مساجد کے منبروں پر اور دعائے قنوت تک میں بھی اس کی تعمیل سراً و جہاراً و لیلاً و نہاراً نہ صرف خود ہی کرتے رہے بلکہ عامہ مسلمین سے سب اہلبیت نبوی کی تعمیل حکماً کراتے رہے اور روح مقدسہ نبوی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مسرور و شادماں کرتے رہے مگر ہمارے مخاطب والا مقام کہیں اس کے جواب میں نہ فرمادیں کہ یہ ایک ادنیٰ کرشمہ تھا خطائے اجتہادی کا۔ شاید اسی قسم کے واقعات سے متاثر ہو کر شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی اپنی کتاب امہات الامہ میں تحریر فرما گئے ہیں کہ اجتہاد ایک ایسا جوا ہے جس میں جفت بھی اپنا اور طاق بھی اپنا (یعنی لہ اجر تو کہیں گیا ہی نہیں)، مگر شاید امیر معاویہ نے یہ تاویل اس مقام پر کرلی ہوگی کہ میں تو سب اہلبیت رسول کررہا ہوں اور اس حدیث میں ممانعت سب اصحاب ہی کی حد تک ہے۔

دوسری حدیث مندرجہ ترمذی شریف کا مطلب یہ ہے کہ میرے اصحاب کو جو دوست رکھتا ہے وہ میری ہی محبت کے باعث دوست رکھتا ہے اور جو میرے اصحاب سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ہی بغض رکھتا ہے (ختم) حضور سرورِ کائنات کا ہر ارشاد عالی علی الراس والعین کس کی مجال ہے کہ اس کے خلاف کوئی ایک لفظ بھی کہہ سکے مگر ہم اس ارشاد نبوی کے تحت کسی کی خطائے منکر کو خطائے اجتہادی قرار دے لینا ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتے۔ بقول حضرت خاتم المحدثین و مفتی اعظم شرع متین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب" بالجملہ اصلح ہمیں است کہ معاویہ را مرتکب کبیرہ باید دانست وز بان از لعن وطعن بند باید نمود و الامایقال فی من زنی وشرب من الصحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و ہر جائے خطائے اجتہادی را دخل دادن خالی از سماجت نیست (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۳۰) پس ثابت ہوا کہ مستثنیٰ حالات میں عام حالات سے علیحدہ حکم ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری بھی ہے اور بلحاظ اعمال خاص حالات میں مستثنیٰ کے جواز میں کسی چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔

جناب مخاطب والامقام حدیث لاتسبوا اصحابی اور حدیث من احبہم الخ پیش فرما کر امیر معاویہ کی منقبت ثابت کرنے کی سعی فرما رہے ہیں مگر شاید آنجناب نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں کے مضمون کی جیسی صریح خلاف ورزی بلکہ پامالی خود امیر معاویہ نے کی ہے اس کی مثال تاریخ اسلام میں مل نہیں سکتی بلکہ غایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مساجد مقدسہ اسلام میں لعن وتبرا کے بانی ہی امیر معاویہ ہیں یہاں تک کہ بقول مورخین عہد

بنی امیہ میں ستر ہزار منبروں پر اہلبیت رسول پر لعن و تبرا جاری رہے اور روح پاک نبوی کو خوش کیا جاتا رہا افسوس صد افسوس ۔ رسول تو تاکید فرما رہے ہیں کہ میرے اصحاب پر سب و لعن نہ کرو بلکہ ان سے میری ہی محبت کے باعث دوستی رکھو لیکن امیر معاویہ خود تو سب و لعن کرتے ہی تھے اس رسم بد کی تعمیل انہوں نے اپنے دور حکومت جائرہ میں عوام مسلمین تک سے بھی اس طرح کرائی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے یادگار رہ گئی ۔ اب تک یہ حال ہے کہ ہر جمعہ کو خطبہ میں ادھر ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الخ پڑھا گیا اور ادھر تبادر ذہن امیر معاویہ کی ایجاد کردہ اس اشد شدید بدعت سیئہ لعن و تبرا کی طرف ہوا جس کے بانی اول خود امیر معاویہ ہوئے ہیں اور جس پر جامع دمشق کے محراب و در اب تک بھی ماتم کناں ہیں ۔ خطبۂ جمعہ کا یہ حصہ جسے ہم ہر جمعہ کو مساجد میں سنتے ہیں درحقیقت گواہی دیتا ہے امیر معاویہ و دیگر نواصب بنی امیہ کی بدعت سیئہ لعن و تبرا پر اور حسنات خلیفہ صالح عمر بن عبدالعزیز رح پر کہ اس نیک دل خلیفہ نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت شنیعہ بلکہ اشنع شنائع کا اس نے انسداد کیا اور حرمت مساجد بحال فرمائی اور اہلبیت رسول پر سب و لعن کے الفاظ نکال کر الفاظ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الخ داخل فرمائے بعد میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ محدث عظیم الشان حضرت امام نسائی علیہ الرحمہ نے اسی منبر جامع دمشق پر مناقب جلیلۂ مرتضوی کے بیان فرمانے کی سعادت سراپا کرامت حاصل فرمائی مگر نواصب شام نے آپ کو ہرگز معاف نہ کیا اور اتنا لکد کوب کر دیا کہ بالآخر آپ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے ۔ نور اللہ مضجعہ و شکر اللہ مساعیہ ۔

اصحاب اخیار رضی اللہ عنہم کی عزت و وقعت ہمارے دلوں میں کیوں ہے اس کا

خاص باعث یہ ہے کہ یہ مقدس جماعت علی الاکثر صالح العمل تھی بلکہ اسی مقدس جماعت میں وہ ہستیاں بھی داخل ہیں جن کی منقبت میں اعملوا ماشئتم الخ کی منقبت جلیلہ بھی موجود ہے اب اس کے بعد حضرت خاتم المحدثین رح کا وہ جملہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ والا مایقال فی من زنیٰ ومن شرب من الصحابہ اور حقیقت بھی یہی ہے. جیسے کہ حضرت سعد الملت والدین علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ توضیح فرماگئے ہیں کہ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما (شرح مقاصد) تمام صحابہ رسول ایک ہی درجہ میں شمار نہیں ہوسکتے ان میں فرق مدارج موجود ہے انہیں میں خلفائے راشدین واہلبیت طاہرین کی جماعت بھی ہے اور عوام صحابہ میں ولید بن عقبہ بن معیط اور مسطح بن اثاثہ وغیرہما بھی شامل رہ چکے ہیں جن کے اعمال اہل نظر و باخبر اصحاب مسلمین سے مخفی نہیں ہیں.

قال المخاطب :- امیر معاویہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ تک لکھنے میں بخل کیا جاتا ہے اور دیگر اصحاب بنی ہاشم کے ساتھ علیہ السلام، اور علیہم السلام کے الفاظ بخلاف طریقہ جاریہ مسنونہ لکھے جاتے ہیں. سید الشہدا مخصوص لقب حضرت حمزہ رض کا ہے امام حسین کے نام کے ساتھ یہ لقب کیوں لکھا جاتا ہے وغیرہ.

رضی اللہ عنہم اور علیہم السلام

الجواب :- آپ کی یہ شکایت بشرطیکہ یہ کوئی وقیع شکایت بھی سمجھی جائے اکابر علمائے اہلسنت ہی سے ہونی چاہیئے کہ وہ مثل دیگر اجلہ صحابہ مقبولین کے اسمائے گرامی کے التزاماً تعظیمی الفاظ رضی اللہ امیر معاویہ کے نام کے ساتھ کیوں نہیں لکھتے. سبحان اللہ کیا خوب شکایت ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے وہ اکابر

جو امیر معاویہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کبھی نہیں لکھتے ان کے کیا جذبات وخیالات امیر معاویہ کی نسبت ہیں بظاہر توہی وجہ سمجھ میں آتی اور آسکتی ہے کہ ان علمائے کرام نے امیر معاویہ کے مخصوص اعمال جائزہ کے باعث اس گروہ میں ان کو شامل داخل نہیں سمجھا جن کی تعظیم کے اظہار کے لئے ایک حد تک بطور لزوم رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے اہلسنت کے مشاہیر علما میں یہ طریقہ بکثرت نظر آتا ہے کہ بغیر ان تعظیمی الفاظ ہی کے امیر معاویہ کا نام لکھتے ہیں بعض ان کے نام کے ساتھ یہ تعظیمی الفاظ استعمال کر لیتے ہیں اور جن علمائے ان کو خطائے منکر کا ملزم گردانا ہے اور ان کو مرتکب کبائر جانتے ہیں وہ ان کے نام کے ساتھ یہ تعظیمی الفاظ مروجہ کبھی استعمال نہیں کرتے، اس وقت دوران تحریر اتفاقاً چار کتابیں جو اہلسنت کی مشہور ترین مسلمہ و مقبولہ کتب کلامیہ وکتب سیر وتاریخ سمجھی جاتی ہیں اور جن کا شہرہ چار دانگ عالم اسلام میں ہے ہمارے سامنے میز پر موجود ہیں بتفصیل ذیل۔

(۱) تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۶ھ تعداد صفحات کلاں ۷۷۶۔ جس کے متعدد تراجم عربی وارددو غیرہ میں اب تک طبع ہوکر شایع و ذایع ہیں۔

(۲) ازالۃ الخفا مجلد اول مصنفہ سند المتکلمین و عمدۃ المحدثین جناب مولانا حید علی صاحب اعلے اللہ مقامہ وانار اللہ برہانہ مطبوعہ مطبع سلطانی واقع قلعہ مبارک دہلی ۱۲۷۲ھ تعداد صفحات کلاں ۱۰۲۲۔

(۳) منتہی الکلام مصنفہ جناب سند المتکلمین مذکور علیہ الرحمہ مطبوعہ ناصری ۱۲۸۲ھ تعداد صفحات کلاں ۸۱۵۔

(۴۱) مدارج النبوت مصنفہ جناب اعلم العلماء راس المحققین و سند المحدثین مولانا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی علیہ الرحمہ مطبوعہ نولکشور سنہ ۱۳۰۱۴ھ ۱۹۱۳ء تعداد صفحات کلاں ہر دو جلد[۱۱۱] تخمیناً چار ہزار صفحات کلاں کی ان مشہور و مقبول و ضخیم تصانیف اہلسنت میں صدہا نہیں بلکہ ہزارہا مقامات پر امیر معاویہ کا نام مختلف مضامین کے بیان میں آیا ہو گا مگر کسی ایک مقام پر بھی ان ضخیم کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ، یا اور اسی قسم کے تعظیمی الفاظ نظر سے نہیں گذرے بخلاف اس کے دیگر صحابہ مقبولین اور خلفائے راشدین کے اسماء گرامی کے ساتھ ان مجلدات میں عام طور سے یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان اجلہ علما نے قسم کھا لی ہے کہ امیر معاویہ کے نام کے ساتھ یہ الفاظ ہرگز استعمال نہ کریں گے، آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہے کہ کبھی بھولے سے بھی یہ الفاظ تعظیمی امیر معاویہ کے نام کے ساتھ ان کتب مقبولہ میں نہیں لکھے گئے، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے، اب ہم کیوں اس کی پردہ دری کے درپے ہوں۔ ہر ناظر بصیر و خبیر ہمارے ان علماء متورعین کے عمل اور ترک عمل سے بخوبی نتیجہ نکال سکتا ہے پس اگر ہمارے قلم ناقص رقم سے بھی امیر معاویہ کے نام کے ساتھ یہ تعظیمی الفاظ نہیں نکلے تو غالباً یہ محل اعتراض بھی نہیں ہے۔ البتہ ہمارا عمل باتباع علمائے اخیار یہ ضرور رہا ہے کہ ہم ان کی شان میں ہرگز کوئی بد تہذیبی یا سب و شتم کرنا روا نہیں رکھتے اور کفِ لسان پر عمل کرتے ہیں۔ یہ قبائے سب و شتم تو کچھ امیر معاویہ اور ان کے اتباع و قائم مقامان کے اندام و قامت پر ہی زیب دیتی رہی ہے۔ جنہوں نے ۳/۴ صدی کی طویل مدت تک در دمان حضرت ختم المرسلین پر نہ صرف خود ہی سب و شتم کیا بلکہ آئمۂ و خطبائے مساجد اسلامیہ ممالک محروسہ اور عوام تک سے بھی

سب و لعن کراتے رہے اور خاندان رسالت سے اپنے بغض شدید کا مظاہرہ علی الاعلان کرتے اور ارواح مقدسہ انبیائے طاہرین کو مسرور فرماتے رہے اور غالباً (بلکہ یقیناً) اسی وجہ سے ہمارے علمائے اخیار خاص طور پر امیر معاویہ پر سب و شتم کی ممانعت کرتے چلے آرہے ہیں کہ اس میں ان کے اعمال شنیعہ کی تقلید کی شکل پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی سب و شتم نہ کرنے کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ جس شخص کی جو حیثیت شرعاً قائم ہوتی ہے اور جسے ثقاۃ و علمائے متورعین بوضاحت بیان کرتے چلے آرہے ہیں وہ بھی بیان کی جائے اور اس کا اندازہ ہمارے ان اوراق کے ناظرین نے بخوبی کرلیا ہوگا کہ ہمارے علمائے متورعین و اکابر ثقاۃ نے ان کو مخطی و باغی و طلیق و مرتکب کبیرہ وغیرہ کن کن الفاظ سے بار بار اور بتاکید یاد کیا ہے۔ ایسی کسی بندش لسان و قلم کے ہم معتقد نہیں ہیں۔ ہم وہی کہیں گے اور بار بار کہیں گے اور کہنے کے مجاز بھی ہیں جو ہمارے علمائے مقبولین کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں۔

اسی سلسلے میں ہمارے مخاطب والا مقام نے یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ افراد اہلبیت نبوی کے اسمائے مقدسہ کے بعد علیہ السلام اور علیہم السلام کیوں لکھا گیا ہے۔ ان سطور کو لکھتے ہوتے ہمیں افسوس بھی ہے کہ ان ذیلی بلکہ غیر ضروری مباحث میں خامہ فرسائی کیوں کی جارہی ہے مگر ہم مخاطب کے ان بے جا اعتراضات کا مختصر ہی سہی۔ جواب دینے پر مجبور ہیں۔

اہلسنت کے علمائے اعلام و فضلائے ذوی العز والاحترام کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت نبوی علیہم السلام کے اسمائے مقدسہ کے بعد رضی اللہ عنہ بھی لکھا جاتا ہے اور علیہ السلام بھی لکھتے اور بولتے ہیں۔ البتہ جناب امیر کی ذات اقدس

و مقدس کی حد تک ایک مخصوص اصطلاح کرم اللہ وجہ کی وضع ہو چکی ہے اور یہ پاک و پاکیزہ الفاظ تنہا ذات گرامی مرتضوی کی حد تک ہی استعمال ہوتے ہیں جو جماعت مقدسہ اصحاب رسول میں کسی دوسرے کے لئے نہ تو بولے جاتے ہیں نہ لکھے جاتے ہیں جس سے ان کی مخصوص منقبت بلا شرکت غیرے ظاہر ہوتی ہے جو محتاج بیان نہیں ہے۔

اور جابجا علمائے کرام اہلسنت نے صراحت بھی فرمائی ہے اور روایت بیان کی ہے کہ کرم اللہ وجہ کے مخصوص تعظیمی الفاظ جناب امیر کے نام کے ساتھ کیوں لکھے جاتے ہیں۔ اب رہے تعظیمی الفاظ علیہ السلام، وعلیہم السلام، یہ الفاظ تعظیمی بلاشک جماعت مقدسہ انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے ہیں مگر اس کلیہ میں ایک ہی استثنیٰ جناب امیر کی ذات والا صفات اور آپ کی اولاد طاہرین کے اس سلسلے کا ہے جو اہلسنت میں تو سلسلۃ الذہب کے نام سے اور اہل اسلام کی دوسری بڑی جماعت امامیہ میں آئمہ معصومین کے نام سے موسوم ہے، اکابر و اساطین اہل سنت اس سلسلۃ الذہب کے افراد کے اسمائے گرامی کے ساتھ علیہ السلام اور علیہم السلام بھی لکھتے آئے ہیں جس کی توجیہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین آیت اللہ فی الارضین جناب شیخ سلیمان الحنفی القندوزی علیہ الرحمہ صاحب ینابیع المودت کی زبان قلم سے سماعت فرمائیے۔ «انھم کانوا اعلم اھل زمانھم واجلھم واورعھم واتقاھم واعلاھم نسبا وافضلھم حسبا واکرمھم عند اللہ وکان علومھم عن آباءھم متصلا بجدھم صلی اللہ علیہ وسلم وبالوراثۃ واللدنیۃ کذا اعرفھم اھل العلم والتحقیق واھل الکشف والتحقیق (انتھیٰ) یہ اسی تقریر کا ایک حصہ ہے جو آنجناب رح نے خلفائے اثنا عشر کی بحث میں

تحریر فرمایا ہے اور جس کی نقل قبل ازیں ہو چکی ہی۔

اسی جماعت مقدسہ سلسلۃ الذہب کے لئے مجمع فیوض سبحانی منبع علوم روحانی حقیقت آگاہ و معرفت دستگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں

این سلسلہ از طلائے ناب است — دیں خانہ تمام آفتاب است

اعیان اہل سنت کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ ائمہ اہل بیت کے بارہ افراد طاہرینؑ کی تعداد سے بطور تفاول تبرکاً بارہ کا عدد بطور سند لکھ کر کلام کا آغاز کرتے اور اس عمل کو باعث خیر و برکت سمجھتے رہے ہیں۔ اہل سنت کی مشہور و معروف اور سب سے زیادہ معرکہ آرا اور قابل وقعت کتاب تحفہ اثنا عشریہ ہی سے اگر اس بیان کی سند لی جائے تو جا بجا سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ممکن ہی مثلاً آغاز کتاب ہی میں صفحہ ۲ پر مصنف علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :- ایں رسالہ را تیمناً و تبرکاً بعدد ائمہ اثنا عشر علیہم السلام بر دوازدہ باب مرتب کردہ شد (ختم) یا مثلاً صفحہ ۱۱۳ پر تحریر ہے۔ مادریں جا تبرکاً بعدد ائمہ اثنا عشر علیہم السلام دوازدہ وجہ یاد کنیم (ختم) الغرض اساطین اہلسنت کے بیانات و تحریرات سے ہزارہا مثالیں اس طرح کی پیش کی جاسکتی ہیں۔

ہمارے مخاطب والا مقام ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ آج یہ کوئی نیا اور اہم اعتراض جناب راقم الحروف پر وارد فرمایا ہے۔ ناصبی مشرب کے اشخاص کو یہ عمل یعنی ائمہ اہل بیتؑ کے ساتھ علیہم السلام لکھنا ہمیشہ خار کی طرح کھٹکتا رہا ہے اور انہوں نے جا بجا علمائے متدین اہل سنت علیہم الرحمہ پر بھی اعتراض کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی یہاں تک کہ حجتہ اللہ علی البریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ جناب خاتم المحدثین

مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کو بھی انہوں نے معاف نہیں کیا اور آپ کے اس عمل پر کہ جا بجا آنجناب نے اس سلسلۃ الذہب کے افراد کے اسمار گرامی کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے اعتراض کر ہی دیا۔ پس عبارت اعتراضی جو بشکل سوال ہے اور جناب خاتم المحدثین رح کا جواب باصواب ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس مقدس جماعت سلسلۃ الذہب سے کس قدر بغض ان ناصبی سرشتان بداندیش کو ہے اعاذنا اللہ عن العصبیۃ والعناد وعداوۃ اھلبیت الامجاد:-

سوال:- آنکہ در تحفہ اثنا عشریہ صلوٰۃ وسلام بر ائمہ اثنا عشر بالاستقلال نوشتہ وحال آنکہ ایں اطلاق نزد اہلسنت جائز نیست چراکہ تشبیہ باہل بدعت لازم می آید و اہلسنت اجتناب ازیں تشبیہ بر خود لازم شمردہ اند پس برائے جواز ایں اطلاق سند از کتب معتبرہ اہل سنت باید آورد (انتہی) مطلب یہ ہے کہ آپنے تحفہ اثنا عشریہ میں مستقل طور پر ائمہ اثنا عشر پر صلوٰۃ وسلام کیوں لکھا ہے اس میں تو اہل بدعت کی مشابہت پیدا ہو گئی حالاں کہ اہلسنت میں ایسی تشبیہ سے بچنے کا لزوم ہے پس کتب معتبرہ اہلسنت سے صلوٰۃ وسلام بر ائمہ اثنا عشر لکھنے کی سند پیش کیجیے۔

جواب از خاتم المحدثین علیہ الرحمہ:- صلوۃ غلط در تحفہ اثنا عشریہ جائے صلوٰۃ بالاستقلال بر غیر انبیا واقع نیست آرے علیہ السلام در حق حضرت امیر المومنین وحضرت سیدۃ النسا وجناب حسنین ودیگر ائمہ مذکور است۔ لیکن مذہب اہلسنت ہمیں است کہ لفظ صلوٰۃ بالاستقلال بر غیر انبیا درست نیست

وسلام بر غیر انبیا می تواں گفت وسندش آنست کہ در کتب قدیمہ اہلسنت خصوصاً ابوداؤد وصحیح بخاری بعد از ذکر حضرت علی وحضرت حسنین وحضرت فاطمہ وحضرت خدیجہ وحضرت عباس لفظ علیہ السلام، مذکور است آرے علمائے متشققین ما ورار النہر ایں اطلاق را برائے تشبیہ باشیعہ منع نوشتہ اند اما تشبیہ بابداں در امر خیر ممنوع نمی تواند شد...

مطلب حضرت خاتم المحدثین رح کے جواب کا یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ بالاستقلال مذہب اہلسنت میں سوائے انبیاء کے کسی دوسرے شخص کے لئے لکھنا درست نہیں سمجھا جاتا ہے۔ البتہ علیہ السلام، جناب امیر وجناب سیدہ وحسنین وغیرہم اسمار کے ساتھ تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا گیا ہے اور یہ جائز ہے اور اس کی سند یہ ہے کہ اہلسنت کی کتب حدیث قدیمہ میں اور خصوصاً ابوداؤد اور بخاری میں ان بزرگوں کے اسمار کے ساتھ علیہ السلام مذکور ہے البتہ علمائے متشققین ما ورار النہر نے جماعت شیعہ سے مشابہت پیدا ہونے کے باعث اس کی ممانعت لکھ دی ہو لیکن امر خیر میں اگر برُے لوگوں کی مشابہت بھی پیدا ہو جائے تو اس کی ممانعت ہرگز جائز نہیں قرار دی جا سکتی (فتاوی عزیزی جلد اول صفحہ ۸۸)

ملاحظہ فرمایا آنجناب نے حضرت خاتم المحدثین ومفتی اعظم شرعِ متین نے مسئلہ زیر بحث میں اہل سنت کا جو مختار بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ان ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اسمائے کے ساتھ علیہ السلام لکھنا اور بولنا سراسر خیر ہی خیر ہے خواہ اس میں مخالف جماعت کی مشابہت ہی کیوں نہ پیدا ہو جائے ایسے مستند اور ناقابل تردید مختار کے نقل کر دینے کے بعد ہم اس بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے ورنہ بآسانی ممکن تھا کہ اساطین اہلسنت کی مختلف عبارات سے ہم صدہا نظائر پیش

کر دیتے کہ ان علمائے تبحرین مقبولین نے بلا ادنیٰ تکلّف بلکہ بالالتزام ائمۂ اہلبیت کے اسماء کے ساتھ ہر جگہ علیہ السلام لکھا ہے اور کیوں نہ لکھتے کہ اس مقدس جماعت کی تعظیم و تمجید خود جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تعظیم و تمجید ہے. اور چاند کی تعریف کرنا درحقیقت سورج ہی کی تعریف کرنا ہے مگر ہمارے مخاطب عالی مقام کو تو در اصل ملال اس بات کا ہے کہ امیر المومنین وخلیفہ برحق حضرت یزید (؟) اور ان کے پدر نامدار امیر معاویہ کو ان معزز و مقدس الفاظ سے کیوں یاد نہیں کیا جاتا اور جدھر نگاہ جاتی ہے ان بزرگان دین و حامیان شریعت خیر المرسلین میں سے ہر شخص یزید کو کوئی تو پلید لکھتا ہے کوئی عنید لکھتا ہے کوئی مرید (بالفتح) الغرض یزید کا کوئی ایسا قافیہ شنیع باقی نہیں رہا جسے بزرگان اُمت نے یزید کے نام کے ساتھ پیوند نہ کیا ہو اور اس کی تفسیق و تکفیر و لعن میں کوتاہی کی ہو جس کی بحث ہماری اس کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیے.

اب اس مقالہ میں ایک ہی امر جواب طلب باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ سید الشہداء مخصوص لقب سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہے پھر حضرت حسین کے نام کے ساتھ اسے کیوں لکھا جاتا ہے اس کا مختصر جواب تو ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہمارے اکابر علما سیدنا امام حسین علیہ السلام کے نام کے ساتھ سید الشہدا بطور لقب ہمیشہ استعمال کرتے آئے ہیں. ہم بھی حدیث نبوی کی روشنی میں اور بہ تقلید علمائے دین متین لکھتے ہیں اور لکھتے رہیں گے خواہ بدخواہان خاندان رسالت مآب کو کتنا ہی ناگوار گذرے، اس تعصب اور تنگ نظری کی بھی کوئی حد ہے حضرت حمزہ رشتہ میں، جناب امام حسین کے دادا ہوتے ہیں اور شہید کربلا ہونے کے باعث

سید الشہدا اکبر ان کو ہے

جو عزت وہ وقعت تمام عالم اسلام بلکہ تمام عالم میں امام ہمام علیہ السلام کو حاصل ہوئی ہے اس کا انکار سوائے معدودے چند نواصب خوارج کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا اولیائے امت نے جابجا اس امر کی صراحت کردی ہے کہ حسین کی شہادت جلی کا راز دراصل یہ ہے کہ اس شہادت کا اندراج بارگاہ ایزدی میں بنام رسالت مآب کیا گیا ہے یہ مفصل تقریر بغایت شرح و بسط سے جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ اپنی مشہور تصنیف منیف سر الشہادتین میں بھی درج فرما گئے ہیں پس جس طرح یہ شہادت جلی میدان کربلا میں واقع ہوئی وہ اپنی نوعیت میں عدیم النظیر تسلیم کی گئی اور اسی لئے اکابر امت حسینؑ کو سید الشہدا کہتے اور لکھتے چلے آ رہے ہیں۔

جناب خاتم المحدثین کی کتاب مستطاب تحفہ اثنا عشریہ ہی میں نہ معلوم کتنے مقامات پر جناب امام کے لئے سید الشہدا لکھا گیا ہے۔ اس وقت ہم نے یہ کتاب اٹھا کر تھوڑی ورق گردانی کی تو صفحہ ۵۲ کی پہلی ہی سطر میں یہ عبارت جناب مصنف علیہ الرحمہ کی مل گئی "وقصہ دعوت ایشاں آنست کہ چوں حضرت امام حسین سید الشہدا از دست اشقیائے شام وعراق شہادت یافت.... الخ اگر اور بھی تھوڑی سی ورق گردانی کی جاتی تو متعدد مقامات کتاب مذکور سے سید الشہدا کا استعمال جناب امام حسین کے لئے دکھایا جا سکتا۔

صاحب منتہی الکلام جناب سند المتکلمین مولانا حیدر علی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی مشہور تصنیف ازالۃ الغین ہی میں جناب امام حسین کو جابجا سید الشہدا لکھا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۴ - اپنے شیعہ مخالف کو مخاطب فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :- (بر مخالف) لازم و واجب کہ ثابت کند کہ از اہل حل و عقد قبل از خروج حضرت سید الشہدا (حسین) کدام کدام در بیعت آں شقی الانام (یزید) درآمدہ بودند تا کلام

دراں کردہ شود (ختم) اسی کتاب میں دوسرے مقام پر جناب سند المتکلمین مذکور تحریر فرماتے ہیں :- باقی ماند معنی سالب خلافت از جناب امام السعدا و نظام الشہدا حضرت شہید کربلا اگر مقصودش ایں است کہ آنجناب حکومت رانی نفرمودہ و بر مردم تسلط نیافتہ پس مطابق واقع است بل ہو من اجلی البدیہیات، ہیچ کسے را مجال انکار نیست لیکن آنچہ برائے آں جناب از سیادت شہدا و امامت صابرین فی الباسا والضرا، و جزئیت و ریحانیت جناب سید الانبیا صلے اللہ علیہ وآلہ آمادہ و مہیا شدہ چہ کمی دارد بلکہ عبارات بلغا از تعبیراں کوتاہ و اشارات فصحا ہم بکمال عجز و قصور عذر خواہ و ما احسن قیل - وصف ترا اگر کنند ورنہ کنند اہل فضل حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را (صفحہ ۳۸) دوسرے ایک مقام پر جناب ممدوح علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :- خلافت یزید علیہ ما یستحقہ نزد اہل حق بہرحال معدوم و منتفی و شہادت جناب امام حسین بہر صورت ثابت و متحقق است .... و جناب سید الشہدا وقت محاربہ او مجاہد فی سبیل اللہ اند خواستہ بودند کہ آں کافر فاجر (یزید) را تسلطے بر اہل اسلام حاصل نشود کہ در تسلط او فساد عظیم منطوی بود (از التہ الغین صفحہ ۱۷)

محدث عظیم و جلیل قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دار العلوم دیو بند تحریر فرماتے ہیں :- مگر انجام کار بوجہ نقص عہد کوفیاں تدبیر حضرت سید الشہدا رضی اللہ عنہ بر نشانہ نہ نشست و روز عاشورا قیامت قبل از قیامت در میدان کربلا برخاست (قاسم العلوم نمبر ۲ صفحہ ۱۳۰ منقول از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول مطبوعہ مطبع معارف ۵۲ء)

الغرض حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی ساتھ سید الشہداء اس قدر متعارف لقب جناب حسینؑ کا ہے کہ کسی مزید تفصیل و تشریح کی اب کوئی خاص ضرورت نہیں پائی جاتی۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی لقب دو دو بلکہ زیادہ افراد کے لئے بھی بعض اوقات جائز سمجھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صدیق ہی کے لقب کو پیش نظر رکھئے۔ عام طور پر یہ لقب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ اہل سنت کی جماعت میں بکثرت بلکہ بالالتزام لکھا اور بولا جاتا ہے۔ مگر یہی لقب صدیق جناب امیر علیہ السلام کے لئے بھی اہل سنت کی جماعت میں تسلیم ہوتا چلا آ رہا ہے۔ جناب سند المحدثین و قدوۃ المحققین مولانا شاہ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ پس تسمیہ کرد بہ علی و تسمیہ کردہ است او را پیغمبر بہ صدیق، کذا فی ریاض النضرہ الخ (صفحہ ۱۳۵/۲) جناب خاتم المحدثین تحریر فرماتے ہیں:۔ و در احادیث صحیحہ کنیت ایشاں بابوتراب و ابوالریحانتین و تلقیب ایشاں بذوی القرنین و صدیق و فاروق و سابق و یعسوب الامت و یعسوب المومنین و یعسوب قریش و بیضۃ البلد... الخ (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۸/۲) نیز ملاحظہ ہو الصدیقون ثلاثہ حزقیل من آل فرعون و حبیب النجار و صاحب آل یٰس و علی ابن طالب (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳ و کنز العمال صفحہ ۱۵۲/۶) خود جناب امیر علیہ السلام نے بھی اس کی توضیح چند مقامات پر فرمائی ہے کہ میں صدیق اکبر ہوں مثلاً ملاحظہ ہو ابن قتیبہ کی مشہور کتاب المعارف جس میں درج ہے: عن معاذہ بنت عبداللہ قالت سمعت علی ابن ابی طالب علی منبر رسول اللہ صلعم یقول انا الصدیق الاکبر آمنت

ان یومن ابو بکر واسلمت قبل ان یسلم ابو بکر (المعارف مطبوعہ مطبع عامرۃ الشرقیہ مصر صفحہ ۵۶) اسی قسم کا بیان متعدد کتب مشہورہ و مقبولہ اہلسنت مثلاً خصائص نسائی و ریاض نضرہ و کنز العمال و شرح تجرید قوشجی وغیرہ اور کتب تواریخ کامل وغیرہ اور دیگر کتب تذکرہ میں بھی درج ہے۔ علامہ ذہبی قول جناب امیر نقل فرماتے ہیں:۔ انا عبد اللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر ما قالہا قبلی ولا یقولہا بعدی الا کاذب مفتر ولقد اسلمت وصلیت قبل الناس بسبع سنین (میزان الاعتدال صفحہ ۲/۱) یعنی جناب امیر نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں مجھ سے قبل بھی اس کا کوئی مدعی نہیں ہوا اور نہ میرے بعد ایسا کوئی کہے گا اور جو ایسا کہے گا وہ کاذب مفتری ہوگا (ختم)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدیق، سے ملقب ہونے کی متعدد روایات اہل سنت کی کتب میں موجود ہیں مثلاً علامہ سیوطی اپنی مشہور تاریخ میں فرماتے ہیں اجمعت الامۃ علےٰ تسمیتہ بالصدیق (تاریخ الخلفا) یعنی امت نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ آپ کا نام صدیق رکھا جائے اسی طرح متعدد دیگر کتب کے اندراجات سے بھی ان کے لقب صدیق اکبر ملقب ہونے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور متواتر آپ کے نام کے ساتھ اہلسنت میں اس لقب کا استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔ جناب سند المحدثین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ واتفاق کردہ اند امت بر تسمیت صدیق از جہت مبادرت او بہ تصدیق رسول الخ (مدارج النبوۃ ص ۵۳۰/۲)

ان تمام تشریحات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ ایک ہی لقب کا استعمال ایک سے زیادہ اشخاص کے لئے بعض صورتوں میں جائز سمجھا گیا ہے۔ بس اگر لقب "سید الشہدا" جناب امام حسینؑ کی حد تک اکابر امت نے اور ان خاصانِ خدا کی تائید میں جو کہ انبیاء بنی اسرائیل ہیں ہم نے بھی استعمال کیا تو یہ ہرگز ناجائز یا بے محل نہیں ہو سکتا۔ آپ لاکھ کوشش کریں مگر ممکن نہیں کہ اہل بیت رسالت کے مدائح عالیہ میں ادنیٰ کمی بھی ہو سکے یا آپ کے ممدوحین خاص یعنی نواصب بنی امیہ کی منقبت مفروضہ مزعومہ میں اہل بیت رسالت مآبؐ کی اس غلط منقصت سے کوئی اضافہ ہو سکے بقول شمس العلما شبلی نعمانی طاب ثراہ آپ کے یہ سب ممدوحین ملوک بنی امیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر ہونے کے مدعی تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہونا چاہیئے (سیرت النبی جلد ا) ہم اگر حضرت حمزہ رضؓ کو سید الشہدا کہیں تو "چشم ما روشن اور اگر ان کے پوتے حسینؓ کو سید الشہدا کہیں تو دلِ ما شاد"۔ خدا جانے آپ کو یہ کیوں ناگوار ہوتا ہے جو آپ بار بار ان الفاظِ تعظیمی مسلمہ و مقبولہ اہلسنت کے برمحل اور قطعاً جائز استعمال سے ہمیں منع کرتے اور اس پر سند بھی طلب فرماتے ہیں۔

ابھی ہمارے ناظرین نے جناب خاتم المحدثین کا یہ بیان پڑھا کہ "چوں حضرت سید الشہدا از دستِ اشقیائے شام و عراق شہادت یافت الخ" اس کے بعد کچھ پتہ چلا کہ ہمارے مخاطب دوراندیش کو یہ اندیشہ درپیش ہے کہ اگر حسینؓ کو سید الشہدا تسلیم کر لیا جائے گا تو جیسا کہ خاتم المحدثین کے اس بیان میں صراحت موجود ہے کہیں قاتل حسینؓ کو سید الشہدا کے مقابل سید الاشقیا تسلیم نہ کرنا پڑ جائے مگر جناب مخاطب کی یہ دور اندیشیاں ہرگز سود مند نہیں ہیں۔ علمائے اہلسنت ہمیشہ سے قاتل حسینؓ

گو ایسا ہی لکھتے آئے ہیں اور شقی الخلق والخلیقہ بھی لکھتے رہے ہیں جس کی اسناد صفحات کتاب ہذا میں جا بجا مل سکیں گی۔

امیر معاویہ کی کتابت وحی

ایک سوال اس بحث میں امیر معاویہ کی کتابت وحی کا بھی ہے جسے بطور ایک جلیل القدر منقبت کے جناب مخاطب نے درج فرمایا ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اُن کی کتابت وحی کی منقبت کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعض مصنفین نے اس کا ذکر تو کر دیا ہے مگر یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ کتابت وحی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابت وحی نہیں کرتے تھے بلکہ کتب و مناشیر کبھی کبھی لکھتے تھے الغرض کسی ایک امر پر علما کا اتفاق ہوا ہی نہیں۔ سند المحدثین علامہ محقق دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:- "وے (معاویہ) یکے ازاں جملہ است کہ می نوشت برائے آنحضرت و بعضے گویند می نوشت وحی۔ صاحب جامع الاصول می گوید کتابت نشدہ است۔ در مواہب لدنیہ می گوید وے مشہور است بکتابت وحی و بعضے گفتہ اند کہ وے نمی نوشت وحی را بلکہ می نوشت کتب و مناشیر را" (مدارج النبوۃ صفحہ ۵۳۹)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں خواندا اور نویسا اشخاص کی کمی بھی تھی اس لئے کتابت کا کام اس زمانے میں بعض اوقات بہت کم درجے کی ہستیوں سے بھی لیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ دو اشخاص عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن خطل بھی کاتب وحی رہے تھے جن کا شمار صحابہ رسول میں کیا جاتا تھا مگر ان دونوں کے خاص حالات واقفان حالات سے مخفی نہیں ہیں ان میں سے ایک صاحب مرتد ہو کر دوبارہ ایمان لائے۔ اور دوسرے صاحب کافر ہو کر مارے گئے۔ ان دونوں کاتبان وحی کے حالات سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ کتابت کے لئے کسی خاص جلیل المناقب و رفیع المراتب شخص

لزوم ہرگز نہ تھا بلکہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ ناخوانائی اور ناتوانائی کے اس دور میں موجودین میں سے جس کاتب سے بھی موقع ملا بلا لحاظ مراتب و مناصب حسب ضرورت کام لیا جاتا رہا ہے، اس کتابت سے کسی منقبت عظمیٰ کا اثبات کس طرح ہوسکتا ہے، اول تو امیر معاویہ کی کتابت وحی ہی ثابت نہیں ہے اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ چندے یہ کاتب وحی بھی رہے تھے تو اعمال مابعد و ارتکاب کبائر و لبغاوت و سب اصحاب و اہلبیت رسول وغیرہ ثابت شدہ الزامات سے یہ چند روزہ کتابت ان کو عبداللہ بن خطل کی طرح بچا نہیں سکتی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری میں کاتبان وحی کے جو اسماء تحریر فرمائے ہیں ان میں بھی امیر معاویہ کا ذکر موجود نہیں ہے اگر انہوں نے بحیثیت ایک منشی کے چند روزہ کوئی خدمت کتاب نویسی یا رقعہ نویسی کی انجام بھی دی ہو تو اعمال مابعد کی تلافی اس کتابت سے کس طرح ہوسکے گی اور نہ وہ بدنما داغ ان کی قبائے ملوکیت جائرہ سے محض اس کتاب کی منقبت سے دور کئے جاسکتے ہیں۔

بہ آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

قال المخاطب اس میں کیا شک ہے کہ امیر معاویہ رض ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے (ختم) پس حضرت موصوف کی شان میں کسی قسم کی بدگمانی کو دخل دینا سراسر بے جا ہے بلکہ آپ سے عقیدت رکھنا سراسر سعادت اور موجب ہدایت ہی ہو سکتا

ہے اور امیر معاویہ نہ صرف ایک صحابی جلیل القدر ہی ہیں بلکہ امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہو چکا ہے اور اس فرماں روائی کی بشارت خود رسول نے آپ کو دی تھی الخ

الجواب:- اس حدیث کی صحت میں ہمارے محدثین کرام نے جا بجا کلام کیا ہے۔ لیکن اگر اس محدثانہ نقد و نظر سے قطع نظر بھی کر لیا جائے بلکہ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ حدیث نجوم زیر بحث صحت کے اعلےٰ معیار پر ثابت شدہ اور متواترات میں سے ہے تب بھی اسے مقصود کے اثبات کے لئے قطعی الدلالت کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہر کلیہ میں مستثنےٰ اشکال شامل ہو سکتی اور ہوتی ہیں اور اس قسم کے مستثنیات عقلیہ کی توضیح و تشریح بسا اوقات ضروری نہیں سمجھی جاتی ہے بلکہ اکثریت کے اعتبار پر ہی کلیہ بیان کر دیا جاتا ہے ورنہ سوال زیر بحث میں یہ لازم ہو جائیگا کہ جن اصحاب رسول صلعم سے بعض حالات میں لغزشیں ہوئی ہیں بلکہ کبائر کا ارتکاب بھی ثابت ہوا ہے وہ تمام افعال بھی جائز اور باعث ہدایت سمجھ لئے جائیں، اسی کو تو ہمارے خاتم المحدثین رحمۃ نے دالا ما یقال فی من زنی ومن شرب من الصحابہ (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۳۰) میں فرما کر توضیح کر دی ہے۔ ہم تو حدیث نجوم زیر بحث سے یہی مطلب اخذ کرتے اور کر سکتے ہیں کہ صحابہ اخیار رضی اللہ عنہم کے جملہ اقوال و افعال ہمارے لئے لاریب موجب ہدایت اور ان پر عمل کرنا باعث سعادت و موجب صلاح و فلاح دارین ہے اب ہی اس حدیث پر محدثانہ بحث اسے ہم بر سبیل اختصار محدث عزیز و جلیل و پیشوائے جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ کے الفاظ میں ناظرین اوراق ہذا کی خدمات میں امیر معاویہ کے خاص تعلق سے پیش کر کے اس بحث کو ختم کئے دیتے ہیں ملاحظہ ہو

"میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے اور گمراہ نہوگے۔ یہ حدیث وضعی اور منکر ہے بلکہ بعضوں نے اس کو موضوعات میں شریک کیا ہے اور اس کا مطلب بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے اس کے موضوع ہونے کی کیونکہ بعض صحابہ نے ایسے بُرے کام کیے ہیں جو شرعاً و عقلاً ہر طرح مذموم ہیں۔ مثلاً معاویہ کا بغاوت کرنا۔ امام برحق (جناب امیرؑ) سے لڑنا۔ ناحق خون کرنا زیاد کو زبردستی اپنا بھائی بنا لینا، عمرو بن عاص کا محمد بن ابی بکرؓ کو مردہ گدھے کی کھال میں ڈلوا کر جلا دینا۔ مغیرہ بن شعبہ کا یزید کی خلافت جمانا تو ہر صحابی کی پیروی کیونکر ہدایت ہوسکتی ہے (انوار اللغۃ صفحہ ۱۴۱) دوسرے مقام پر محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں:۔ "لطف یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں بعضے بے وقوف کم علم یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے صحابی ہونے کے بعد پھر کیسے ہی کام کریں وہ واجب التعظیم ہیں۔ حالاں کہ یہ بڑا شیطانی مغالطہ ہے خود آنحضرت نے فرمادیا کہ میرے بعض صحابہ مجھ کو مرنے کے بعد پھر نہ دیکھیں گے اور حوض کوثر سے نکال دے جائیں گے۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے آنحضرت کی وفات کے بعد بیٹھ سے نئے نئے گن نکالے آپ کے اہلبیتؑ کو ستایا مسلمانوں کو ناحق قتل کیا دنیا کی طمع میں دین کی کچھ پرواہ نہ کی ان لوگوں کی سمجھ پر ہزار نفرین ہے (انوار اللغۃ صفحہ ۵۶) اس سے کچھ قبل حضرت محدث طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں: جیسے اس وقت شاہان روم و ایران ہیں اسی طرح معاویہ بھی ایک بادشاہ تھے جو زور اور زبردستی سے حاکم بن گئے تھے.... جو شخص بلا صلاح و مشورہ دھینگا مشتی سے حاکم بن جائے اور اس کے حاکم بن جانے کے بعد لوگ ڈر کے مارے اس سے بیعت کرلیں تو ایسی خلافت

ہرگز صحیح نہیں اور یزید پلید اسی قسم سے حاکم بن گیا تھا اس لئے ہمارے شاہزادے امام حسینؓ نے اس کی اطاعت منظور نہیں کی اور اپنے جدّ امجد کے دین کی حفاظت کے لئے اس سے لڑے اور شہید ہوئے یزید کا منھ دنیا اور آخرت دونوں میں کالا ہوا۔ اسی طرح اس کے طرفداروں کا منھ بھی کالا ہوا (ختم)

الغرض ان باپ بیٹوں (معاویہ ویزید) کے امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین برحق ہونے کی منقبت عظمیٰ کی حقیقت حضرت محدث عزیز وجلیل موصوف الصدر طاب ثراہ نے صرف چند ہی جملوں میں جامع طور بیان فرمادی ہے جس سے اُن کی ہبینہ خلافت راشدہ کی حقیقت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے۔ امیر معاویہ کی اِس کاٹ کھانے والی حکومت کی تمامی محدثین کرام وعلمائے عظام حقیقت اصلیہ ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں یہ کوئی راز سربستہ نہیں ہے۔

اب رہا امیر معاویہ کا اجلّہ صحابہ میں شمار ہونا آج تک بھی کسی مخالف یا موالف نے ان کو اجلّہ صحابہ میں سے شمار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان کو طلقا ہی میں شمار کیا گیا اجلہ صحابہ کی جماعت کا تو کیا ذکر ہے۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات جناب مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:- وایں طرف امیر معاویہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بہ نسبت ترک افضل واولیٰ ہم درچنیں امور معذرت نمائیم (قاسم العلوم نمبر ۴ صفحہ ۱۳ منقول از مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صفحہ ۲۷۰)

ابھی ایک امر بحث طلب اور بھی باقی ہے کہ خود رسول مقبول نے امیر معاویہ کو خلافت وحکومت کی بشارت دی تھی۔ اس ہبینہ بشارت کے متعلق ہم عارف باللہ

مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی ازالۃ الخفا سے عبارت نقل کرتے ہیں جو پہلے بھی نقل ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے :- ابن عساکر نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ معاویہ سے نبی نے فرمایا کہ خدا تم کو اس امت کا والی کریگا۔ دیکھو تم کیا کرتے ہو۔ ام حبیبہؓ نے کہا کیا میرے بھائی کو یہ بات حاصل ہو گی تو حضورؐ نے جواب دیا کہ ہاں حاصل ہو گی مگر اس میں برائی ہے اور برائی ہے اور برائی ہے۔ (ازالۃ الخفا حصہ آخر بہ ذیل کرامت سیدنا علی)

کیا یہ وہی بشارت حکومت کی ہے جو امیر معاویہ کو رسول مقبولؐ نے دی تھی کن الفاظ میں اس بشارت عظمیٰ کی تعریف کی جائے کہ خود رسول مقبولؐ نے ایک بار نہیں دو بار نہیں بلکہ تین بار بہ نہایت تاکید سے اس کی قباحت کو واضح فرما دیا تھا اگر اسی کا نام بشارت ہے اور اس اشد شدید بُرائی کا نام خوشخبری رکھ لیا گیا ہے تو نہ معلوم بدخبری کے لئے اور کونسا لفظ بولا جائے گا۔ جناب والا جس حکومت کی بُرائی اور قباحت کو حضورؐ نے ایک ہی سانس میں تین بار واضح فرمایا ہو اور اس کی برائی کو تاکید بالائے تاکید سے موکّد فرمایا ہو اور اسے کوئی شخص بشارت حکومت بلکہ بشارت خلافتِ راشدہ سمجھتا ہو تو اس کی عقل کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے بجز اس کے کہ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اس حکومتِ جائرہ کے متعلق رسول تو فرمائے جائیں کہ بُرائی ہے اور بُرائی ہے اور برائی ہے اور آپ فرمائے جائیے کہ یہ خلافتِ راشدہ کی بشارت ہے اور بشارت ہے اور بشارت ہے۔

فضیلت نسب اور آیہ تطہیر وغیرہ کی بحث

قال المخاطب (خلاصۂ کلام طویل) اسلام میں من حیث النسب ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہی اور بلحاظ مساوات اسلامی امتی ہونے کی حثیت میں تمام افراد ملت کے حقوق یکساں ہیں (۲) البتہ اس میں ایک ہی استثنا ازواج مطہرات رسول مقبول کا ہے جس طرح تمام امت کے روحانی باپ رسول ہیں اسی طرح تمام امت کی مائیں یہ ازواج مطہرات ہیں (۳) ازواج نبی ہی کی تطہیر کے لئے آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے۔ سوائے ازواج کے اور کوئی فرد اس آیت میں مخاطب نہیں اور نہ ہو سکتا ہے (۴) النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلعم اور آپ کی ازواج مطہرات کا مرتبہ سب سے بالا ہی الخ۔

الجواب:- پہلا بیان اس حصۂ بحث میں یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے نسب کی فضیلت کوئی چیز نہیں ہی اور بتقاضائے مساوات اسلامی ہر امتی کے حقوق یکساں ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اپنی اس مختصر کتاب میں اس طویل مبحث کے لئے کسی طرح گنجائش نکالیں۔ اگر زیادہ اختصار سے کام لیا جاتا ہے تو مطالب تشنہ رہے جاتے ہیں اور اگر قلم رواں رکھا جائے تو طویل کلام سے مفر ملنا ممکن نہیں۔ بہرحال ہم اختصار ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا نظریہ جواب میں پیش کرنے کے لئے مجبور ہیں۔

جواباً نگارش ہے کہ فضیلت نسب کا اعتبار اسلام نے یقیناً کیا ہے۔ البتہ یہ امر اسلام میں تسلیم شدہ ہے کہ یہ فضیلت بدون عقیدہ و عمل مثمر نتائج عالیہ نہیں

نہیں ہوسکتی چونکہ ہمارے مخاطب نے فضیلت نسب کی بحث کو مساوات اسلامی کی بحث سے مخلوط کردیا ہے، ہم بھی جوابی تقریر میں دونوں مسائل کی بحث یک جائی لکھتے ہیں

فضیلت نسب کی بحث کے آغاز میں اس امر کی وضاحت ازبس ضروری ہے کہ فضائل دو قسم کے ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ مکسوبہ اور غیر مکسوبہ یا بالفاظ دیگر اختیاری اور غیر اختیاری۔ ایک ہی ماں کے بطن سے ایک بچہ بینا پیدا ہوتا ہے اور دوسرا نابینا۔ ظاہر ہے کہ بینا افضل ہے نابینا سے اور اسے یہ فضیلت غیر اختیاری طور پر اپنے بھائی پر حاصل ہوئی۔ اور افضل کے ذاتی کسب کو اس میں کوئی دخل نہیں بخلاف اس کے ایک بھائی نے محض منشی کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی اور دوسرے بھائی نے نہ صرف منشی بلکہ منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات میں بھی کامیابی حاصل کرکے اپنے بھائی پر فضیلت حاصل کرلی تو یہ فضیلت مکسوبہ اور اختیاری سمجھی جائے گی۔ اسلام نے ان دونوں قسم کی فضیلتوں کو تسلیم کیا ہے جو بلحاظ دین فطرت ہونے کے عین اصول فطرت کے مطابق ہے اسی طرح اسلام نے تفاضل اصناف کو بھی تسلیم کیا ہے خود کلام الٰہی میں منطوق

ہے کہ صنف رجال صنف نساء سے افضل مخلوق کی گئی ہے۔ اس خداداد فضیلت غیر اختیاری سے کوئی کس طرح انکار کرسکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو الرّجال قوامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بہ بعضہم علیٰ بعض الخ۔ یعنی مرد عورتوں پر قوام (حاکم) ہیں بباعث اس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے (ختم) اسی طرح جماعت انبیا علیہم السلام میں بھی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا کلام الٰہی سے بخوبی ثابت ہے کہ: "ولقد فضلنا بعض النبیین علیٰ بعض" نیز "تلک الرسل فضّلنا بعضہم علیٰ بعض اسی طرح اقوام و امم کو بھی جناب باری تعالیٰ نے ایک دوسرے سے افضل مخلوق فرمایا ہے۔

"ورفعنا بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اٰتٰکم"
دوسرے مقام پر فرمایا ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وال ابراھیم و
اٰل عمران ذریۃ بعضھا من بعض الآیۃ اور اسی طرح ایک مقام پر بنی اسرائیل
کی فضیلت کا خاص طور پر قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ الغرض یہ اس قسم کے فضائل
ہیں جن میں انسان کے کسی حسن تدبیر یا زوریا زد کو مطلقاً کوئی دخل نہیں ہے انہیں
مخصوص فضائل غیر اختیاریہ میں سے ایک فضیلت نسب بھی ہے، اس قسم کے فضائل غیر
اختیاری کی حد تک خداوند عالم نے بصراحت حکم دیا ہے کہ جن اشخاص کو قدرت نے ان
فضائل غیر اختیاری سے محروم فرما دیا ہے وہ اس کے حصول کے درپے ہرگز نہوں کہ
ان کا حصول از قبیل ممتنعات ہے ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:۔ "لا تتمنوا
ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض" الغرض خداوند عالم کا کوئی فیصلہ
یا کوئی عمل حکمت سے ہرگز خالی نہیں ہو سکتا خواہ اس کے فہم وادراک سے ہمارے
اذہان وعقول قاصر ہی کیوں نہ ہوں۔

اب ہم خالص اسلامی نقطۂ نظر سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ انساب میں ایک کی فضیلت
دوسرے پر شریعت اسلامیہ نے تسلیم کی ہے۔ قانون فطرت یہ ہے کہ جب کبھی دو یا زیادہ
ہم جنس افراد یک جا ہوں گے مفاضلہ کی صورت مختلف حیثیتوں میں لازمی طریقے سے
درپیش ہو جائے گی۔ ایک ہی ہاتھ کی پنج انگشت میں یکسانیت نہونے کے باعث تفضیل
کی شکل قائم ہے۔ یہی حالت انساب کی بھی ہے چنانچہ خود جناب رسالت مآب نے اپنے ارشادات
عالیہ میں اس کی تصدیق جا بجا فرما دی ہے از انجملہ ہم صحیحین شریفین میں سے ایک حدیث صحیح
مسلم شریف کی کتاب الفضائل باب فضل نسب نبیؐ اور ہم مضمون حدیث صحیح ترمذی شریف

سے پیش کرتے ہیں جس کے راوی حضرت واثلہ بن اسقع رضہ ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:۔ اِنَّ اللہ اصطفیٰ کنانہ من ولد اسمٰعیل واصطفیٰ قریشا من کنانہ واصطفٰی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (ختم) یعنی اولاد اسمٰعیلؑ میں سے اللہ تعالےٰ نے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو بزرگی بخشی اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ کیا (ختم) اس ارشاد نبوی سے یہ امر واضح ہوگیا کہ نسب کی ایک ہی اصل کی مختلف فروع میں نسب کا اعتبار کرتے ہوئے افضل اور مفضول موجود ہیں کیا یہ قطعی ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ نسبی فضیلت کے وجود کو شارع علیہ السلام تسلیم فرما رہے ہیں اور اس غیر اختیاری اور غیر مکسوبہ فضیلت کا اعتراف و اعلان خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا کے سامنے برسبیل ہدایت کر رہے ہیں۔ اب ہم اس ثابت شدہ ارشاد نبوی پر بجز آمنا و صدقنا کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ نسب کی فضیلت درحقیقت ایسی ہی ہو کہ جسے چاہے خدا دے اور جسے چاہے نہ دے اور بفحوائے ارشاد باری تعالےٰ مندرجہ بالا جو لوگ اس فضیلت سے محروم ہیں ان کو ہرگز اس کی تمنا نہ کرنی چاہیئے دیگر ہم مضمون احادیث اس مضمون کی تائید میں اور بھی موجود ہیں مگر ہم بخیال اطالت یہاں بیان نہیں کرتے

فضیلت نسب کے لئے طہارت نسب و طیب ولادت بھی ایک خاص شرط ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت کے سلسلہ نسب میں جس طرح یہ شرط بدرجہ کمال پائی گئی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ از آدم تا محمدؐ و از محمدؐ تا بہ آخر سلسلۃ الذہب آئمہ اطہار علیہم السلام کسی ایک مقام پر بھی اس سلسلے میں ازدواج جاہلیت کا وجود نہیں پایا جاتا۔ رسول مقبولؐ نے اپنی زبان صدق ترجمان سے متعدد مقامات پر اپنے

نسب طاہر کی وضاحت فرمائی ہو کہ از آدم تا اینذم میری سب جدات منکوحہ رہی ہیں اور سفاح وغیرہ کی آلائش سے تمامی اصلاب وارحام پاک صاف رہے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے لیس فی آبائی من لدن آدم بسفاح کلنا بنکاح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ولد اخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدی ابی وامی اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا وما ولد نی فی من سفاح الجاهلیة شئ وما ولد نی الا بنکاح کنکاح الاسلام" مطلب یہ ہے کہ از آدم تا این دم میرے تمام آباء و اجداد نکاح کی پیدا وار ہیں ان میں سے کوئی بھی جاہلیت کے زمانہ کی مروجہ سفاح وغیرہ کی پیدا وار نہیں ہو اسی طرح ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے" فقام النبی صلعم علے المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله فقال انا محمد ابن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثمّ جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا فانا خیرهم نفسًا و خیرهم بیتا (ختم) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال کیا کہ میں کون ہوں تو حاضرین نے جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ میں محمد بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے جب اپنی مخلوق کو خلق کیا تو مجھے بہتر حصہ مخلوق میں رکھا پھر ان کے دو فرقے کئے تو مجھے بہتر فرقہ میں رکھا پھر قبائل میں ان کو تقسیم کیا تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا پھر ان کو گھرانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہتر گھرانے میں رکھا ہیں میں بذات خود بھی ان سے بہتر ہوں اور باعتبار گھرانے کے بھی ان سے بہتر ہوں۔

الغرض ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے جو ابھی نقل ہوئیں اور بعض دیگر آیات واحادیث سے بھی بخوبی واضح ہے کہ شرف نسب کا اعتبار شریعت اسلامیہ نے یقیناً کیا ہے اگر ایسا نہوتا تو خود جناب رسول خداصؐ اپنے فضائل میں اسے کیوں شمار فرماتے اور معاملات نسب کی اس قدر تشریح وتوضیح کیوں کی جاتی۔

اب رہا یہ امر کہ کیا محض شرف نسب کے باعث محض ادعائے اسلام کر لینے سے کوئی شخص مومن کامل کہا جا سکتا ہے یا محض شرف نسب کے باعث بلا لحاظ عقائد وعمل نجات اُخروی کی امید کی جا سکتی ہے اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ عقائد واعمال ونیت کی صحت مومن کامل بننے اور نجاتِ اُخروی کے لئے ضروری بلکہ سب سے پہلی شرط ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے خواہ وہ کسی قوم اور قبیلے کے ہوں مساوی حیثیت میں حاوی ہے مکافات عمل میں کوئی مستثنیٰ اشکل نہیں بیان کی جا سکتی وکل امرئٍ بِمَا کسب رھین اور ہمارے نزدیک عقائد واعمال کی حد تک یہ سب سے زیادہ نمایاں شکل مساواتِ اسلام کی ہے کہ اس میں کوئی استثنیٰ ہی نہیں بیان کیا جا سکتا اور یہ تاکید مزید اس لئے بھی فرمائی گئی کہ کہیں اعلیٰ نسب والے محض اپنے نسب کی فضیلت پر ہی تکیہ نہ کر لیں اور اعمال سے بالکل ہی غافل ہو جائیں اور تاکید مزید برمزید تاکید اس توضیح میں فرما دی گئی کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم یعنی بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہے یہ ہے مساوات اسلامی عقائد واعمال کی حد تک۔

الغرض اس امر کی تشریح ہو جانے کے بعد کہ فضیلت نسب کا اعتبار شریعت نے یقیناً کیا ہے اور بدون عقیدہ صحیح وعمل صالح کوئی شخص بھی مومنِ کامل نہیں بن سکتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فضیلت نسب سے کوئی نفع یا رعایت

نتائج اخروی کی حد تک بھی از روئے شریعت متوقع ہو سکتی ہی یا نہیں اس کا جواب
از روئے شرع اثبات میں ہے اور یہ بھی فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے کہ
افضل نسب کے افراد کا الحاق ان کے مطبوع و مقبول مورثین کاملین سے
کر دینے کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور اسی بنار پر ہمارے علمائے
راسخین و عرفائے کاملین نے بنی فاطمہ اور دیگر اعلےٰ انساب والوں کے لئے تسلیم
کر لیا ہے کہ ان کا الحاق باوجود اعمال صالحہ کی کمی کے ان کے مورثین یعنی ان کے
آبائے صالحین مقبولین سے کر دیا جائیگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین اٰمنو
واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بہم ذریتہم وما التنٰھم
بشئ من عملھم الخ (سورۂ طور) آیہ شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ
ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان میں ان کا اتباع کیا الحاق کر دیا۔ ہم نے
ان کی ذریت کا ان کے ساتھ اور ان (مورثین) کے اعمال میں سے ہم نے کچھ کم نہیں
کیا (ختم) جناب باری تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ باوجود اعمال صالحہ کی
کمی کے ہم ذریت کا الحاق اُن کے آبائے صالحین مقبولین سے کر دینگے اور ان مورثین
مقبولین کے اعمال سے ہم کچھ بھی کم نہ کرینگے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ حضرت سلمان فارسی
مومنِ کامل بن گئے اللہ تعالےٰ بیان فرماتا ہے کہ اگرچہ سلمان کی ذریت من حیث العمل
سلمان سے کم بھی ہو مگر ہم اس کی ذریت کا الحاق خود سلمان ہی کے ساتھ کر دینگے
بشرطیکہ ایمان میں سلمان کی ذریت نے سلمان کا اتباع کیا ہو۔ الغرض یہ رعایت
انساب والوں کے لئے محض اکرام و افضال باری تعالیٰ ہے اور جیسا کہ بھی بیان ہوا
یہ فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے۔ اسی فضیلت غیر اختیاری کا بیان کرتے ہوئے عارف

کامل حضرت علامہ جلال الدین السمہودی علیہ الرحمہ اپنی مشہور و معروف تصنیف منیف جواہر العقدین میں بنی فاطمہ کے مدارج عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماگئے ہیں :- فان کان فی ذریۃ مطلق المومن فماذالک بذریتہ صلی اللہ علیہ وسلم (ختم) یعنی جب یہ مرتبہ مطلق مومن کی ذریت کو ملے گا تو کیا کہنا ہے ذریت رسولؐ کا الغرض اسی طرح دیگر مفسرین و محدثین امت نے اس آیۂ شریفہ کی توضیح فرماتے ہوئے بنی فاطمہ کے اعلیٰ مدارج دینی کو بوضاحت تمام تسلیم فرمایا ہے اور یہ مسئلہ عقائد اہلسنت میں عام طور پر تسلیم شدہ ہے۔

جناب حکیم الامت محی السنہ مجدد الملت شیخنا و مولینا شاہ اشرف علی چشتی صابری تھانوی علیہ الرحمہ جن کا شمار صدی چہاردہم ہجری کے اکابر علما و صلحا و مصنفین میں ہے اس آیہ شریفہ زیر بحث کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں :- " خلاصہ یہ کہ انتساب مومنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور نسب اس معنی کے اعتبار سے نافع ہے نہ کہ شرافت بالمعنی عرفی کے اعتبار سے ۔ ۔ ۔ ۔ رہا دنیا میں تفاوت انساب اپنے آثار کے اعتبار سے بلاشبہ متضمن مصالح کثیرہ مشاہدہ کثیرہ ہے لیکن اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے وفیہ سورۃ الطور آیتہ ۔ والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم الخ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے بھی ایمان میں اس کا ساتھ دیا یعنی وہ بھی ایمان لائے اور گو اعمال میں اپنے آبا کے رتبے کو نہیں پہنچے جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے و نیز احادیث میں مصرح ہے کہ کانوا دون فی العمل و لم یبلغوا درجات عملک و کانت منازل آباءھم ادفع ردھا فی الدر المنثور تو گو مقتضا ان کے انحطاط عمل کا انحطاط درجہ تھا لیکن

ان آبائے مومنین کے اکرام و سرور کے لئے ہم ان کی اولاد کو بھی درجہ میں ان کے ساتھ شامل کر دینگے اور اس شامل کرنے کیلئے ہم ان اہل جنت مطبوعین کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کرینگے یعنی یہ نہ کرینگے کہ ان مطبوعین کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر دونوں کو برابر کر دیں جیسے مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کا برابر کر دینا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو والے سے سو روپے لے کر چار سو والے کو دے دیے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے اور دوسری صورت جو کریموں کی شان کے لائق ہے یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ بھی نہ لیا جائے بلکہ اس چار سو والے کو دو سو روپے اپنے پاس سے لے کر دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی کہ اس کا اثر یہ ہوتا کہ مطبوع کو بوجہ کم ہو جانے اعمال کے اعلیٰ کے درجے سے کچھ نیچے لاتے اور تابع کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجے میں رہتے۔ یہ نہ ہوگا بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی اور مطبوع اپنے درجۂ عالیہ میں بدستور رہے گا اور تابع کو وہاں پہنچا دیا جائے گا (انتہی بلفظہ علیہ الرحمہ منقول از وصل السبب فی فصل النسب از افادات حضرت حکیم الامت مذکور رح یعنی تقریظ بر کتاب نہایات الارب فی غایات النسب مصنفہ جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند صفحہ ۲۹ مطبوعہ کمپنی جوب برقی پریس دہلی)

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ نے جس خوبی سے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر و تشریح فرما کر نسبی فضیلت کا تعلق اسلامی نقطۂ نظر سے بہ تعلق آخرت مثال دے کر واضح فرما دیا ہے اب اس سے بہتر تشریح و توضیح اور کون کر سکے گا۔ کوئی شک نہیں کہ

نسبی فضیلت کا تعلق معاملات اُخروی سے اہل اسلام میں عموماً اور اہلسنت میں خصوصاً تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے مگر بعض بداندیش نواصب محض اس اندیشے سے کہ کہیں بنی فاطمہ کی نسبی فضیلت کا کوئی تصور نہ پیدا ہو جائے بعض اوقات ان فضائل غیر اختیاریہ کے وجود ہی سے منکر ہو جاتے ہیں یہیں اگر طول کلام کا خیال نہ ہوتا تو صدہا علما و صلحا کے بیانات و تشریحات یہاں اپنے نظریے کی تائید میں پیش کر دیتے۔

عبارت منقولہ بالا سے چند سطور کے بعد حضرت حکیم الامت رح نے بطور تفریع چند نتائج درج فرمائے ہیں جن کو یہاں درج کر دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں جو فی الحقیقۃ فضیلت نسب کی بحث میں اہل سنت (بلکہ غالباً کل اہل اسلام) کی حد تک صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عبارت حضرت حکیم الامت کی:- تفریع۔ ان آیات سے یہ امور مستفاد ہوئے ۱ انتساب بالمقبولین آخرت میں غیر مومن کے لئے نافع نہیں اور مومنین کے لئے نافع ہے...... البتہ ان میں جن قبائل کے فضائل دینیہ بھی مخصوص وارد ہیں ان کی طرف انتساب اور زیادہ نافع ہوگا تو شرف نسب عرفی کے بعض افراد بھی خاص قیود کے ساتھ آخرت میں نافع ہوں گے پس مطلقاً ایک نعمت ہوئی اور قبائل اہل فضائل انتساب سے جو شرف نسب ہو وہ اور زیادہ نعمت ہوئی اور نعمت پر شکر واجب ہے پس اس پر بھی شکر واجب ہوا ۲ تفاخر بالانساب حرام ہے جیسا دوسری نعمتوں پر بھی حرام ہے ۳ قوموں اور خاندانوں کے تفاوت میں مصالح کثیرہ ہیں تکوینیہ بھی اور تشریعیہ بھی ۴ ہر چند کہ اصل شرف تقوی ہے مگر فخر اس پر بھی حرام ہے پس جس طرح تقوی پر تفاخر کی حرمت سے تقوی کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہو گئی اس طرح خاص انساب پر تفاخر کی حرمت سے ان انساب کے موجب شرف

ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی اسی طرح خاص انساب پر تفاخر کی حرمت سے ان انساب کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی (صفحہ ۱۳ کتاب مذکورۂ بالا)

حضرت حکیم الامت رح کے ارشادات عالیہ نقل ہونے کے بعد ہم اس ضمنی بحث میں باغراض کتاب ہذا یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ دیگر آیات قرآنی مثلاً مودّۃ القربیٰ وغیرہ اور متعدد احادیث نبوی سے جو فضیلت بنی فاطمہ وغیرہ کے لئے موجود ہیں اس بحث کو مزید طول دیں جن حضرات کو اس بحث میں زیادہ دلچسپی ہو وہ کتاب مذکورۂ بالا اور الشرف المؤبد لآل محمد و صواعق محرقہ و ینابیع المودۃ وغیرہ مشہور کتب اہلسنت کا مطالعہ فرمائیں جن میں یہ بحث بہت تفصیل سے ملے گی ہم نے تو یہاں ضمناً ہی بہت مختصر طور پر لکھ دی ہے اور اب ہم اس بحث کا ماحصل مختصر طور پر جناب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند جناب مولانا محمد شفیع صاحب مذکور کے الفاظ میں یہاں نقل کر کے فضیلت نسب کی حد تک بحث کو ختم کرتے ہیں جناب مفتی صاحب ممدوح الشان اس کتاب میں حدیث نبوی ان الانساب کلھا تنقطع یوم القیامۃ غیر نسبی و سببی و صھری نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :- حضرت سمہودی علیہ الرحمہ حدیث مذکور کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ان کی جزو بدن ہے اور وہ آنحضرت کی جزو بدن ہیں تو تمام بنی فاطمہ آنحضرت کے اجزائے بدن ہو گئے اور یہ ان کے لئے انتہائی درجہ کی شرافت اور فضیلت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سادات بنی فاطمہ کی فضیلت و شرافت محض دنیوی اعتبار سے نہیں بلکہ اخروی منازل و منافع کے اعتبار سے بھی ان کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے اور قیامت میں ان کے لئے اس نسب شریف

کا نغع عظیم متوقع ہے (انتہی بلفظہ - نہایت الارب فی غایات النسب مذکورۂ بالا صفحہ ۱۲)

اب ہم اس مقالے کے دوسرے حصّے پر مختصراً بجواب مخاطب اپنے معروضات پیش کرتے ہیں مخاطب عالی مقام تحریر فرماتے ہیں :- (خلاصۂ کلام) جس طرح تمام امت کے روحانی باپ آنحضرت ہیں ایسے ہی تمام امت کی روحانی مائیں آپ کی ازواج مطہرات ہیں اور خاص ازواج مطہرات کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے کوئی دوسری ہستی اس آیت میں مخاطب نہیں ہے اور یہ عقیدہ روافض کا ہی کہ ازواج مطہرات کی شان میں آیۂ تطہیر نازل نہیں ہوئی - صحیح بات یہی ہی کہ آیۂ تطہیر میں سوائے ازواج نبی صلعم کے اور کوئی فرد مخاطب ہی نہیں ہی اور نہ ہو سکتا ہے نیز بفحوائے مضمون آیہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم " رسول مقبول اور آپ کی ازواج کا مرتبہ سب سے بالا ہے الخ -

جواباً نگارش ہے کہ بے شک بمصداق وازواجہ امہاتہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی مسلمانوں کے عقیدے میں وہی منزلت وحرمت ہے جو امہات کی ہونی چاہیئے - جس میں سب سے زیادہ نمایاں پہلو ان سب کی حرمت کا یہ ہے کہ بخلاف عامۂ مسلمات ان کا نکاح کسی غیر سے بحکم خداوندی قطعاً حرام کر دیا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ افراد پر اپنی خاص امہات سے حرام قرار دیا گیا ہے ان کی اس خصوصی عزت وحرمت سے اہلسنت بلکہ دیگر مسلمین کو بھی انکار نہیں ہی، ان کے مدارج فضل اہلسنت میں اپنی جگہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی تمام امت کا اجماعی عقیدہ یہ بھی ہی کہ ازواج مطہرات خود آنحضرت صلعم یا دیگر انبیا کی طرح معصوم نہیں ہیں اور اس لحاظ سے یہ بیان صحیح نہیں ہو سکتا کہ رسول مقبول کی طرح ازواج رسول بھی تمام امت سے افضل ہیں -

ازواج نبی سے مسلمانوں کا تعظیمی رشتہ امہات کا ضرور موجود ہے اور اس تعظیمی رشتہ کے اعتبار سے تو وہ خود اپنے باپوں کی بھی مائیں تسلیم کی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے آبا بھی تو افراد امت میں داخل ہیں، اس لحاظ سے آیہ مبارکہ میں ازواج نبی کو بلحاظ عدم معصومیت نبی ؐ کے مساوی یا قریب قریب مساوی درجہ میں بھی شمار کرنا اور ازواج نبی کو دیگر افاضل موجودین کے ہوتے ہوئے جملہ سابقون الاولون پر فضیلت دینا اہلسنت کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہو سکتا بلکہ کسی نقطۂ نظر سے بھی درست نہیں ہو سکتا۔

ازواجہ امہاتہم کی توضیح کرتے ہوئے سند المحققین علامہ محقق دہلوی رح مولانا شاہ عبدالحق صاحب رح تحریر فرماتے ہیں:- ازواج آنحضرت ؐ مادران مومنان اند در حرمت نکاح بعد از وے از جہت کرامت وخصوصیت آنحضرت ؐ و از جہت آں کہ ایشاں ازواج اوئید در آخرت (مدارج النبوت صفحہ ۱ ۶۸)پس معلوم ہوا کہ یہ تعظیمی رشتہ خاص طور پر اس غرض سے بیان میں آیا ہے کہ آنحضرت ؐ کی خصوصی کرامت وجلالت قدر کے باعث ازواج نبی رضی اللہ عنہن کے ساتھ نکاح غیر کی حرمت موبدہ بیان کردی گئی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ ہر شخص کی حقیقی ماں اس کے لئے باغراض مناکحت دائمی طور پر حرام سمجھی جاتی ہے، اس میں کیا شک ہے کہ اہلسنت کے نقطۂ نظر سے زوجیت نبی ایک مخصوص منقبت ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جمیع موجودین امت وافاضل اصحاب سابقون الاولون پر بھی ان ازواج کو اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح خود نبی کو تمامی موجودات پر حاصل ہے۔ بعقیدہ اہلسنت بلکہ بعقیدۂ جملہ اہل اسلام درست نہیں ہے، امت کے لئے امومت ازواج نبی کا تعظیمی رشتہ بلحاظ حرمت موبدہ نکاح غیر ہی ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے امت کا اجماع اسی پر ہے۔

خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح تحریر فرماتے ہیں:- "علو ئے درجہ

بہشت گاہے بہ تبعیت می باشند مثل اعلائے درجہ اولاد صغار آنحضرت بہ تبعیت آنحضرت صلعم وایں اعلائے درجہ دلالت بر افضلیت تفضیل جزی نمی کند والا ازواج مطہرات آنحضرت کہ بہ تبعیت آنحضرت صلعم در درجہ آنحضرت خواہند بود افضل باشند از جمیع انبیاء و کبرائے صحابہ وھو خلاف الاجماع (فتاوی عزیزی صفحہ ۹۶/۲) جناب خاتم المحدثین کی اس توضیح سے کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ازواج نبی کو نہ انبیاء پر کوئی فضیلت ہو سکتی ہے اور نہ کبرائے صحابہ پر ہی فضیلت دی جا سکتی ہے بس ہمارے مخاطب کا یہ فرمانا کہ رسول صلعم کے ساتھ ہی ساتھ ازواج نبی کا رتبہ سب سے بالا ہے عقیدہ اہلسنت کے خلاف ہے اور بقول خاتم المحدثین ھو خلاف الاجماع - اس بحث کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں اور دیگر اساطین اہل سنت کے بیانات طول کلام سے بچنے کی غرض سے یہاں نقل نہیں کرتے ہیں۔

دوسری بحث اس مقالے میں یہ ہے کہ بقول مخاطب عالی مقام آیہ تطہیر میں سوائے ازواج نبی کے اور کوئی فرد مخاطب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف جو عقیدہ قائم کر لیا گیا ہے وہ روافض کا عقیدہ ہے اور اپنے ان بیانات کی تائید میں آیہ تطہیر کے سیاق وسباق سے استدلال کرتے ہوئے دلائل پیش کئے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ یہ بحث اس قدر پامال ہو چکی ہے کہ اب اس پر کوئی مزید بحث لکھنا ایک فعل عبث معلوم ہوتا ہے ہزارہا کتب کلامیہ میں یہ بحث درج ہوتی چلی آرہی ہے اور تمام وہی منقولی اور معقولی دلائل نقل ہوتے چلے آرہے ہیں جن کے جوابات اور کئی کئی جوابوں کے بعد بھی فریقین کے جوابات قلمبند ہو چکے ہیں انہیں متعارف دلائل میں سے جناب مخاطب نے بھی اپنے اس مقالے میں کام لیا ہے۔ ہم کوئی خاص ضرورت

ان متعارف سوالات وجوابات کی تکرار کی یہاں نہیں محسوس کرتے البتہ چند اصولی باتیں ہم یہاں جواباً لکھنے پر مجبور ہیں جن کو مختصر طور پر یہاں لکھے دیتے ہیں۔

آیۂ تطہیر زیر بحث کے الفاظ یہ ہیں:- انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالےٰ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے پلیدی کو دور کردے اور تم کو ایسا پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں سے ایک گروہ یعنی جماعت امامیہ کے مختلف طبقات اور فرقوں کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ اس آیہ شریفہ میں جن افراد کی طہارت کا ذکر ہے وہ افراد طاہرین معصومین علیہم السلام ہیں دوسرے بڑے گروہ بلکہ سب سے بڑے گروہ مسلمین یعنی اہل سنت میں افراد مذکورین فی الآیہ کے تعین میں بربنائے اجتہادات علمائے مجتہدین باہمی اختلاف چلا آرہا ہے الغرض اہل سنت میں جہاں بعض دیگر مسائل اجتہادی مثلاً ایمان حضرت ابی طالب یا مثلاً تفضیل مرتضوی وغیرہ میں ہمیشہ سے باہمی اختلافات چلے آرہے ہیں از انجملہ ایک مسئلہ آیہ تطہیر کے مذکورین کے تعین کا بھی ہے۔ اہلسنت کے مجتہدین کی اکثریت نے عقیدہ امامیہ سے اتفاق کرتے ہوئے علیؑ و فاطمہؑ و ابناہما علیہم السلام کو مذکورین فی الآیت ظاہر کیا ہے اور ازواج نبیؐ کا شمول مخاطبین آیہ تطہیر میں تسلیم نہیں کیا۔ بعض مجتہدین اہل سنت نے اس کے خلاف ازواج نبی کو بھی مخاطبین آیہ میں داخل بیان کیا ہے۔ ان مجتہدین کرام اہلسنت نے اپنے اپنے مختارات کی تائید میں منقولی اور معقولی دلائل سے چند در چند قرائن کی موجودگی میں مناظرانہ کلام کئے ہیں بلکہ اس اختلافی بحث میں فریقین نے مستقل طور پر کتابیں لکھ دی ہیں ہمارے

اس مختصر مقالے میں یہ تفصیلی بحث نہیں سما سکتی البتہ چند توضیحی اشارات ہی ہم یہاں کئے دیتے ہیں جن سے معلوم ہو سکیگا کہ اھلبیت کی اصطلاح کس کس محل پر مستعمل ہے۔ اور کون کون افراد داخل اہل بیت نبی سمجھے جاتے اور سمجھے جاسکتے ہیں اور مخصوص آیہ تطہیر میں وہ کون کون افراد اہل بیت ہیں جن سے جناب باری تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے۔ علمائے کرام اہلسنت نے جا بجا ان امور کی تصریح فرمادی ہے از انجملہ جناب سند المحدثین در اس المحققین علامہ شاہ عبد الحق دہلوی رح نے بھی ان مقامات کی تشریح و توضیح مختصر مگر جامع طور پر فرمائی ہے اور یہاں ہم جناب ممدوح الشان کے افادات عالیہ سے ناظرین کو روشناس کراتے ہیں جناب سند المحدثین مذکور تحریر فرماتے ہیں :۔ "در تفسیر اہل بیت اقوال و اطلاقات است (۱) گاہے گفتہ کسانیکہ حرام است بر ایشان صدقہ آید واں آل علی وآل جعفر وآل عقیل وآل عباس اند رضی اللہ عنہم اجمعین (۲) وگاہے بمعنے شامل اولاد آنحضرت و ازواج مطہرہ افتد (۳) وگاہے مخصوص آید بفاطمہ وحسن وحسین وعلی سلام اللہ علیہم اجمعین جہت زیادت فضل ایشاں (مدارج النبوۃ صفحہ ۳۰۹) یعنی اہل بیت کی تفسیر میں اقوال و اطلاقات ہیں کبھی یہ لفظ اس جماعت کے لئے بولا جاتا ہے جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم اور کبھی یہ لفظ آنحضرت کی اولاد و ازواج کے معنی پر شامل ہوتا ہے اور کبھی خاص طور پر یہ لفظ فاطمہ و حسن و حسین و علی سلام اللہ علیہم اجمعین ہی کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ فضیلت میں زیادہ (یعنی سب سے افضل) ہیں۔

پھر جناب محقق علیہ الرحمہ ان تینوں اقوال مذکورہ میں تطبیق اس طرح بیان فرماتے ہیں :۔ "وتطبیق میاں ایں اقوال آن است کہ بیت سہ است (۱) بیت نسبی (۲) بیت سکنی (۳) بیت ولادت۔ پس اولاد عبدالمطلب اہل بیت نسب و ازواج مطہرہ اہل بیت سکنی

اند و اولاد کرام اہلبیت ولادت و علی رضؓ اگرچہ از اولاد نیست لیکن ملحق است بایشاں بہ وساطت فاطمہ رضؓ (مدارج النبوت صفحہ ۱۰۳) یعنی اہل بیت کے متعلق جو مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ بیت تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) بیت نسب جس میں اولاد عبد المطلب ہیں (۲) بیت سکنی جس میں ازواج ہیں (۳) بیت ولادت جس میں آنحضرت کی اولاد اور بذریعہ جناب سیدہؑ جناب امیرؑ داخل و شامل ہیں

ان توضیحات کے بعد اب یہ امر غور طلب ہے کہ بعقیدۂ اہلسنت اور بطور امر واقعی مخصوص آیہ تطہیر میں کن کن افراد اہل بیت سے خطاب کیا گیا ہے بعقیدہ متفقہ جماعت امامیہ آیہ تطہیر میں خطاب صرف افراد طاہرین معصومین ہی سے ہے۔ اہلسنت میں ایسا کوئی متفقہ عقیدہ نہیں ہے اور ازواج نبی کے شمول پر اختلاف چلا آرہا ہے۔ البتہ علمائے اہل سنت آیہ تطہیر میں جناب سیدہؑ و حسنینؑ و جناب امیر کے داخل و شامل اہلبیت ہونے پر متفق ہیں۔ الغرض اہل اسلام کی ان دو بڑی جماعتوں یعنی امامیہ و اہلسنت کے مسلمات پر نظر کرتے ہوئے جو نتیجہ پیش نظر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ:۔ باتفاق اہلسنت و امامیہ جناب سیدہ و حسنین و جناب امیر مذکورین آیہ تطہیر ہیں البتہ اہلسنت میں ازواج نبی کے شمول میں باہم اختلاف ہے۔

اب ہم اس اختلاف کی توضیح بعض اکابر اہلسنت کے اقوال سے یہاں کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے گا کہ اہلسنت میں اکثریت کا عقیدہ یہی ہے کہ آیہ تطہیر کے مذکورین جناب فاطمہؑ و حسنینؑ و جناب امیر ہی ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں:۔

قال اللہ تعالےٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اکثر المفسرین علی انھا نزلت فی علی و فاطمہ و

والحسنین لتذکیر ضمیر عنکم وَ مَا بعدہ.... الخ (صواعق محرقہ صفحہ ۲۲۶) مطلب یہ کہ آیہ تطہیر کے متعلق اہل سنت کے مفسرین کی اکثریت نے یہی بیان کیا ہے کہ مذکورین فی الآیہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ہیں کیوں کہ عنکم جمع مذکر حاضر ہے وغیرہ۔

جناب علامہ ابن حجر کے اس بیان سے واضح ہوا کہ مفسرین اہل سنت کی اکثریت کے عقیدے میں یہی چار تن علیہم السلام مذکورین آیہ تطہیر ہیں، اس کی مزید تائید کے لئے صدہا اکابر اہلسنت کے اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں اور بغیر ان تائیدی شہادتوں کے بھی اہل سنت کی اکثریت کا یہ عقیدہ متعارف اور ظاہر ہے البتہ علامہ ابن حجر کے اس بیان کی تائید میں بخوف طوالت ہم یہاں صرف ایک ہی مزید تائیدی شہادت حضرت علامہ محقق دہلوی رح کی نقل کئے دیتے ہیں جس سے واضح ہو گا کہ اہلسنت کی اکثریت کے نزدیک مذکورین آیہ تطہیر صرف یہی چار تن ہیں۔ جناب محقق و محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں:۔

"واختلاف است دراں کہ مراد با ہلبیت دریں آیہ کریمہ کیست۔ اکثر براں اند کہ مراد باں فاطمہ و حسن و حسینؑ و علی است سلام اللہ علیہم اجمعین چناں کہ اکثر روایات دال براں است والنصاف آن است کہ نساء مطہرہ نیز داخل اند الخ (مدارج النبوۃ ص ۱۰-۳) یعنی آیہ تطہیر کے مذکورہ اہل بیت کے تعین میں اختلاف ہے لیکن اہلسنت کی اکثریت کے عقیدے میں مذکورین فی الآیہ فاطمہ و حسنین و علی ہی ہیں چنانچہ اکثر روایات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ازواج نبی بھی ان میں داخل ہیں (ختم)

علامہ ابن حجر مکی اور جناب محدث و محقق دہلوی کے علاوہ بکثرت دیگر اکابر و مشاہیر اساطین اہل سنت نے بھی اسی طرح تشریح فرمائی ہے کہ اہلسنت کی اکثریت کے عقیدے میں انہیں چار تن علیہم السلام سے خطاب کیا گیا ہے البتہ ازواج نبی صلعم کے اس آیہ میں داخل وشامل ہونے کی حد تک باہمی اختلاف ہے۔ اہلسنت کی اکثریت تو یہ کہتی ہے کہ ازواج کا شمول نہیں ہے البتہ اہل قلت بیان کرتے ہیں کہ ان چار تن کے علاوہ ازواج نبی بھی داخل ہیں جیسا کہ ابھی جناب محقق دہلوی کی عبارت میں ہمارے ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ ازواج نیز داخل اند لیکن اسی عبارت میں تصریح اس کی بھی موجود ہے کہ اکثر براں اند، خلاصہ کلام یہ کہ یہ اہل سنت کی اکثریت اور اہل قلت کا باہمی اختلاف ہے کہ ازواج نبی صلعم داخل ہیں یا نہیں مگر جمیع اہل سنت ان چار تن کو تو یقیناً داخل آیہ تطہیر تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں اور اکثریت اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ ازواج سے اس آیہ میں خطاب نہیں ہے۔

اس توضیح کے ختم پر ہم اس سے زیادہ اور کچھ بھی کہنا نہیں چاہتے کہ اہلسنت میں سے جو لوگ اہل سنت کی اکثریت کا عقیدہ پسند کرتے ہوں وہ اکثریت کے متبع رہیں۔ اور جو لوگ قلت کا متبع بننا پسند کریں وہ اہل قلت کی ملت میں رہیں۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ اجتہادی ہے جس میں بعض دیگر مسائل کی طرح مجتہدین اہل سنت میں باہمی اختلاف واقع ہوگیا ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں اور وہ اختلاف بھی صرف ازواج نبی کے شمول و عدم شمول کی حد تک ہی ہے ان چار تن مقبولین کے شمول کی حد تک کوئی ادنی اختلاف بھی نہیں ہے اور باتفاق اہل سنت میں تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے کہ یہ چار تن مذکورین یعنی اصحاب کساء آیہ تطہیر کے مخاطبین یقیناً ہیں۔

اب ہم یہاں بعض مفسرین کے چند اقوال بھی نقل کئے دیتے ہیں اور خصوصاً ان

مفسرین کے جواز واج نبیؐ کو بھی داخل آیہ تطہیر کرتے ہیں :- علامہ بیضاوی اپنی مشہور تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :- والحدیث یقتضی انہم اہل البیت لا انہ لیس غیرھم (ص ۱۶۴ ج ۲) یعنی حدیث کسا کا مطلب یہ ہے کہ یہ چارتن اہلبیت ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی اہل بیت نہیں ہے (ختم) بہرحال تمامی اکابر اہلسنت کا یہ عقیدہ اجماعی ناقابل تردید طریقے سے ثابت ہے کہ یہ چارتن مخصوصین طاہرین اس آیت شریفہ میں یقیناً مخاطب ہیں البتہ ازواج نبی کے داخلہ میں مابین علمائے اہل سنت اجتہادی اختلاف موجود ہے علامہ فخر رازی علیہ الرحمہ اپنی مشہور تفسیر میں آیہ تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :- واختلفت الاقوال فی اہل البیت والاولیٰ ان یقال ھو اولادہ وازواجہ والحسن والحسین منہم وعلی منہم لانہ کان من اہلبیتہ بسبب معاشرتہ ببنت النبی علیہ السلام وملازمتہ للنبی (تفسیر کبیر صفحہ ۶۱۵ ج ۲) یعنی (اس آیت میں) اہل بیت کے تعین کے متعلق مختلف اقوال ہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ وہ آپ کی اولاد یعنی حسنین اور ازواج وجناب امیر ہیں اس لئے کہ جناب امیر بوجہ زوجیت فاطمہ اور بباعث رسولؐ کے ساتھ رہنے کے داخل ہیں (ختم) یہی تصریح حضرت محقق دہلوی نے بھی کی ہے جس کی نقل ہو چکی۔ الغرض اس آیت میں ازواج نبی کا من اہل البیت ہونا نہ ہونا ہی اہلسنت میں محل اختلاف بنا چلا آرہا ہے ان چارتن اصحاب کساء کے مخاطب آیہ تطہیر ہونے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا علامہ فخر رازی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں واعلم ان ھذہ الروایت کالمتفق علی صحتہا مابین اہل التفسیر والحدیث یعنی آگاہ ہو کہ روایت حدیث کسا پر تمام مفسرین ومحدثین گویا متفق ہیں (تفسیر کبیر ص ۴۸۸ ج ۲)

وذهب ابو سعید الخدری وجماعت من التابعین منهم مجاهد وقتادۃ وغیرهما الی انہم علی وفاطمۃ والحسن والحسین (تفسیر معالم التنزیل) یعنی صحابی ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت نے جن میں مجاہد اور قتادہ وغیرہما بھی ہیں اسی عقیدے پر ہیں کہ مخاطبین آیۂ تطہیر یہی چار تن اصحاب کسا ہیں (ختم) اب تک بھی اکابر اہل سنت یہی عقیدہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں چنانچہ چودھویں صدی ہجری کے مشہور ومقبول محدث ومفسر وپیشوائے جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں :- آنحضرت نے حضرت علی و فاطمہ وحسنینؑ کو ایک کپڑے کے اندر کر لیا اور فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں. ان کو خوب پاک کردے. اصحاب کسا یہی پانچ ہیں اب اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ص کی ازواج مطہرات بھی اہلبیت میں داخل ہیں یا نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں۔ (انوار اللغت ص ۱۵۱۲) اور عرف عام کی حد تک بھی قطعاً یہی کہا جا سکتا ہے کہ "اہل بیت" کا لفظ سنتے ہی تبادر ذہن انہیں محفوظین طاہرین علیہم السلام کی طرف ہوتا ہے مثلاً ایک مقام پر شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ ان ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ذکر خیر میں فرماتے ہیں کہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے ہیں وصاحب البیت ادری بما فیہا (سیرت النعمان) ہزاروں لاکھوں مثالیں اکابر اہلسنت علیہم الرحمہ کے مقالات سے اس قسم کی پیش کی جا سکتی ہیں کہ جب کبھی لفظ اہل بیت مطلقاً استعمال کیا گیا ہے وہاں یہی جماعت طیبین وطاہرین ہی مراد لی گئی ہے اور جس کی مزید تصریح ہم نے جناب علامہ محقق دہلوی رح کے کلام سے بھی قبل ازیں کر دی ہے۔

مگر ہمارے مخاطب والا مقام نے ایک ہی سانس میں ان چار تن طاہرین معصومین

کو آیہ تطہیر کے مذکورین سے خارج قرار دے کر ان کے شمول کو عقیدۂ روافض ہی قرار دیدیا.
اجتہاد ہو تو ایسا ہو کہ عقیدۂ مسلمہ اہلسنت کو خود سنی بن کر آنِ واحد میں پامال کرڈالا.
اور تمامی کتب تفسیر و حدیث و تواریخ و سیر پر یک قلم خط نسخ کھینچ کر عقیدۂ مقبول
کو شکست کردیا. ان تمام محدثین و مفسرین و مورخین وغیرہم کو یہ علم غیب کہاں
تھا کہ چودھویں صدی ہجری میں ایک مجدد اعظم سرزمین ہند سے ایسا پیدا ہوگا جو
ہماری ان سب غلط اور مصنوعی کارروائیوں کا بھانڈا پھوڑ دیگا ورنہ وہ شاید
ان تشریحات و توضیحات کی جسارت ہی نہ کرتے اور نہ اس طرح بقول مخاطب رافضی
بنتے.

مکرر ایک بار عرض کردیا جاتا ہے کہ ہماری یہ بحث صرف اسی حد تک ہے کہ عقیدہ
"کیا ہے" اور یہ بحث مطلقاً نہیں ہے کہ عقیدہ "کیا ہونا چاہیئے" اور اسی لئے ہم نے
اہلسنت کے اس اختلافی مسئلے پر دونوں فریق اہلسنت کے دلائل پیش کردہ نہ تو نقل
ہی کئے اور نہ ان پر اپنی کسی ذاتی رائے کا اظہار مناسب سمجھا. ازواج نبی صلعم کے داخل
آیہ تطہیر ہونے نہ ہونے کے متعلق جو اجتہادی اختلاف اہلسنت کے علمائے مجتہدین
میں پیدا ہوگیا ہے ان کی تفصیلات اور عیب و صواب سے واقف ہونے کے لئے کتب
کلامیہ کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے. ہم نے اس مقالے میں صرف اسی قدر ظاہر
کیا ہے کہ ان چارتن محفوظین طاہرین علیہم السلام کا تعلق آیہ تطہیر سے باتفاق
اہلسنت و امامیہ ناقابل تردید طور پر بطور امر واقعی ثابت ہے. ازواج نبی کے شمول
کی اختلافی بحث پر جو مابین علمائے اہل سنت در پیش رہی ہے اور ان کے بیان کردہ
دلائل و قرائن پر کسی رائے کا اظہار کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے اور جن دو چار اکابر

اہل سنت کے اقوال ہم نے یہاں نقل کیے ہیں وہ اکثر اسی گروہ میں داخل ہیں جو ازواج نبی کو اصحاب کسا کے ساتھ ہی ساتھ مخاطبین آیہ تطہیر میں شمار کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اکابر اہلسنت کی اکثریت کا مختار یہی ہے کہ آیہ تطہیر میں خطاب صرف انہیں چار تن اصحاب کسا سے ہے ازواج نبی یا اور کوئی فرد اس آیت میں مخاطب نہیں ہے۔ جس کی تصریح ہمارے ناظرین نے ابھی علامہ ابن حجر مکی اور جناب محقق دہلوی رح اور دیگر اکابر کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائی۔

قال المخاطب (خلاصۂ کلام) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے فرزند امیرالمومنین یزید رض کے زمانے میں صدہا صحابہ کرام مختلف عہدوں پر کارگزار رہے بڑے بڑے قاضی و مفتی و افسران فوج وغیرہ کے عہدوں پر صحابہ کرام کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں جمعہ و جماعت کی نمازیں امیرالمومنین کی امامت میں ادا ہوتی تھیں اور صحابہ کرام بھی ان کے مقتدی بن کر نمازیں ادا کرتے تھے۔ اگر ان خلفا کی خلافت برحق نہ ہوتی یا ان کے کردار میں خرابیاں ہوتیں تو صحابہ کرام کی مقدس جماعت اپنے اس ہمہ جہتی تعاون سے ان خلفا کے کردار کی تصدیق ہرگز نہ کرتی تمام افراد بنی ہاشم ان دونوں خلیفوں کے دربار سے وظائف حاصل کرتے رہے اگر ان کی خلافتیں ایسی ہی ناجائز قرار دی جائیں تو اس نمک خواری کو کیا کہا جائے گا وغیرہ۔ اگر ان خلفا کی خلافت کو خلافت حقہ تسلیم نہیں کیا جاتا ہے تو اس قسم کے متعدد مفاسد کا کیا جواب دیا جاسکے گا

امیر معاویہ و یزید کی خلافت میں عیب ان کا قبول کرنا

الجواب بعقیدۂ اہل سنت ان دونوں خلیفوں کی خلافت حکومت جائزہ سمجھی جاتی ہے محض لفظ خلافت کہہ دینے سے وہ خلافت خلافت راشدہ یا خلافت عادلہ نہیں سمجھی جاسکتی۔ اب رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام نے ان دونوں خلیفوں کے عہد میں قاضی و مفتی

اور دیگر عہدہ داریوں کے فرائض انجام دئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ بعقیدہ اہلسنت سلطانِ جائر کی حکومت میں ان فرائض کی انجام دہی اسی طرح جائز سمجھی گئی ہے جس طرح خلیفہ راشد وعادل کی حکومت میں جائز سمجھی جاتی ہے۔

ملوکیت جائرہ اہلسنت کی نظر میں

چونکہ اس مقالے میں متعدد مباحث یک جا کر دئے گئے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلسنت کا نقطۂ نظر اس حکومت جائرہ کی حد تک ساتھ ہی ساتھ پیش کر دیا جائے یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بجائے اپنے الفاظ کے اس حصہ بحث کو ہم جناب سند المتکلمین وامام المناظرین جناب مولانا حیدر علی طاب ثراہ (صاحب منتہی الکلام) کے قیمتی الفاظ میں ناظرین کے سامنے پیش کریں جناب ممدوح الشان خاص اس مبحث خلافت غیر شرعی یعنی ملوکیت جائرہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ اگر کسے را دریافت حال خلافت امیر شام از کتب اہل حق (یعنی اہل سنت) منظور باشد در عبارت رسالہ غرۃ الراشدین وذلۃ المفسدین کہ از رسائل مؤلفہ مولانا رشید المتکلمین رفع اللہ درجتہ فی اعلیٰ علیین است نظر فرماید دال این است کہ صاحب ہدایہ فرمودہ ثم یجوز التقلید من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابۃ تقلدوا من معاویہ و الحق کان بید علی رض فی نوبتہ۔ وعلامہ سعد الدین تفتازانی در شرح عقائد فرمودہ فمعاویہ ومن بعدہ لا یکون خلفاء بل ملوک وامراء ودر تہذیب الکلام فرمودہ ثم آل الامر الی الحسن رض وبعد ستۃ اشہر من بیعتہ سلم الامر لمعاویہ تسکیناً للفتنۃ فانقلب الامامۃ بعد ثلثین الی الملک والسلطنۃ وفضل روزبہان در ابطال الباطل فرمودہ ولا فائدۃ فی ذکرہ عن مطاعن معاویہ فلا اھتمام لنا

اصلا بالذب عنه فانه لم یکن من الخلفاء الراشدین حتی یکون الذب عنه موجب الاقامة الخلفاء وذب الطعن عن حریمهم لیقتدی بهم الناس ولا یشکوا فی کونهم الائمة لان معظم الاسلام منوط برائهم فانهم کانوا خلفاء النبوة ووارثی العلم والولایة واما معاویه فانه کان من ملوک الاسلام فی اعمالهم لا یخلون عن المطاعن الی آخر ما قال ونیز می فرماید قول من یرضی بمتابعة معاویة ویجعله اماماً حتی لیشنع علیه ابن المطهر وقد ذکرنا انه من الملوک ولیس علینا فذب عنه انتهی مناوی در فیض القدیر شرح جامع صغیر می فرماید الخلافة قال الحافظ فی الفتح خلافت النبوة واما معاویه ومن بعده علی طریقة الملوک ولو سموا خلفاء الی آخره ومولینا علی قاری در شرح فقه اکبر می فرماید اول الملوک معاویه ونیز می فرماید فتبین ان معاویه ومن بعده لا یکونون خلفا بل ملوک وامراء انتهی بلکه علما ما از معاویه روایت کرده اند که او خود را اول ملوک می گفت روی ابن عبد البر فی الاستیعاب فی احواله انه کان یقول انا اول الملوک وجناب والد ماجد مصنف (یعنی شاه ولی الله) در کتاب حجة الله البالغه می فرمایند الی ان استقرت خلافته وهی امارة علی اقذار وهدنة علی دخن وهو الذی یعرف امره وینکر لانه کان علی سیرة الخلفاء قبله ودر ازالة الخفا عن خلافت الخلفا می فرمایند اخرج البخاری عن الحسن البصری قال لقد سمعت ابا بکرة رض قال بینا النبیؐ

یخطب جاء الحسن رض فقال النبی ھذا اسید ولعل اللہ ان یصلح الخ
بعد ازاں حقیقت این ہدنہ کہ امارت علی اقذار وہدنہ علی دخن است باز استقلال
معاویہ بہ بادشاہی بیان فرمودند وابو عمر در استیعاب اخراج کردہ (اس کے بعد
حضرت ابو ہریرہ وابو درداء کی پیام رسانی کا مشہور واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ (وھو من الطلقاء الذین لا یجوز لھم الخلافۃ وھو ووالدہ
رؤس الاحزاب فندما وتاب علیٰ سیرھما وتابا بین یدیہ
انتھی وقد نقلہ والد المصنف فی کتابہ ازالۃ الخفاء وبعضے از احادیث
سید الوریٰ وکلمات بعض صحابہؓ اقوال علماء کہ دال بر سلطنت معاویہ ودیگر خلفاء
امویہ وغیرہم بودند در ماسبق ذکر انبیاء گذشتہ فلیتذکر وکسانے کہ اولو الامر از خلفاء گفتہ
اند مراد ازاں خلافت اعم است نہ خلافت راشدہ۔ انتہیٰ کلامہ اعلی اللہ مقامہ۔
ازالۃ الغین صفحہ ۳۳ و ۳۴)

اس اقتباس کے نقل کرنے میں طول تو ضرور ہوا مگر فوائد سے خالی نہیں خلافت
معاویہ ویزید کو خلافت راشدہ بیان کرنے والے اس اقتباس کو ذرا غور سے پڑھیں
تو معلوم ہو گا کہ اکابر اہلسنت متفقہ طور پر ان دونوں کی خلافتوں کو خلافت راشدہ
سے خارج کرتے اور صاف طور پر بیان کر رہے ہیں کہ خلافت راشدہ سے ان دونوں کو
کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا شمار ملوک وسلاطین میں ہے اور امیر معاویہ
بقول خود بھی اوّل الملوک ہیں اور یہ بھی توضیح اس اقتباس سے ہو گئی کہ ان ملوک
وسلاطین کے کسی قول یا فعل کی ذمہ داری اور جوابدہی کا بار اہلسنت پر نہیں کہ ان
ان کے اعمال بھی مطاعن سے خالی نہیں ہیں الغرض جناب رشید المتکلمین اور علامہ

تفتازانی وعلامہ فضل روز بہان وعلامہ مناوی ومولانا علی القاری وعلامہ ابن عبد البر ومولانا شاہ ولی اللہ علیہم الرحمہ کے بیانات ومختارات سے اس اقتباس میں جناب سند المتکلمین مولانا حیدر علی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے غایت وضاحت سے یہ امر صاف کر دیا ہے کہ خلافت معاویہ ویزید اہلسنت کے نزدیک ایک بادشاہت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

اب جب کہ یہ امر تحقیق ہو لیا کہ ان دونوں کی حکومت وسلطنت کا کوئی تعلق خلافت راشدہ سے نہیں ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حکومت جائرہ کے زمانے میں جن صحابہ رسول نے خدمات قضا وغیرہ قبول کر لی تھیں ان کا یہ قبول کر لینا جائز تھا یا ناجائز۔ اس کا جواب اس اقتباس کے آغاز ہی میں صاحب ھدایہ کے اس بیان میں موجود ہے کہ سلطان جائر کے عہد میں اس قسم کی تقلید جائز ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس جواز کا فتویٰ دیتے وقت سلطان جائر کی مثال دیتے ہوئے بطور ایک جلی مثال کے امیر معاویہ ہی کا نام لیا۔

اہلسنت کی جماعت میں ھدایہ فقہ حنفی کی مشہور ترین اور موثق ترین کتاب مانی جاتی ہے جس کے لئے کہا گیا ہے۔

ان الھدایۃ کالقرآن قد نسخت
ما صنفوا قبلھا فی الشرع من کتب

(منقول از مقدمہ ہدایہ) یعنی جس طرح قرآن نے کتب ماقبل کو منسوخ کر دیا تھا اسی طرح تمام کتب شرع (فقہ) کو ہدایہ نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس کتاب میں خاص قاضی کے عہدے کے لئے حکم ملاحظہ ہو:۔ یجوز تقلد القضاء من السلطان

الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلدوہ من معاویہ الخ
یعنی سلطان عادل کے عہد میں جس طرح عہدۂ قبول کر لینا جائز ہے اسی طرح ظالم بادشاہ کے عہد میں بھی عہدۂ قضا قبول کر لینا جائز ہے چنانچہ صحابہ رسول ؐ نے معاویہ کے عہد میں اس عہدہ کو قبول کر لیا تھا (ہدایہ جلد سوم)

اب ہمارے مخاطب عالی مقام ہدایہ کے اس فتوے کی روشنی میں غور فرمائیں کہ جب ظالم بادشاہ کی طرف سے عہدۂ قضا (یا دیگر عہدے) قبول کر لینے کا شرعی جواز موجود ہے تو اس سے امیر معاویہ کی خلافت حقہ راشدہ پر استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے صاحب ہدایہ نے اس مقام پر مثال بھی دی تو امیر معاویہ کی کہ مثالی طور پر ایک ظالم بادشاہ صاحب ہدایہ کے نزدیک قرار پا چکے تھے ورنہ اس سلسلہ سلاطین کا ہر فرد (سوائے عمر بن عبدالعزیز کے) سلطان جائر کے لقب سے تاریخ اسلام میں ملقب ہے۔ شاید کوئی خاص وجہ ہے کہ ان سب ذیلی سلاطین جائرین کے نام چھوڑ کر صاحب ہدایہ نے بطور ایک جلی مثال کے امیر معاویہ کا نام درج کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھا تھا کہ وہ اول الملوک بھی تھے اور ان کا نام ظالم بادشاہوں کی فہرست میں بہت زیادہ نمایاں اور سر فہرست تھا۔

اب رہا یہ امر کہ صحابہ کرام رض و عامہ مسلمین ان سلاطین جائرین کی امامت میں نمازیں ادا کیا کرتے تھے اس کی حد تک مختصر سا جواب فقہ اہل سنت کا کافی ووافی و شافی ہے کہ صلوا خلف کل بر و فاجر :- یعنی ہر بُرے بھلے کے پیچھے نماز ادا کر لیا کرو ولان العلماء الامت کانوا یصلون خلف الفسقۃ و اھل الاھواء والبدع من غیر نکیر (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۵ و شرح فقہ اکبر

ملا علی القاری صفحہ ۹۱ نیز دیگر کتب فقہ) یہ عجیب بات ہے کہ امامت نماز سے ان سلاطین جائرین کی خلافت حقہ راشدہ اور ان کے صالح العمل ہونے پر استدلال کیا جا رہا ہے اور نمازیں تو مروان بن الحکم و مسرف یہاں تک کہ حجاج اور خدا جانے کس کس کی امامت میں ادا ہوتی رہی ہیں اور عوام الناس اس شعر کے مضمون کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوتے رہے ہیں کہ

چہ تواں کرد - مرداں ایں اند
بہ ہمیں مرداں بباید ساخت

اب رہا یہ طعن کہ اہلبیت طاہرین رسول ص ان سلاطین کے نمک خوار تھے۔ جناب والا جس طرح ازواج و اصحاب نبی اور دیگر مخصوص جماعتوں کے وظائف خلافت راشدہ کے وقت سے چلے آ رہے تھے کچھ زمانے تک ان سلاطین جائرین نے بھی اس طریقہ جاریہ کو نہ بدلنے میں اپنی خاص مصالح کی بنا پر دست اندازی مناسب نہیں سمجھی تھی صدہا کتب اہلسنت میں خلافت راشدہ کے اس طریقہ کار کی وضاحت موجود ہے۔ خلافت حقہ مرتضوی میں بھی بدستور اس طریقے پر بنہایت سختی اور دیانتداری سے عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ جناب امیر نے اسلامی بیت المال سے اپنے حقیقی برادر عقیل بن ابی طالب کو ان کے مقررشدہ حصے سے ایک پائی زیادہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا جس کا ذکر جا بجا کتب ثقاۃ میں موجود ہے۔ پھر بموجب شرائط صلح نامہ تفویض حکومت امیر معاویہ نے اہل بیت رسول کو وظائف قرار دادہ ادا کرنے کی خاص ذمہ داری لی تھی اور اس سے بھی اگر قطع نظر کر لیا جائے تو معاہدہ مذکور میں یہ شرط درج تھی کہ امیر معاویہ کے بعد حکومت خاندان اہل بیت رسولؐ کی

ہوگی۔ اگر معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کر لینے کے بعد حکومت سے ان کو ظلماً و جبراً محروم کر دیا گیا اور ان کے وظائف ہی جاری رکھے گئے تو اس میں وہ کون سا احسان عظیم ان سلاطین جائرین کا اہلبیت رسولؐ پر ہے جس کی بنا پر انہیں اس سلطنت جائرہ کی نمک خواری کا طعنہ دیا جائے ان کو جو کچھ بھی ملا وہ ان کے جائز حق کا ایک قلیل حصہ ہی تھا۔ ان کے دیگر جائز حقوق ان سلاطین جائرین نے ان کو ادا ہی نہیں کیے اور حکومت اپنے زور و قہر سے دبا لی۔ یہ تمام حقوق اہل بیت جو سلاطین جائرین نے ان کو ادا نہیں کیے ان سب کے لئے بیشگاہ ایزدی میں یہ سلاطین یقیناً جواب دہ ہونگے حیرت ہوتی ہے کہ جس بیت کے طفیل میں ان لوگوں کو یہ دنیوی عروج حاصل ہوا اور بظاہر بظاہر جاہلیت کے ظلمت کدے سے نکل کر اسلام کا کلمہ بھرنے لگے اور اسی صاحب البیت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین شریفین کے صدقے میں یہ سب شان و شکوہ بھی حاصل کر لیا انہیں اہل بیت کا حق صریح جواز روئے معاہدہ بھی انہیں حاصل تھا ظلماً و جبراً دبا لیا اور اب ان کے متبعین و مداحین انہیں اہل بیت کو ان کا نمک خوار بھی کہتے ہوئے نہیں شرماتے اور اپنے ترکش طنز و تشنیع سے نمک خواری وغیرہ کے تیر اب تک نکالے جا رہے ہیں اور اس طرح اپنی خالی ظرفی کا ثبوت دئے چلے جا رہے ہیں۔ غالباً اسی طرح کے کسی طنزیہ بیان سے متاثر ہو کر اہلسنت کے ایک نہایت شہیر و معتبر بے نظیر و پیشوائے اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ صاحب مرحوم ایک مقام پر یہ لکھنے کے لئے مجبور ہوئے :- اجی حضرت معاویہ آپ کو کیا بہتر تھا۔ ٹکا پاس نہ تھا مفلس قلاش۔ یہ ساری دولت اور عظمت جن لوگوں کے طفیل سے ملی انہیں کی تحقیر کرنے لگے اور جس خاندان کی جوتیوں کے صدقے میں حکومت اور بادشاہت ملی اسی کے دشمن بن

گئے (انوار اللغۃ ص ۸/۵)

قال المخاطب :۔ (خلاصۂ کلام) امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے ایک لحظے کے لئے بھی بحالتِ ایمان رسول مقبول سے ملاقات کی اور بحالت ایمان ہی اس کی موت بھی ہوئی وہ تمامی ائمہ و اولیا و علمائے مابعد سے افضل ہے کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسولؐ پر ایمان لائے اور بحالت ایمان ہی آپ کی موت بھی ہوئی پس آپ کے مرتبہ صحابیت اور متعدد فضائل پر نظر کرتے ہوئے کس طرح آپ کو بغاوت اور دیگر اعمال سیئہ کے لئے مطعون قرار دیا جا سکتا ہے۔

الجواب :۔ جس عقیدے پر آپ اجماع امت بیان کر رہے ہیں وہ تمام امت کا اجماعاً مقبولہ نہیں ہے امت میں علاوہ اہلسنت کے دیگر فرقے بھی ہیں جو آپ کے بیان کردہ اجماعی عقیدے کی تصدیق نہیں کرتے ہیں یوں فرمائیے کہ اہلسنت کی جماعت میں عام طور پر صحابہ کرام کی حد تک یہ حسن ظن کام میں لایا جاتا ہے مگر اہلسنت میں بھی ایمان بدون عمل اور بغیر ادائے حقوق و فرائض صحابیت لازمی طور پر یہ نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً ایسے حالات میں کہ کسی صحابی کے ساتھ شنائع و قبائح اعمال بھی وابستہ ہوں۔ خود جناب رسول مقبول نے اپنے ایسے بعض اصحاب کے متعلق تصریح فرما دی ہے کہ اپنے اعمال مابعد کے ارتکاب کے باعث وہ مجھ سے علیحدہ کر دئے جائیں گے مشہور حدیث حوض جس کے راوی حضرت انس بن مالک و سہل بن سعد رضی اللہ عنہما ہیں ملاحظہ فرمائی جائے جو صحیحین شریفین کے علاوہ بھی بکثرت کتب حدیث وغیرہ میں درج ہوتی چلی آ رہی ہے :۔ لیرون علی الحوض رجال ممن صاحبنی حتیٰ اذا رأیتم و رفعوا الی اختلجوا دونی فلاقولن ای رب اصحابی اصحابی فیقال

لی انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔ نیز بخاری و مشکوٰۃ شریف کی کتاب الامارہ
کی حدیث ملاحظہ ہو جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون
ندامۃ یوم القیامۃ نیز بخاری شریف کی حدیث لا اخاف علیکم ان تشرکوا
ولاکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیہا اور بخاری ہی کی دوسری ہم مضمون حدیث
انی لا اخشی علیکم ان تشرکوا بعدی ولاکن اخشٰی علیکم الدنیا۔
اور مسلم شریف کی کتاب الزہد کے یہ الفاظ ہیں حدیث فواللہ ما الفقر اخشی علیکم
ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم " تنافسوا فیہا
کما تنافسوا فیہا فتہلکوا کما اھلکتہم۔

یہ احادیث نیز بعض دیگر احادیث صحیحہ بعض اصحاب رسول کے بطلب دنیا جادۂ مستقیم سے ہٹ جانے پر بوضاحت تمام دلالت کرتی ہیں خدارا ہمیں کوئی بتائے کہ وہ کون سے اصحاب رسول ہیں جن کا ذکر اس قسم کی احادیث میں بار بار ہوا ہے رسول مقبولؐ کی وفات سے جتنی مدت بعد تک صحابہ کا وجود پایا جاتا ہے اسی محدود مخصوص زمانے میں اس قسم کے اصحاب کا تعین کرنا پڑیگا تو کیا اب ہم یہ مان لیں کہ ان احادیث میں سابقون الاولون و اصحاب بدر و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے کیا اہلسنت میں سے کوئی بھی اس قسم کے صحابہ میں خلفائے راشدین و دیگر مقبولین کاملین کا شمول تسلیم کرسکتا ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے پس ماننا پڑیگا کہ اس قسم کے صحابہ کا وجود زمانہ مابعد خلفائے راشدہ ہی میں بعقیدہ اہلسنت تھا اور وہ زمانہ خاص امیر معاویہ اور ان کے فرزند دلبند اور ہمارے مخاطب کے محبوب خاص اور ان کے امیر المومنین یزید ہی کا ہوسکتا ہے اور یزید کی سلطنت جائرہ کے بعد تو صحابہ کا زمانہ قریب قریب ختم ہی سمجھنا چاہیئے یزید بذات خود تو صحابہ کی جماعت

میں شامل نہیں ہو مگر اس کے زمانہ سلطنت میں ایک قلیل تعداد صحابہ کی ضرور باقی رہ گئی تھی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اصحاب رسول ہیں جن کے لئے بخاری شریف ومسلم شریف وغیرہ کی روایات میں انکے لائے دری مالاحہ ثوابعد لے کا بیان ہوا ہے اور وہ کون سے صحابہ رسول ہو سکتے ہیں جن کے لئے حرص علی الامارۃ وندامت بروز قیامت کا ذکر احادیث نبوی میں ہوا ہے۔ کیا ہم اہلسنت کے نقطۂ نظر سے سوائے امیر معاویہ اور زمانہ یزید و مستقبل قریب کے بعض صحابہ کے علاوہ اور کسی جماعت صحابہ کو بھی مضمون احادیث مذکورہ کے مذکورین میں داخل کر سکتے ہیں. ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کا زمانہ علیحدہ کر دینے کے بعد اس قسم کی احادیث کے مصداق امیر معاویہ وغیرہ اور ان کے موافقین اصحاب ہی ہیں جو بالیقین حرص امارت و حکومت میں مبتلا تھے اور اگر یہ لوگ بھی حرص امارت و حکومت میں مبتلا نہ سمجھے جائیں تو خدارا ہمیں کوئی بتائے کہ بعقیدہ اہلسنت اور کونسی جماعت صحابہ ایسی ہو سکتی ہے جو حرص امارت و حکومت میں مبتلا سمجھی جا سکتی ہے اور جس کا مظاہرہ اس جماعت نے اس شدّ و مد سے کیا ہے کہ محتاج بیان نہیں یہاں تک کہ جرم بغاوت کے مرتکب باتفاق جمیع اہلسنت قرار پاگئے اور کسی قاضی کے فیصلے یا مفتی کے فتوے سے ہی باغی نہیں قرار پائے بلکہ خود حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حکم اور فتوے سے اور قتل عمار یاسر رضہ کے عمل سے امیر معاویہ راس و رئیس فئۃ الباغیہ قرار پائے ہیں کسی قاضی یا مفتی یا مجتہد کی کیا مجال ہے کہ جناب رسول مقبول کے اس فتوے کے خلاف دم بھی مار سکے اور یہی عقیدہ ہے جمہور اہلسنت کا کہ امیر معاویہ ناقابل تردید طور پر جرم بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حضرت خزیمہ ابتداءً ان باغیوں کے ساتھ جنگ کے دوران میں کسی فریق کے ساتھ ہو کر نہیں لڑے بلکہ غیر جانبدار رہے۔

مگر حضرت عمار رضؓ کی شہادت کی خبر سنتے ہی اور یہ یقین حاصل ہوتے ہی کہ معاویہ باغی ہیں۔ جناب امیرؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور انہیں باغیوں کے ہاتھ سے اس جنگ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ مرتے مرتے اس پر افسوس کرتے چلے گئے کہ میں نے جناب امیرؑ کی رفاقت میں امیر معاویہ باغی کے خلاف جہاد بالسیف کیوں نہ کیا۔

اگر جناب والا کو راقم الحروف کے ان بیانات کا یقین نہ ہو تو کم از کم اہلسنت کے خاتم المحدثین رح کے بیان کردہ اجماعی عقیدۂ اہلسنت کو تو ضرور ہی سماعت کر لینا چاہیئے۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے بغور سماعت فرمایئے:- "اہل سنت قاطبۃً اجماع دارند براں کہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتدائے امامت حضرت امیر لغایت تفویض امام حسن باوا زلبغاوت بود کہ طاعت امام وقت نداشت (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۷۹) دیکھا آپنے اجماعی عقیدہ ایسا ہوتا ہے جس کی تاکید "قاطبۃً" کے لفظ سے جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ نے کی ہے کیا اب بھی آپ کو امیر معاویہ کے باغی و طاغی ہونے میں کوئی شک باقی ہے۔ اگر آپ کی دانست میں حضرت خاتم المحدثین بھی خام عقیدے کے سنّی تھے تو براہ کرم کسی دوسرے پختہ عقیدے کے سُنّی عالم کا نام بیان فرمایئے جس نے یہ بیان کیا ہو کہ امیر معاویہ حق پر تھے اور علیؑ ناحق پر تھے مگر یاد رکھئے اس دعوے پر تو ابن تیمیہ تک بھی آپ کی امداد و دستگیری نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ وہ ہی پہلے صراحت کر چکے ہیں کہ ان حروب میں علیؑ اقرب بحق تھے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس شخص کو خود رسول مقبولؐ نے باغی بلکہ راس درئیس فئۃ الباغیۃ قرار دیا ہو اس کے خلاف کوئی بدبخت کس طرح آواز بلند کر سکتا

ہے۔ آپ ہزار کوشش کئے جائیں کہ بوجہ صحابیت معاویہ ان پر الزام بغاوت ثابت نہیں ہو سکتا مگر عالم اسلام کے در و دیوار تک اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ امیر معاویہ یقیناً باغی ہیں اور بموجب مضمون حدیث شریف داعی الی النار بھی ہیں صرف صحابیت کی سپر سے ثابت شدہ الزام بغاوت کو روکا نہیں جا سکتا۔ صحابی ہیں مگر باغی۔ صحابی ہیں مگر خطا کار صحابی ہیں مگر مرتکب کبیرہ صحابی ہیں مگر مبتلائے نفسانیت یہ سب وہ الفاظ ہیں جو امیر معاویہ کے لئے علمائے اعلام اہلسنت کی زبان و قلم پر ہمیشہ جاری رہے ہیں اور ایک طویل فہرست ان کے مقابل دیگر سنگین جرائم از قسم زہر خورانی و قتل اصحاب رسول و قتل اولاد رسول و قتل زوجہ محبوبہ رسول و غصب خلافت و خلاف ورزی معاہدات وغیرہ کی علمائے اعصار مرتب کر گئے ہیں۔ جن پر آئے دن خود علمائے اہلسنت میں بحث کا بازار گرم رہتا ہے اور علمائے اہل سنت ہی ان الزامات قائم شدہ میں موافق اور مخالف آرا کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ امیر معاویہ کی موت بحالت اسلام واقع ہوئی ہے لہذا بلحاظ صحابیت ان کے مرتکب کبیرہ اور باغی ہونے کے الزامات سنگین ثابت شدہ کو بے اصل سمجھ لیا جائے اور فرض کر لیا جائے کہ صحابیت کے باعث بارگاہِ خداوندی میں ان کا کوئی احتساب ہی نہ ہوگا یہ ایک نہایت درجہ غلط مفروضہ ہے۔ اپنے سب اعمال کے لئے یہ جواب دہ ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی ہر شخص کو کرنی ہوگی خواہ وہ صحابی ہو یا نہ ہو نتیجہ جو کچھ بھی برآمد ہو اس کا علم کسی کو بھی نہیں ہے۔ واللہ تعالے اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ بحالت اسلام فوت ہونے سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ ہر صحابی رسول اپنے اعمال کے احتساب کی حد سے خارج ہے ورنہ پھر

بعض ان اصحاب رسول کی حد تک کیا کہا جائے گا جنھوں نے بقول جناب خاتم المحدثین زنا اور شرب خمر کا ارتکاب کیا تھا۔ پس جس طرح اسلام ظاہری پر فوت ہونے سے ایسے اصحاب کا احتساب جائز سمجھا جاتا ہے ویسے ہی ہر صحابی کے لئے بھی سمجھنا چاہئے البتہ بعقیدہ اہلسنت عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت ہی وہ مخصوص جماعت ہے جن کو جیتے جی حضور ؐ نے داخل بہشت ہونے کی خوشخبری سُنا دی تھی اور دیگر اصحاب کبار اخیار رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی ازاں جملہ ہے مگر امیر معاویہ کا شمول تو ایسی کسی جماعت میں بھی نہیں ہے۔ اس قسم کے تمام سوابق و جلائل فضائل سے امیر معاویہ قطعاً محروم اور طلیق کے طلیق ہی ہیں" وگفتہ اند محدثان کہ ثابت نشدہ در فضل معاویہ ہیچ حدیثے (مدارج النبوۃ)

اب رہا یہ امر کہ جملہ صحابہ کا مرتبہ اپنے بعد کے آنے والے صلحا و عرفا سے زیادہ ہے۔ مختلف جماعت ہائے اہل اسلام میں باہم اس پر اتفاق نہیں ہے مگر اہلسنت کے عام عقیدے کی حد تک بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ مقبولین وممدوحین اور خصوصاً عشرہ مبشرہ رضؓ کے مراتب امت میں آنے والے صلحا و علما سے بیش تسلیم کئے گئے ہیں مگر اس تسلیم سے آپ کے خصوصی ممدوحین امیر معاویہ و یزید کس طرح مستفید ہوسکتے ہیں اور جب کہ خود جناب رسول مقبول ؐ نے خود تصریح فرمادی ہو کہ تمہارے متعلق مشرک بن جانے کا تو اندیشہ نہیں ہو البتہ طلب دنیائے نامحمود میں مبتلا ہونے کا سخت اندیشہ ہے تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس قسم کے اصحاب مشرک ہو کر تو نہیں مرے البتہ مبتلائے حرص دنیائے دوں ہو کر اور اس کے نتائج محزنہ کے ذمہ دار ہو کر ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

محدث شہیر وجلیل علامہ نواب وقار نواز جنگ طاہر شاہ تحریر فرماتے ہیں :-

"جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن عاص کی صحابیت کی وجہ سے ان کو واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے نفس صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے بی بی سلمہ رض نے آنحضرت سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بعض میرے اصحاب ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے یہ حدیث سن کر حضرت عمر رض کو ڈر ہوا اور بی بی صاحبہ رض سے پوچھا کہ میں تو ان اصحاب میں نہیں ہوں۔ اب جو آیتیں یا حدیثیں صحابہ کی فضیلت میں وارد ہیں ان سے مراد وہی صحابہ ہیں جنھوں نے آنحضرت کے حقوق صحبت کو ادا کیا آپ کے اقربا اور اہلبیت سے محبت رکھی اور ان کی حمایت و امداد کی برخلاف معاویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علی کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولیٹیکل چالوں سے یزید جیسے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسین کے موجود ہوتے ہوئے یزید ان کے پاخانے کا لوٹا اٹھانے کی قابلیت بھی نہ رکھتا تھا اور اوپر گذر چکا کہ حضرت علی نے معاویہ کو شیطان رد فرمایا اور حق بھی یہی ہے کہ جو کوئی بھی معاویہ کے اعمال و افعال میں غور کرے اسے آفتاب کی طرح روشن جائے کہ معاویہ کی نیت محض دنیا طلبی اور تحصیل حکومت و سلطنت تھی اور قاتلین عثمان رض سے قصاص لینا محض ایک بہانہ تھا بھلا اگر قاتلین عثمان رض سے ان کو قصاص لینا مقصود تھا تو جب امام حسن رض خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور معاویہ کی حکومت جم گئی تھی اس وقت ان قاتلین کو انہوں نے کیوں نہیں گرفتار کیا اور ان سے قصاص کیوں نہیں لیا بلکہ علی الرغم یہ منقول ہے

کہ جب تک حضرت عثمان رضؓ محصور اور زندہ رہے معاویہ نے مدد بھیجنے میں تاخیر کی اور جب آپ شہید ہو گئے تو اس وقت ان کے خون کے مدعی بن گئے۔ اسی لئے حضرت علی رضؓ نے معاویہ کو لکھا کہ جب عثمان کی مدد کا وقت تھا تو تو نے ان کو چھوڑ دیا اور جب تجھ کو فائدہ حاصل ہونے کا وقت ہے اس وقت ان کی حمایت اور امداد کا دم بھرتا ہے (انوار اللغتہ صفحہ ۱۲۴)

کیا جناب امیر نفس رسول ہیں؟

قال المخاطب (خلاصۂ کلام طویل) آیۂ مباہلہ میں انفسنا سے حضرت علی اور ابنائنا سے حسنین اور نسائنا سے جناب فاطمہ کا مراد ہونا محاورۂ عرب کے قطعاً خلاف ہے (۲) جن حضرات نے انفسنا و ابناءنا و نساءنا میں جناب علی و حسنین و جناب فاطمہ کو متعلق قرار دیا ہے وہ محض ان کی ذاتی رائے ہے۔ یہ کوئی قول خداوندی یا قول رسول نہیں ہے جو بلا تامل تسلیم کر لیا جا سکے بلکہ اسے قول رسول بھی کہنا سراسر کذب و افترا ہے اور نہ محدثین و مفسرین اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ انفسنا میں حضرت علی ہی سے مراد ہے۔ (۳) اکثر صحیح روایات میں واقعہ مبینہ کے وقت حضرت علی کا بلایا جانا بھی منقول نہیں ہے (۴) جس شخص نے بھی ان چار اشخاص کا تعلق ظاہر کیا ہے وہ محض اس غلطی کی بنا پر ہے کہ اس وقت رسول اللہ نے انہیں چار اشخاص کو بلا لیا تھا ورنہ اگر عیسائیان نجران مباہلہ ہونا منظور کر لیتے تو یقیناً آنحضرتؐ اپنی ازواج رضؓ کو بلا کر شریک مباہلہ فرماتے کیونکہ نسائنا سوائے ازواج نبی کے اس مقام پر کسی دوسرے کے لئے ہرگز نہیں کہا جا سکتا

اور کسی زبان میں بھی کسی شخص کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا درست نہیں مانا گیا ہے ... الخ۔

الجواب۔ سب سے پہلی بحث اس مقالے میں یہ ہے کہ انفسنا اور ابنائنا ونساءنا کے الفاظ جناب امیرؑ و حسنینؑ و جناب سیدہؑ کے لئے علے الترتیب ازروئے لغت و محاورۂ عرب استعمال بھی کئے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ اس بحث میں سب سے پہلے ہم لفظ انفسنا کو لیتے ہیں اور ازروئے لغت و محاورۂ عرب یہ ثابت کرتے ہیں کہ انفسنا کے تحت رسول مقبول نے حضرت امیر کو جو دعوت دی تھی وہ ازروئے محاورۂ عرب بھی قطعاً جائز ہے ملاحظہ ہو تفسیر معالم التنزیل بحث آیہ مباہلہ جس کی عبارت یہ ہے "قیل ابناءنا اراد الحسن والحسین ونساءنا فاطمة وانفسنا اعنی نفسه وعلیا والعرب تسمی ابن عم الرجل نفسه کما قال اللہ تعالے ولا تلمزوا انفسکم یرید اخوانکم الخ مطلب یہ کہ بیان کیا گیا ہے کہ ابناءنا سے حسنین اور نساءنا سے جناب سیدہ اور انفسنا سے خود ذات آنحضرتؐ اور جناب امیر مراد ہیں۔ اور اہل عرب اپنے عم زاد برادر کو اپنا نفس کہا کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ نے بھی فرمایا ہے کہ اپنے نفسوں کو طعنے نہ دو یہاں نفسوں سے مراد بھائی ہیں (ختم) اس تشریح اور توضیح اور کلام الہٰی کی تائید سے بخوبی واضح ہو گیا کہ عم زاد برادر کے لئے ازروئے لغت و محاورۂ عرب "نفس" کا استعمال قطعاً جائز اور سراسر برمحل ہے اور جناب امیر کا ابن عم رسول ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ مزید تائید کے لئے دیگر شواہد نقل کرنا ہم طول کلام کی وجہ سے بھی ضروری نہیں سمجھتے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ ابناء نا حسنین کے لئے رسول اللہ ازروئے لغت ومحاورۂ عرب استعمال کرسکتے تھے یا نہیں۔ اس کا جواب بھی یقیناً اثبات میں ہے۔ مخالف صاحب فرماتے ہیں کہ حسنینؑ آنحضرتؐ کے نواسے تھے اور نواسے کو اہل عرب ابن البنت کہتے ہیں اور ابن نہیں کہتے ہیں۔ اس کا جواب ہم حضرت خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یہاں بیان کرتے ہیں:۔ فرماتے ہیں:۔ اما کون السبطین ابنے رسول اللہ ﷺ فلہ وجہان۔ الاول ان ابن البنت لہ حکم الابن ولھذا ایعد عیسی فی بنی اسرائیل والثانی التبنی فقد ثبت بطرق متعددۃ ان النبیؐ قال ھما ابنای وروی احمد فی مسندہ عن ابی اسحق السبیعی عن ھانی بن ھانی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ قال لما ولد الحسن جاء رسول اللہ فقال اردونی ابنی ما سمیتموہ قلت سمیتہ حربا قال بل ھو حسن فلما ولد الحسین قال اردونی ابنی... الخ (سر الشہادتین صفحہ ۹ و ۱۰) مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحبزادے رسول اللہ کے بیٹے ہی ہیں اور اس کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ نواسے بیٹے ہی کے حکم میں داخل ہیں اور اسی لئے حضرت عیسیٰ کا شمار بنی اسرائیل میں ہوا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں صاحبزادے آنحضرت کے متبنیٰ بھی ہیں اور بہت سے طریقوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابو اسحق سبیعی سے اور انہوں نے ہانی ابن ہانی سے اور انہوں نے جناب امیرؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسنؑ پیدا ہوئے تو

جناب رسالت مآب تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام تجویز کیا ہے تو میں نے (یعنی جناب امیرؑ نے) جواب دیا کہ حرب تجویز کیا ہے۔ اس پر آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ حسن نام رکھو اس کے بعد جب امام حسین پیدا ہوئے تو آنحضرت ؐ نے وہی فرمایا کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ الخ ....

(ختم)

جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کی ان توضیحات و تشریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ ابن البنت خود ابن ہی کے حکم میں داخل ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عیسیٰ کا شمار بنی اسرائیل میں کس طرح ہو سکتا تھا اور اس کے بعد جناب خاتم المحدثین نے حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کی مرویہ ایک صحیح روایت سے خود جناب رسول مقبول ؐ کا ایک ذاتی عمل بھی نقل فرما دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب رسول مقبول ؐ کا حسنینؑ کو اپنا بیٹا بیان کرنا سراسر جائز ہی تھا جناب خاتم المحدثین رحؒ نے موقع و محل کے اعتبار سے صرف ایک ہی روایت یہ کہہ کر نقل فرما دی ہے فقد ثبت بطرق متعددۃ ان النبی قال ھما ابنای ورنہ اگر اس قسم کی روایات اور خاص اہل عرب کی اسناد جمع کی جائیں تو صدہا نہیں بلکہ ہزارہا مقامات سے ایسا ثابت کر دینا بآسانی ممکن ہے مثلاً علامہ فخر رازی رح اپنی مشہور آفاق تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔ ھذہ الآیۃ دالۃ علی ان الحسن والحسین علیھما السلام کانا ابنی

رسول اللہ وعدان یدعوا ابنائہ فدعا الحسن والحسین فوجب ان یکونا ابنیہ ممایوکد ھذا قولہ تعالیٰ فی سورۃ الانعام ومن ذریتہ داؤد وسلیمان .... وذکریا و یحییٰ وعیسیٰ ومعلوم ان عیسیٰؑ انتسب الی ابراھیمؑ بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قد یسمیٰ ابنا (تفسیر کبیر صفحہ ۴۸۸ ج ۲) مطلب یہ کہ آیہ مباہلہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حسنین علیہما السلام رسول مقبول کے دو بیٹے ہیں کیوں کہ رسولؐ نے عیسائیوں سے وعدہ کیا تھا کہ بیٹوں کو بلائیں گے (اسی وعدے کے ایفا میں) رسول نے حسنینؑ کو بلالیا۔ بس یہ مان لینا واجب ہو گیا کہ حسنینؑ رسول مقبول کے بیٹے ہیں اور اس بات کی مزید تاکید خداوند عالم کے اس قول مندرجہ سورۂ انعام سے بھی ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد و عیسیٰ وغیرہما ذریت ابراہیم سے ہیں اور سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ صرف مادری رشتے سے ہی حضرت ابراہیم کی اولاد سمجھے گئے ہیں حضرت ابراہیمؑ سے ان کا کوئی پدری رشتہ نہ تھا پس حضرت عیسیٰؑ کی مثال سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ نواسے کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے (ختم)

اب رہا یہ امر کہ آنحضرت کے عہد مبارک اور اس کے علین ما بعد خواص و عوام بھی حسنین کو ابنان رسول سمجھتے اور کہتے تھے یا نہیں اس کے اثبات میں ہزارہا اسناد میں سے ایک ہی سند صحیح بخاری شریف میں سے ہم یہاں پیش کرتے ہیں اور وہ شہادت حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ اہلسنت صحابی کی ہے جو اہل عراق کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- انظروا الی ھذا یسئل عن دم البعوضۃ وقد قتلوا ابن رسول اللہ وسمعت رسول اللہ یقول ان الحسن

والحسین ھما ریحانتای من الدنیا۔ مطلب یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو کہ مجھ سے مچھر کے خون کی بابت سوال کرتا ہے اور ابن رسول کو قتل کر دیا ہے اور میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسنینؑ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (ختم) نیز ملاحظہ ہو حدیث ترمذی شریف جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں اور جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ پیارا کون شخص ہو نبیؐ نے جواب دیا کہ حسین سب سے زیادہ پیارا ہے اور حضور جناب سیدہ سے فرماتے تھے کہ میرے بیٹوں کو بلاؤ اور جب دونوں صاحبزادے آتے تھے تو آپ انکی خوشبو سونگھتے اور سینے سے چمٹا لیتے تھے۔

دوسری ایک روایت میں ہو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرا بیٹا حسین اس زمین میں شہید ہوگا جس کا نام کربلا ہے پس جو کوئی بھی وہاں موجود ہو اس کی مدد کرے (ابن کثیر وغیرہ) اسی طرح حدیث صحیح ومشہور جناب امام حسنؑ کے متعلق صحاح میں موجود ہے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں اس کی بدولت صلح ہوگی الخ

الغرض کلام الہٰی سے بھی ابن البنت کا ابن کے حکم میں داخل ہونا ثابت ہے رسول مقبولؐ کے ارشادات جابجا موجود ہیں کہ حسنینؑ کو آپ اپنا بیٹا ہی کہہ کر خطاب فرماتے رہے۔ صحابۂ کرام نے بھی حسنین کو رسول کا بیٹا ہی کہا اور تمام اہل عرب و عجم بھی اسی طرح کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں اور از روئے لغت دیکھا و روہ اہل عرب یہ سراسر جائز بھی ہی اور جب خود کلام الہٰی سے بحوالہ حضرت عیسیٰ اس کے جواز بر سند بیان میں آلی۔ تو کسی دوسری طرف نظر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہو مگر ہمارے مخاطب والا مقام کے نزدیک محض اس وجہ سے کہ اس سے حسنینؑ کی ایک ایسی عت

عظیمہ وفضیلت لاثانی ثابت ہوتی ہی کہ اگر ہزاروں لاکھوں امیرالمومنین یزید بھی آجائیں تو حسنینؓ کے غلاموں میں بھی شمار ہونا ان کے لئے موجب صد فخر و مباہات ہوگا رسول اللہ کی فرزندی کا رشتہ بیان میں آنا طبع نازک پر گران گزرتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ حسنین کو رسول اللہ کا بیٹا کہنا خلاف محاورۂ عرب ہے۔ کیا خوب۔ لغت عرب کی باریکیوں اور محاورۂ عرب کے لطائف کو نہ سمجھا تو خود رسول نے نہ سمجھا۔ صحابہؓ نے نہ سمجھا۔ تمام اہل عرب و عجم نے نہ سمجھا اور سمجھا تو محض ہمارے مخاطب عالی مقام نے۔ محبت دودمان یزید کا تقاضا بھی یہی ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ نسائنا کے استعمال کا جواز آنحضرت کے لئے تا بجناب سیدہ ازروئے لغت و محاورۂ عرب صحیح مانا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ہمارے مخاطب کا استدلال اس طور پر ہے کہ کسی زبان میں بھی کسی کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا جائز نہیں سمجھا گیا اس لحاظ سے جناب سیدہؑ کو نسائنا میں داخل کرنا صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ جب نساء کا ذکر مطلقاً کیا جائیگا تو خاندان کی تمام عورات کا شمول بتقاضائے وقت و مقام لفظ نسأ میں ہر زبان میں جائز سمجھا جاتا ہے مثلاً زید کہہ سکتا ہے کہ ہمارے گھر کی عورات نے حامد کے گھر کی عورات کو مدعو کیا ہے یا مثلاً زید اور حامد کے گھر کی مستورات نے مل کر سفر کیا۔ اس قسم کے بیانات میں قرینۂ کلام متقاضی ہی کہ زید اور حامد کی بہو بیٹیاں پوتیاں ازواج اور ان کی مائیں سب کا شمول قطعاً جائز ہے یا بالفاظ دیگر قرینہ حالیہ ہی اس کا تصفیہ کرسکتا ہے کہ علاوہ ازواج کے دیگر عورات کا شمول بیان ہو رہا ہی یا نہیں مثلاً کلام اللہ میں جس مقام پر بھی جناب رسول مقبول کی اضافت خاص سے نساء کا ذکر نساء النبی کی تخصیص سے بیان

ہوا ہے وہاں یہی سمجھا جائیگا کہ ازواج نبی ہی سے مطلب ہے اور جب تک ایسی کوئی اضافت یا قرینۂ خاص متقاضی نہو نساء میں گھر کی تمام عورات کا شمول قطعاً جائز سمجھا جائیگا کوئی دلیل یا کوئی نظیر جناب مخاطب نے لغت و محاورۂ عرب سے ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو سکتا کہ نسا کا لفظ ازواج کی حد تک ہی بہرحال مقید سمجھا جاتا ہے اس لحاظ سے ہمیں بھی اس کے جواب میں مزید خامہ فرسائی غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔

دعوے تو یہ تھا کہ کسی زبان میں بھی کسی کی بیٹی کو نساء میں داخل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اس دعوے کی تائید میں عرب و عجم کے لغات و محاورات سے نہ کوئی دلیل ہی پیش کی گئی اور نہ کوئی نظیر اور اس لحاظ سے اگرچہ اس کا بار ثبوت سراسر بدوش جناب مخاطب ہی ہے ہم محض تبرعاً صرف ایک ہی نظیر کلام الٰہی سے یہاں ایسی پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ نساء کا استعمال غیر ازواج کے لئے بھی قطعاً جائز ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہو گا کہ جب کبھی ابناء کے ساتھ بطور ردیف لفظ نساء لایا جائے گا وہاں باعتبار قرینہ نسا کے مفہوم میں دختران داخل سمجھی جائیں گی قال اللہ تعالےٰ یذبحون أبناءکم ویستحیون نساءکم یعنی تمہارے فرزندوں کو فرعون کے لوگ ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو کنیزیں بنا لیتے تھے۔

اب تک جو بحث لکھی گئی اس کا نتیجہ چند الفاظ میں یہ نکلتا ہے کہ انفسنا میں جناب امیرؑ کا ابناءنا میں حسنینؑ کا اور نساءنا میں جناب سیدہؑ کا شمول ازروئے لغت و محاورۂ عرب قطعاً جائز ہے۔

اس جواز کے اثبات کے بعد وقوع کی بحث شروع کی جاتی ہے سوال زیر بحث یہ ہے کہ آنحضرتؐ ان چار اصحاب طاہرین کو ہمراہ لے کر کس غرض سے برآمد ہوئے تھے۔ کیا آپ نے عیسائیوں سے مباہلہ کرنے کی غرض سے برآمد ہوئے تھے یا اس غرض سے برآمد ہوئے تھے کہ عیسائیوں

سے شرائط مباہلہ ہی طے کی جائیں اور آئندہ کوئی وقت خاص مباہلہ کی غرض سے بتراضی طرفین مقرر کیا جائے۔ اس بحث کی تفصیلات میں جانے سے قبل ہم اپنے مخاطب کا نقطہ نظر یہاں واضح کر دینا چاہتے ہیں خود حضرت مخاطب کے الفاظ میں ان کا نقطۂ نظر ملاحظہ فرمایئے تحریر فرماتے ہیں :۔ رسول مقبول نے بحکم خداوندی مخالف جماعت کو مباہلہ کر لینے کا سنا دیا اس پر مخالفین نے کہا کہ ہم آپس میں مشورہ کر لینے کے بعد اس کا جواب دیں گے جناب رسول مقبول مباہلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور قبل از وقت ہی آپ نے حسنینؑ اور جناب فاطمہ زہرا کو مباہلہ میں شریک ہونے کے لئے طلب فرمایا تھا۔ مگر جب عیسائی جماعت نے باہم مشورہ کیا تو ان کے اکابر نے مباہلہ نہ کرنے کی رائے قائم کی اور مباہلہ کے آخری نتیجے سے خوف زدہ ہو گئے اور بالآخر جزیہ دینے کی شرط منظور کر لی اور مباہلہ کئے بغیر ہی اس معاملہ کو ختم کر دیا بالفاظ دیگر یہ کہ مجوزہ مباہلہ کی شرائط اور مبادیات طے ہونے بغیر ہی عیسائیوں نے یہ معاملہ ختم کر دیا۔ ہاں اگر شرائط مباہلہ فریقین میں طے ہو جاتے اور باقاعدہ مجلس مباہلہ منعقد ہوتی تو اس وقت دیکھا جا سکتا تھا کہ :۔ آنحضرت صلعم کن کن لوگوں کو اپنے ہمراہ مجلس مباہلہ میں لاتے ہیں اگر خاص مجلس مباہلہ میں بھی حضور انہیں حضرات کو لاتے اور ازواج یا کسی دوسرے کو اس مجلس میں نہ لاتے تو سمجھا جا سکتا تھا کہ آیہ مباہلہ کے مصداق صرف یہی اصحاب ہیں اور بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ اگر مجلس مباہلہ منعقد ہوتی تو آپ اپنی ازواج کو ضرور ہمراہ لاتے کیونکہ نساءنا کے مفہوم میں سوائے ازواج کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہو سکتا جو حضرات اس آیت کے مفہوم میں داخل نہ ہو سکتے تھے ان کو آپ نے قبل از وقت ہی بغرض تالیف قلب اس غرض سے بلا لیا تھا کہ ان کی دل شکنی نہ ہونے پائے اور اپنی عدم شرکت کے باعث

ملول نہوں اور جو اشخاص درحقیقت آیہ زیر بحث کے مذکورین تھے ان کے طلب کرنے میں آپ نے قصداً تاخیر کی تاکہ مخالفین کی منظوری معلوم ہو کر شرائط مباہلہ اول طے ہو جائیں پھر خاص مجلس مباہلہ میں مذکورین فی الآیت یعنی ازواج وغیرہ کو بلا لیا جائے یہی عمل آنحضرت نے آیہ تطہیر کے نزول کے وقت بھی کیا تھا اور جو لوگ اہل بیت میں داخل ہو سکتے تھے ان کو کساء میں لے کر دعا مانگی تھی اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رض کی استدعا پر فرما دیا تھا کہ انک علیٰ خیر یعنی تم تو بہتر حالت میں ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مباہلہ کی تجویز تو آنحضرت نے پیش فرما دی تھی لیکن فریق مخالف سے نہ تو اس کے شرائط ہی طے ہوئے اور نہ کسی مجلس مباہلہ کا انعقاد ہی ہوا اس لحاظ سے کوئی منقبت مباہلہ کی حد تک ان افراد کے حق میں ثابت نہیں کی جا سکتی ہے... الخ۔

اس عبارت سے ہمارے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہمارے مخاطب کے نزدیک آنحضرت شرائط مباہلہ طے کرنے اور مخالفین کا عندیہ معلوم کرنے کی غرض خاص سے مع اصحاب کساء برآمد ہوئے تھے اس بیان کی رکاکت اور سخافت اس قدر بدیہی ہے کہ بغیر کسی تردیدی عبارت کے لکھے ہوئے از خود ہی عیاں ہے جائے غور ہے کہ بقول مخالف ابھی شرائط مباہلہ بھی طے نہیں ہوئے بلکہ ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ فریق مخالف مباہلہ پر آمادہ بھی ہے یا نہیں پھر جناب رسول مقبول ص کا مع اصحاب کساء برآمد ہونا کس غرض سے تھا۔ کیا اصحاب کساء کو اسی غرض سے آنحضرت نے ہمراہ لیا تھا کہ فریق مخالف کی رضامندی یا نارضامندی کا حال ہی معلوم کریں یا شرائط مباہلہ پر ان بچوں اور اپنی دختر و داماد سے بحث مباحثہ کرایا جائے اور شرائط طے کرائے جائیں۔ ایک بچے کے واسطے بھی مخاطب کی یہ توجیہ قابل قبول نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔ آنحضرت خاص

مباہلہ کرنے کی غرض ہی سے برآمد ہوئے تھے ورنہ اصحاب کسا کو ہمراہ لے کر برآمد ہونا قطعاً بے معنی ہو جائے گا! ابھی ہمارے ناظرین نے تفسیر کبیر کی عبارت وعد ان یدعوا ابنائہ فدعا الحسنین الخ ملاحظہ فرمائی جس سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ حسنین وغیرہما کو آنحضرت صلعم نے حسب وعدہ وقرارداد ہی اپنے ہمراہ لیا تھا کیا کوئی عقل بھی اسے قبول کر سکتی ہو کہ فریق مخالف کی رضامندی معلوم کرنے یا شرائط مباہلہ طے کرانے کی غرض سے آنحضرت اپنے دو پھول بچوں اور اپنی دختر سیدۃ النساء العالمین کو لے کر برآمد ہوئے تھے۔ دراصل یہ توجیہ بیان کردہ حضرت مخاطب از سرتاپا غلط اور ایجاد بندہ کے طور پر ہے مباہلہ کی قرارداد حضور ص کے اس طرح برآمد ہونے سے ایک روز قبل ہی طے ہو چکی تھی اور اسی قرارداد کی پیش رفت میں دوسرے روز آنحضرت مع اصحاب طاہرین کسا علیہم السلام برآمد ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو:- قال جابر فدعاھما الی الملاعنۃ فوعداہ الی الغد فغدا رسول اللہ اخذ بید علی وفاطمہ والحسن والحسین فابیا ان یجیباہ واقرالہ فقال والذی بعثنی بالحق لو فعلا لامطر الوادی علیہما نارا قال جابر فیہم نزلت تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم الآیہ قال جابر انفسنا وانفسکم رسول اللہ وعلی رض وابناءنا الحسن والحسین ونساءنا فاطمہ۔ (تفسیر درمنثور للسیوطی رح) مطلب یہ کہ حضرت جابر رض نے بیان فرمایا کہ (گفتگو ہونے کے بعد) رسول مقبول نے مخالفین کو ملاعنہ (یعنی مباہلہ) کی دعوت دی. پس مخالفین نے دوسرے دن کے لئے وعدہ کر لیا پس دوسرے روز رسول ص نے

علی و فاطمہ و حسنین علیہم کا ہاتھ پکڑا مگر جب مخالفین کو للکارا گیا تو وہ مباہلہ سے روگرداں ہو گئے اور آنحضرت کی حقیقت کا اقرار کرنے لگے اس وقت رسولؐ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی جس نے مجھے حق پر مبعوث فرمایا ہے کہ اگر مباہلہ ہو جاتا تو ان پر اس وادی میں آگ کی بارش ہو جاتی۔ جابر رضؓ کا بیان ہے کہ انہیں اصحاب کسا کی شان میں مباہلے کے متعلق آیتِ مباہلہ نازل ہوئی ہے اور یہ بھی حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ انفسنا سے رسول و علی اور ابناءنا سے حسنین اور نساءنا سے جناب فاطمہؑ مراد ہیں (ختم)

الغرض صدہا مقامات سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ خاص مباہلہ ہی کی غرض سے آنحضرتؐ مع اصحاب کسا برآمد ہوئے تھے۔ یہ بیان کہ حضورؐ ان اصحاب کسا کو محض فریق مخالف کا عندیہ معلوم کرنے اور بشرطِ ضرورت شرائط مباہلہ طے کرنے کے لئے برآمد ہوئے تھے قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتا نہ عقلاً اور نہ نقلاً۔ صدہا مقامات پر اہل علم نے بیان کر دیا ہے کہ مباہلہ کی قرارداد تو ایک روز قبل (یعنی ۲۳ ذی الحجہ کو) ہو چکی تھی اور اسی قرارداد کی پیش رفت میں خاص بغرض مباہلہ آپ مع اصحاب کسا برآمد ہوئے تھے اسی سلسلے میں ملاحظہ ہو:۔ "وکان رسولؐ خرج وعلیہ مرط من شعر اسود وکان قد احتضن الحسین واخذ بید الحسن وفاطمۃ تمشی خلفہ وعلی رضؓ خلفها ویقول اذا دعوت فامنو (تفسیر کبیر صفحہ ۶۹۹) یعنی رسول مقبول (مباہلہ کے لئے) اس طرح برآمد ہوئے کہ جسم مبارک پر سیاہ اونی چادر تھی اور حسینؑ آپ کی گود میں تھے اور حسنؑ کا آپ ہاتھ پکڑے ہوئے اور جناب سیدہ آپ کے عقب میں اور جناب امیرانؑ کے عقب میں

تھے اور حضور ص اپنے ان ہمراہیوں سے فرماتے جاتے تھے کہ جب میں (دوران مباہلہ) دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ ابھی اور بھی ملاحظہ ہو :- وقد غدا محتضنا الحسین رض اخذ ابید الحسن رض وفاطمة تمشی خلفه وعلی خلفها ویقول انا اذا دعوت فامنوا (تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۰۴) یعنی آنحضرت حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مباہلہ کے لئے تشریف لاتے تھے اور آپ کے عقب میں جناب سیدہ اور ان کے عقب میں جناب امیر تھے اور ان اصحاب کسا سے حضور فرماتے جاتے تھے کہ میں مباہلے کے وقت دعا کروں تو تم سب آمین کہنا (ختم)

سبحان اللہ کیسے مقدس اور تمام عالم کے منتخب افراد کا یہ مختصر قافلہ تھا کہ احقاق حق و ابطال باطل کے مقصد وحید و فرید کے لئے باعلام روحانی والہام ربانی برآمد ہوا تھا۔ یہ جہاد بالسیف نہ تھا بلکہ یہ جہاد لسانی و روحانی تھا اور اس مہم کے فتح کرنے کے لئے جناب شیر خدا اور جناب سیدۃ نساء العالمین اور سیدا شباب اہل الجنۃ (باایں ہمہ صغر سن) خود شہنشاہ کونین کی سرکردگی میں برآمد ہوئے تھے کہاں ہیں اہل دل ذرا چشم تصور سے اس مقدس و مختصر قافلے کی نقل و حرکت پر ایک نظر ڈالیں اور اپنا ایمان تازہ کریں ان کے یہ کارنامے قیامت تک زندہ رہنے والے اور ان کے محامد جلیلہ و مناقب عظیمہ ہمیشہ کے لئے اہل ایمان ذوقیان کے لئے باعث فرحت قلب و راحت روح قائم و دائم رہنے والے ہیں حسینؑ تو جسم اطہر و مطہر نبوی پر سوار ہیں اور حسنؑ کی حضور انگلی پکڑے ہوئے چل رہے ہیں۔ اور سیدۃ النساء اور سید العرب آپ کے پیچھے پیچھے ہیں آخر یہ کیسی مجاہدانہ ممانشاۃ تھی

جس کا تصور بھی اب تک اقلیم قلب و روح میں لرزہ فگن ہے۔ کہاں سے وہ الفاظ لائے جائیں کہ اس مقدس فریضہ تبلیغ و جہاد روحانی کی مدح کا کوئی ادنیٰ حق بھی ادا کیا جا سکے۔ جیسے جیسے یہ قافلہ آگے بڑھتا جاتا ہے حضور اپنے ان جگر گوشگان سے فرماتے جاتے ہیں کہ دیکھو جب بوقت مباہلہ میں دعا کرتا جاؤں تو تم سب اس پر آمین کہتے رہنا۔

مگر کیا کہا جائے بعض سنی نما نواصب بد اندیش کو اور کچھ نہیں تو یہی کہہ دیا کہ مباہلہ کی قرارداد ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ قافلہ تو محض مخالف جماعت کا عندیہ معلوم کرنے اور بشرط ضرورت شرائط مباہلہ طے کرنے کی غرض ہی سے برآمد ہوا تھا اور اگر یہ مباہلہ قرار پا جاتا تو دیگر افراد جن کا ذکر آیہ مباہلہ میں ہے مخالفین کے مقابلے میں لائے جاتے۔ نازم بریں حسن اعتقاد، رسول مقبول تو اپنے مقدس ہمراہیوں کو ہدایت فرماتے جا رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ کیا یہ اعلےٰ ترین شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ آنحضرت خاص کارزار مباہلہ کے میدان ہی کو تشریف لے جا رہے ہیں اس آمین گوئی کی تلقین قطعی طور پر ثابت کر رہی ہے کہ "ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوئے" کا مضمون صادق آنے والا ہے اور آپ میدان مباہلہ کے لئے تیاری کر کے ہی اپنے خانہ سعادت کاشانہ سے برآمد ہوئے ہیں مگر اسے کیا کیا جائے کہ افراد مقدسۂ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی ہر منقبت جلیلہ ثابت شدہ کی سماعت سے ان نواصب پر بخار سا چڑھنے لگتا ہے۔ علامہ جاراللہ زمخشری اپنی مشہور و معروف تفسیر میں (جس کا حاشیہ حضرت خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) تحریر فرماتے ہیں:۔ دفیہ دلیل لاشئ اقوی منہ علیٰ فضل اصحاب الکساء (تفسیر کشاف صفحہ

صفحہ ۲۰۸) یعنی واقعہ مباہلہ میں ایسی فضیلت کی دلیل اصحاب کسا کے لئے موجود ہے جس سے زیادہ اور کوئی قوی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (ختم) اور اسی سلسلے میں قاضی بیضا تحریر فرماتے ہیں وھو دلیل علیٰ نبوتہ وفضل من اتی بھم من اھلبیتہ (بیضاوی شریف صفحہ ۱۰۴) یعنی واقعہ مباہلہ میں آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت پر اور آپ کے اہل بیت کی فضیلت کے لئے دلیل موجود ہے۔ (ختم) مگر ہمارے مخاطب یہ ہی فرمائے جاتے ہیں کہ اصحاب کسا مذکورین آیہ مباہلہ ہی نہیں ہیں کیونکہ علیؑ نفس رسول نہیں ہو سکتے۔ نساءنا میں جناب سیدہؑ کا شمار نہیں ہو سکتا اور حسنینؑ ابن البنت ہونے کی وجہ ابناءنا کی تعریف میں داخل نہیں ہیں (یہ بحث اسی مقالہ میں اوپر گذر چکی)

مخاطب عالی مقام تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر صحیح روایات سے پایا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے بدوران نزاع بلایا ہی نہیں تھا۔ ہمیں اشتیاق تھا کہ وہ کون سی اکثر صحیح روایات ہو سکتی ہیں جن سے کارروائی مباہلہ میں جناب امیر کی عدم شرکت ثابت کی جا سکتی ہے۔ اب جو دیکھا گیا تو حضرت مخاطب نے بقول خود اکثر روایات صحیحہ کا قصر صرف ایک ہی روایت مندرجہ تفسیر طبری پر فرما کر اس ایک ہی روایت مغشوش و مردود کو اکثر صحیح روایات سے تعبیر فرمایا ہے ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ صرف ایک ہی روایت اکثر صحیح روایات کی ہم عدد قرار دی گئی ہے۔ اس روایت کا یہ ترجمہ جناب مخاطب نے درج فرمایا ہے:- "ہم سے ابن حمید نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں کہ ان سے ابن جریر نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے مغیرہ سے کہا کہ لوگ نجران کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ علی بھی آنحضرت صؐ کے ساتھ تھے تو انہوں نے کہا کہ شعبی نے علیؑ کا ذکر نہیں کیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ بنی امیہ کا خیال چونکہ علی کی طرف سے خراب

تھا اس وجہ سے شعبی نے ان کا ذکر نہیں کیا یا در اصل وہ تھے ہی نہیں (ختم)

ایہا الناظرین ملاحظہ فرمایا آپنے یہ تھی وہ ایک ہی مغشوش و مردود روایت جس کی بنا پر ہمارے مخاطب نے بقول خود اکثر صحیح روایات میں جناب امیر کی عدم شرکت مباہلہ بیان کردی ہے اور جس کا اغتشاش روایت کے الفاظ ہی سے بخوبی پیدا ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ الفاظ تفسیر کا صحیح ترجمہ دیا گیا ہے تب بھی کسی طرح دعوئ زیر بحث کو اس روایت کی بنا پر ہرگز ہرگز ثابت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خود روایت میں بیان ہے کہ جناب امیر کی عداوت کے باعث اس کا امکان ہے کہ راوی اول نے آپ کا نام ترک کر دیا ہے اور ایسا بالقصد کیا گیا ہے کہ بنی امیہ جناب امیرؑ کے مخالف تھے۔ تمام دنیا کی متفقہ و مصدقہ روایات صحیحہ کے خلاف ایسی مغشوش و مردود روایت منفردہ کو استدلال میں پیش کرنا جس کا اصل بیان خود بھی اسے مشکوک قرار دے رہا ہے کچھ ہمارے مخاطب عالی مقام ہی کی ہمت کا کرشمہ ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اس وقت اور کیا عرض کیا جائے اگر ہم اپنی طرف سے علامہ طبری کی کوئی عبارات پیش کر دیتے تو ہمارے مخاطب یہ کہہ کہہ کر زمین و آسمان ایک کر دیتے کہ طبری کے متعلق اب تو بالاتفاق یہ طے پا چکا ہے کہ یہ رافضیوں کے سرغنہ ہیں اور ان کا ہر قول ساقط الاعتبار بلکہ مردود ہے مگر اپنے دعوے بے ہنگم کے اثبات کے لیے مردود سے مردود روایت طبری کو پیش کرنے میں ادنیٰ تامل بھی نہیں ہوتا کوئی ہزار کوشش واقعات مسلمہ ثابت شدہ کی تردید کی کئے جائے مگر کیا ہوتا ہے۔ جن پاکباز و محفوظ و مقدس افراد کے نصیب میں مباہلہ کی شمول کی باعث ہزاراں ہزار عزت منقبت عظیمہ لکھی تھی وہ ان کو حاصل ہو کر ہی رہی اور یہ وہ عزت ذاتی و منقبت خاص الخاص ہے جس کا دامن قیامت کے دامن سے وابستہ ہے۔ یہ امیر

معاویہ کی منقبت خاص ثابت شدہ لا اشبع اللہ بطنہ اور ان کے ملک عضوض کے لقب خاص امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین سے کوئی نسبت نہیں رکھتی ہے۔

ہمارے مخاطب فرماتے ہیں کہ :- "جس شخص نے بھی ان چار اشخاص کا تعلق واقعۂ مباہلہ سے ظاہر کیا ہے اس سے یہ غلطی محض اس لئے ہوئی ہے کہ اس وقت رسول اللہؐ نے بغرض تالیف قلوب و دلجوئی انہیں چار اشخاص کو بلا لیا تھا۔ اب رہا نفس واقعہ کی حد تک بیان یہ ان کی ذاتی رائے ہے یہ کوئی قول خدا و رسول نہیں ہے کہ انفسنا میں علیؑ اور ابناءنا میں حسنینؑ اور نساءنا میں جناب فاطمہؑ داخل ہیں۔ بلکہ اسے قولِ خدا اور رسول کہنا سراسر کذب و افتراء ہے (ختم)

جواباً نگارش ہے کہ رسول مقبولؐ کا کوئی عمل کوئی قول کوئی حرکت ہرگز ہرگز بے معنی و لایعنی نہیں ہے۔ آیہ مبارکہ میں ابناءنا و نساءنا و انفسنا ہی اصحاب مباہلہ بیان ہوئے ہیں انہیں کو ہمراہ لے کر حضور مقابلہ و مباہلہ کے لئے برآمد ہوتے ہیں۔ انہیں کو تلقین بھی فرماتے جاتے ہیں کہ میری دعا پر آمین کہتے جانا۔ یہ آج نیا ہی انکشاف ہوا کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کے لئے رسول نے ان کو بلا لیا تھا ورنہ یہ مخاطبین و مذکورین آیہ مباہلہ ہی نہیں ہیں۔ تالیف قلب کی توجیہ بھی عجیب توجیہ ہے اور شاید یہ خاص اس غرض سے ہمارے مخاطب خوش فہم دور بین و دور اندیش نے بیان کر دی ہے کہ اصحاب کساء علیہم السلام بھی مثل طلقا بھجوا امیر معاویہ وغیرہ اس تالیف قلب کا بیان ہو جانے سے مولفۃ القلوب کی جماعت میں شریک کر دیئے جائیں۔ نازم بریں فطانت و ذہانت و دور اندیشی۔ حضور صلعم انہیں لوگوں کو ہمراہ لے کر برآمد ہونے کے لئے منجانب اللہ مامور و محکوم تھے جن کا ذکر آیہ مبارکہ میں ہے کسی غیر کو آپ کس طرح ہمراہ لے کر میدان مباہلہ کی طرف

تشریف لے جا سکتے تھے، انہیں ماموریں کو آپ ہمراہ لے کر آمین گوئی کی تلقین کرتے ہوئے برآمد ہوئے آپ کا قول اور آپ کا فعل خود پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہی اصحاب مباہلہ ابناءنا ونساءنا وانفسنا ہیں اور یہی تشریح تمام اکابر امت بھی اب تک کرتے چلے آرہے ہیں، خود آپ کا عمل شریف ہی ہزار لسانی تصریحات سے زیادہ ہے اگر حضرت مخاطب اس وقت وہاں موجود ہوتے تو شاید رسول مقبول سے یہ کہے بغیر ہرگز نہ رہتے کہ حضرت آپ یہ کیا غلطی کر رہے ہیں ابناءنا میں حسنینؑ کا نساءنا میں فاطمہؑ کا اور انفسنا میں علیؑ کا داخلہ قطعاً لغت ومحاورۂ عرب کے خلاف ہے آپ کو تو تمام اصحاب اور ان کی اولاد ونساء کو اور اپنی ازواج کو ہمراہ لینا چاہیئے جب کہیں حکم خداوندی کی تعمیل ہوسکے گی خدا کا منشا تو ان چار اصحاب کو شریک کرنے کا ہے نہیں پھر آپ محض تالیف قلب اور دلجوئی کے لئے یہ عمل کیوں کر رہے ہیں اور ابھی تو شرائط مباہلہ پر گفتگو ہوکر کوئی قرارداد مباہلہ ہی نہیں ہوئی ہے پھر آپ قبل از وقت ہی ان کو کیوں ہمراہ لئے جا رہے ہیں (معاذاللہ معاذاللہ صد بار معاذاللہ) اور اسی دلداری وتالیف قلب کی دوسری مثال ہمارے مخاطب نے آیہ تطہیر کے نزول کے سلسلے میں بیان فرمادی کہ جو لوگ اہلبیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے ان کو کسا میں لے کر آپ نے دعا فرمائی اور جو لوگ حقیقی اہلبیت تھے ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا (ختم)

الفاظ نہیں ملتے کہ جناب مخاطب عالی مقام کی اس تحقیق انیق کی داد دی جائے خدا نہیں چاہتا کہ ان چار تن کو اہلبیت مندرجہ آیہ تطہیر قرار دے مگر بخلاف حکم خداوندی نبی اپنی امکانی کوشش لغرض تالیف قلب کئے چلے جا رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اصحاب کسا کو داخل اہلبیت آیہ تطہیر کر لیا جائے خدا نہیں چاہتا کہ یہ اہل کسا مباہلہ میں

میں شریک کئے جائیں مگر بنی بخلاف حکم خداوندی مباہلہ کی غرض سے انہیں چار کو لے کر برآمد ہوتے ہیں اور بقول جناب مخاطب ان کی تائید قلب کے لئے ایک مشتق "حماشاہ" (ری ہرسل)، یہ کہتے ہوئے کراتے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہتے جانا۔ عیاذاً باللہ اہل بیت رسول کی مخالفت بے جا میں ان نواصب بداندیش نے اس کا بھی مطلقاً لحاظ نہیں کیا کہ ہم اصحاب کسا کے مدارج عالیہ گھٹانے کی تگ ودو میں خود رسول مقبول کے اعمال کو مجروح قرار دے رہے ہیں۔ اگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا کہ یہ اصحاب کسا داخل تطہیر نہوں تو رسول مقبول کی یہ مجال نہو سکتی تھی کہ بخلاف منشاء خداوندی ہدایت عامہ کی غرض سے اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اھلبیتی سے تصریح فرماتے۔ اگر منشائے خداوندی ان اصحاب کسا کو مباہلین میں داخل کرنے کی نہ تھی تو رسول ؐ کی مجال نہ تھی کہ آپ کو بغرض مباہلہ نکال کر لاتے اور انہیں آمین گوئی کی تلقین کرتے جاتے کہ اذا دعوت فاٰمنوا۔

اور جب اصحاب کسا علیہم السلام کو ہمراہ لے کر آنحضرت بتعمیل حکم خداوندی میدان مباھلہ میں تشریف لے آئے تو وہاں کیا ہوا اور فریق مخالف پر کیا گذری۔ اسے علامہ ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ کے الفاظ میں سنئے:۔ فلما راٰھم قالوا ھٰذہ وجوہ لوا قسمت علی اللہ ان یزیل الجبال لازالھا ولم یباھلوہ وصالحوہ (تاریخ کامل صفحہ ۱۱۲ ج ۲) یعنی جب مخالفین نے ان پانچ مقدس ہستیوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہ چہرے ہیں جو اگر خدا سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کی خواہش کریں تو خدا ہٹا دے گا پس انہوں نے مرعوب ہو کر مباہلہ نہ کیا اور صلح کرلی۔ (ختم)

میدان مباہلہ کا یہی تاریخی منظر دکھاتے ہوئے صاحب حبیب السیر نے چند اشعار درج فرمائے ہیں جنہیں ہم اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لئے یہاں نقل کئے دیتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

چو چشم نصاریٰ و اہل عناد | براں پنج عالی گہر او فتاد
چنیں گفت اسقف کہ ایں پنج فرق | کہ مانندآں نیست در غرب و شرق
چو خواہند از کردگار جہاں | کہ ایں کوہ را بر کنند از میاں
شود آں دعا در زماں مستجاب | ز نفریں ایشاں کنید اجتناب
شنیدم کہ در گرد آں پنج شمع | کہ در سایہ پروردہ بودند جمع
چو پروانہ می گفت روح امیں | کہ اے بادشاہان دنیا و دیں
دریں سایہ گر جائے باشد مرا | کنم سر فرازی بہر دو سرا

اسی واقعہ مقدسہ مباہلہ کی تصویر کشی موجودہ صدی کے ایک مقدس بزرگ جناب فخر الہند حضرت علامہ و مولینا جناب محمد حبیب الرحمٰن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند اپنی مشہور و معروف کتاب مستطاب "اشاعت اسلام" میں (جو حضرت حکیم الامت محی السنہ مجدد الملت جناب مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی کی تقریظ صداقت حفیظ سے مزین ہے) اس طرح کرتے ہیں:۔ نصاریٰ نجران نے رسول اللہ سے مباہلہ کرنا چاہا اور آپ نے ان پر کسی سختی اور سرزنش کو روانہ رکھا بلکہ حق واضح کرنے اور دنیا پر حقیقت الامر منکشف کرنے کے واسطے مباہلہ پر آمادہ ہو گئے اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت علی اور حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر مباہلہ کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ نصاری نجران آخر اہل کتاب تھے وہ علم کے درجہ میں سب کچھ جانتے تھے وہ آپ کو اور اس مقدس و پاک جماعت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ

اگر ہم نے مباہلہ کیا تو نہ صرف ہمارا بلکہ دنیا کے نصرانیوں کا استیصال ہو جائے گا۔
آپ کی بددعا ایسی نہیں ہے کہ پھر دنیا میں کوئی نصرانی باقی رہ جائے۔ آپس میں ایک
دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ چہرے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالےٰ پہ پہاڑوں کو ان کی جگہ
ہلا دینے کی قسم کھا بیٹھیں تو وہ ضرور ہی پوری کرے اس طرح وضوح حق اور سمجھ لینے
او، جان لینے کے بعد بھی ایمان نہ لائے بلکہ مصالحت کی درخواست کی اور آپ نے
بطیب خاطر ان سے مصالحت کر لی... الخ (اشاعت اسلام صفحہ ۴۹)

اب ہم یہاں چند احادیث نبوی اور بعض دیگر شواہد نقل کرتے ہیں جن سے خاص
طور پر معلوم ہو سکے گا کہ جناب رسول مقبول نے متعدد مقامات پر جناب امیرؑ کو اپنا نفس
اور ذات واحد یا بالفاظ دیگر یک جان و دو قالب ہونا بیان فرمایا ہے کسی شخص کو کسی
دوسرے کا نفس بیان کرنے سے مقصد اصلی کمال اتحاد و انتہائی تعلق یگانگت و مراتب
الفت و محبت ہی ہو سکتا ہے ورنہ نفس کے حقیقی معنی کے اعتبار سے تو اس کا تحقق قطعاً
ناممکن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمامی مراتب انتہائی یگانگت اور محبت و
الفت اور تعلقات نسبی و صہری وغیرہ کے جناب امیرا ور رسول مقبول کے درمیان موجود
تھے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کی موجودگی میں ان دونوں برگزیدہ
ہستیوں کو یک جان و دو قالب اور جناب امیرؑ کو نفس رسول تسلیم کر لینا واجبات سے ہے

سب سے زیادہ واضح دلیل جناب علیؑ کے نفس رسول ہونے کی خود جناب رسول
مقبولؐ کا عمل شریف ہے جو مباہلہ کے سلسلے میں ظاہر ہوا۔ اور آنحضرت نے ناقابل تردید
طور پر اپنے اس عمل سے واضح کر دیا کہ جناب امیر آپ کے نفس ہیں بالفاظ دیگر یہ کہ آپ نے
اپنے اس عمل شریف سے الفاظ آیہ مباہلہ کی عملی تفسیر و تشریح دنیا کے روبرو کر دی۔ کہ

کا نفس وہی دوسرا شخص ہو سکتا ہے جس کے ساتھ اتحاد و خلوص و یگانگت کا طریقہ بدرجہ کمال ہو۔ اب ایک جھلک اس کمال اتحاد و خلوص و یگانگت کی حضرت سند المحدثین و راس المحققین جناب مولانا شاہ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے معرکہ احد کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :- چوں مسلماناں روئے بہ ہزیمت آوردند و حضرت رسول صلعم را تنہا گذاشتند حضرت در غضب آمد و عرق پیشانی ہمایونش متقاطر گشت و مثال مراورید دوید دراں حالت نظر کرد علی ابن ابی طالب را کہ بر پہلوئے مبارکش ایستادہ است فرمود چوں است کہ تو با برادران خود ملحق نہ گشتی علی گفت لا کفر بعد الایمان ان لی بک اسوہ ..... دریں حین جمعے از کفران متوجہ آنحضرت شد آنحضرت فرمود اے علی مرا ازیں جمع نگہدار و حق خدمت نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است علی متوجہ آں قوم شد و دمار از روزگار ایشاں برآورد و ایشاں را متفرق گردانید و جمعے کثیر را بہ دوزخ فرستاد .... چوں علی مرتضیٰ ایں مردانگی کرد و نصرت داد جبریل با آنحضرت فرمود کہ ایں کمال مواسات جوانمردی است کہ علی با تو می برد۔ آنحضرت فرمود انہ منی و انا منہ یعنی بدرستے علی از من است و من از ویم۔ کنایت است از کمال اتحاد و اخلاص و یگانگی .... و جبریلؑ گفت انا منکما و آوازے شنیدند کہ گویندۂ غیبی می گفت لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار .... الخ (مدارج النبوت صفحہ ۱۲۲)

سبحان اللہ! کیا تعریف کی جائے مقام انہ منی و انا منہ کی اس سے زیادہ مقام اخلاص و اتحاد و یگانگی اور کون سا ہو سکتا ہے کہ "علی از من است و من از ویم" گویا یہ ارشاد فرما کر رسول مقبول صلعم نے بمصداق "من تو شدم تو من شدی" جناب امیرؑ کے

یک جان و دو قالب ہونے کی تصدیق محکم کر دی اور اسی مقام اختصاص ارفع و اعلےٰ پر پہنچ جانے کے بعد ہی تو حضورؐ نے انفسنا کی تفسیر جناب امیر کی ذات والاصفات سے کی اور جناب امیر کو میدان مباہلہ میں لے آئے۔ اب ہزار کوئی کہے جائے کہ فلاں فلاں بھی تحت انفسنا آتے اور آ سکتے تھے اور اگر مباہلہ ہوتا تو فلاں فلاں کو آپ ضرور ضرور بلا لیتے اور فلاں فلاں ضرور شریک نہ ہوتے اگر مباہلہ ہوتا۔ یہ سب ماضی تمنائی کے صیغے ہیں جن کی گردان کئے جائیے اور بس۔ جن کو یہ شرف بالفعل ملنا تھا مل گیا اب لکیر پیٹنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو شخص فی الواقع نفس رسول قرار پایا تھا وہ خود بھی بجا طور پر اور برمحل اس کا ادعا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں :- ان علیا یوم الشوریٰ احتج علی اھلھا فقال انشدکم باللہ ھل فیکم احد اقرب الی رسول اللہ فی الرحم منی ومن جعلہ نفسہ نفسہ وابناءہ ابناءہ غیری قالوا اللھم لا۔ مطلب یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے اصحاب شوریٰ کو خدا کی قسم دے کر دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جو بمقابل میرے رسول اللہ سے زیادہ قرابت رکھتا ہو اور جس کے نفس کو رسول مقبول نے اپنا نفس قرار دیا ہو اور جس کے بیٹوں کو رسول اللہ صلعم نے اپنا بیٹا قرار دیا ہو سب نے کہا کہ خدا کی قسم ایسا کوئی نہیں ہے (ختم) یہ روایت بکثرت دیگر کتب ثقاۃ میں بھی درج ہے۔

اسی طرح ملاحظہ ہو تبلیغ سورۂ برأت کے وقت کا ارشاد نبویؐ جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں :- فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ عنی الا رجل ھو منی وانا منہ فدعا علیا فاعطاہ ایاھا (ترمذی شریف) یعنی یہ آیات

مجھ سے وہی شخص لے جاسکتا ہے جو مجھ سے ہو اور میں اس سے ہوں پس جناب امیرؑ کو آیات سورۂ برأت دے کر روانہ فرمادیا (ختم) حدیث انت منی وانا منک علاوہ صحاح کے بکثرت دیگر کتب حدیث طبرانی و حاکم و بغوی و امام احمد و خصائص نسائی وغیرہ میں بھی درج ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص رض قال لما نزلت ھٰذہ الآیہ فقل تعالوا ندع ابناء نا وابنا ئکم الخ دعا رسول اللہؐ علیا وفاطمہؑ وحسنا وحسینا فقال اللھم ھٰؤلاء اھلبیتی (مسلم شریف. ترمذی شریف مشکوٰۃ شریف وغیرہ) یعنی حضرت سعد روایت کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام کو بلا لیا اور فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں (ختم) یہ روایت کتب صحاح کے علاوہ بھی دیگر کتب حدیث و تفسیر وغیرہ میں درج اور بحد تواتر پہنچی ہوئی ہے اور اس کی صحت سے گاہے کسی نے انکار کیا ہی نہیں خاص نزول آیہ مباہلہ کے وقت آنحضرتؐ کا ان چاروں کا طلب فرمانا اور یہ کہنا کہ یا اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں آخر کیا معنی رکھتا ہے حضور کا یہ قول اور یہ فعل ابلغ من التصریح نہیں تو اور کیا ہے کیا آپ کے اس قول اور فعل سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ نفس رسول اور ابناء رسول کی اور نسا کی اس صراحت سے آیہ مباہلہ میں یہی چار اشخاص مراد ہیں اور یہی ہو بھی سکتے ہیں اور انہیں چار کو آپ مباہلہ میں اپنی طرف سے پیش کرنے کا ارادہ ظاہر فرمارہے ہیں اور میدان مباہلہ میں جاتے وقت انہیں چار کو آپ تعلیم و تلقین بھی فرمارہے ہیں کہ جب میں بوقت مباہلہ دعا کروں تو تم آمین کہنا اس مقام پر اگر ہم بالفرض یہ بھی مان لیں کہ بعض دیگر مسلمان بھی اپنے اپنے

ابنا ونسا کو بوقت مباہلہ لے کر آئے ہوں یا لا سکنے کے مجاز ہوں تب بھی کوئی قباحت نہیں ہو سکتی کیوں کہ باتفاق جمیع امت اس کی صراحت خود رسول نے اپنے قول اور فعل سے غایت وضاحت سے کر دی کہ رسول کا نفس اور ابنا اور نساء جو رسول کی طرف سے مباہلہ میں پیش ہونے والے تھے وہ یہی چار تن طاہرین علیہم السلام تھے اور نفس رسول ہونے کی جولا جواب عزت و منقبت جس کے مقسوم میں تھی وہ اسے حاصل ہو کر ہی رہی و لنعم ما قیل.

خدا نفس پیغمبرش خوانده است
دگر را فضیلت کجا مانده است

جناب امیرؑ کا یہ وہ مخصوص شرف نفس رسول قرار پانے کا ہے جس کا اعتراف تمامی اہل اسلام باستثنائے معدودے چند خوارج ونواصب ہر زمانہ اور ہر زمین میں کرتے چلے آرہے ہیں اور تا لبقیامت کرتے چلے جائیں گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آنحضرت اور جناب امیر کا گوشت پوست ایک، طینت ایک، خون ایک. فطرت ایک طبیعت ایک اسی وحدت جسمی و جانی کا اعتراف تو آنحضرتؐ نے انت منی وانا منک (صحیحین ونسائی وغیرہ) کہہ کر فرمایا تھا پھر کہیں اسی وحدت کا اعتراف علی منی کروحی فی جسدی (کنز العمال صفحہ ۱۵۹) کہہ کر فرمایا کہیں علی نفسی (کنز صفحہ ۴۰۰ ج ۶) کہہ کر آنحضرتؐ نے اس کمال وحدت کا اعتراف فرمایا یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور فرمایا کہ علی میرے جسم میں مثل روح کے ہے. نیز فرمایا کہ علی میرا نفس ہے. دوسرے مقام فرمایا لحمک لحمی و دمک دمی (کنز العمال دیلمی وغیرہ) یعنی اے علی تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے. دیگر ہم مضمون احادیث بھی موجود ہیں مثلاً انا وعلی من شجرۃ واحد (حاکم وطبرانی

ودیلمی) اوراناوعلی من نور واحد (دیلمی وغیرہ) یعنی علی اور میں ایک ہی شجر سے ہیں۔ اور علی اور میں ایک ہی نور سے ہیں۔کیا اتنے کثیر شواہد کی موجودگی میں بھی یہ تسلیم نہ کیا جاسکے گا کہ جناب امیر درحقیقت نفس رسول ہیں اور جو ہمہ جہتی اتحاد (سوائے منصب نبوت کے) جناب امیر اور رسول مقبول میں تھا اور جیسی صریح یگانگت جسمی و روحی ان دونوں مقدس ہستیوں میں تھی کیا اب بھی اس سے انکار ہی کیا جائیگا۔ اسی کمال اتحاد جسمی و روحی کی بنا پر جناب امیر نفس رسول قرار پائے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ حقیقی معنی میں تو نفس کا تحقق محال بلکہ از قبیل ممتنعات ہے۔

محدث و مفسر عظیم و جلیل علامہ فخر رازی رح تحریر فرماتے ہیں :- وثبت باخبار الصحیحۃ ان المراد من قولہ تعالےٰ "وانفسنا" ھو علی و معلوم انہ یمتنع ان یکون نفس محمدؐ بعینہ قلت بد ان یکون المراد ھو المساوات بین النفسین وھذا یفید ان کل ما حصل لمحمد من الفضائل والمناقب قد حصل مثلہ لعلی ما وراء صفت النبوت ثم لا شک ان محمد اصلے اللہ علیہ وسلم افضل الخلق (اربعین فی اصول الدین صفحہ ۵۷) یعنی اخبار صحیحہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ آیہ مباہلہ میں انفسنا سے جناب امیر مراد ہیں اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ نفس رسول بعینہٖ جناب امیر نہیں ہوسکتا پس لازمی طور پر یہاں مراد مساوات ہی سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو فضائل و مناقب ذات محمدؐی کے تھے وہی فضائل و مناقب ذات مرتضوی میں بھی موجود تھے سوائے ایک منصب نبوت کے اور اس میں کیا شک ہے آنحضرت ص افضل الخلق تھے (ختم)

ان شواہد کے علاوہ ایک ارشاد نبوی اور بھی ہی جو جابجا کتب حدیث مثلاً دار قطنی شریف وغیرہ میں ملتا ہے۔ جمع الجوامع میں یہ روایت اس طرح ہے کہ عمرو بن عاص نے ایک بار رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ دنیا میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آنحضرت نے جواب دیا کہ عائشہ رضؓ اور حفصہ رضؓ۔ اس پر عمرو بن عاص نے کہا ہے کہ حضور میں ذکور کے متعلق سوال کر رہا ہوں تو حضور صؐ نے جواب دیا کہ ان دونوں کے باپ یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس پر عمرو عاص نے سوال کیا کہ پھر علی کہاں رہے تو حضور صؐ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر جواب دیا کہ اِنَّ ھذا ایسئالنی عن نفسی یعنی یہ شخص میرے نفس کے متعلق سوال کر رہا ہی۔ (ختم) مطلب یہ کہ علی تو میرا نفس ہی ہی اور محبت کے اعتبار سے احب وغیرہ احب ہونے کا سوال علیؑ کی حد تک غیر متعلق ہے۔

اور اسی کمال اتحاد و یگانگت جسمی و روحی کا بیان صحیحین شریفین کی حدیث علی منی وانا من علی کے الفاظ میں اور دیگر احادیث مندرجہ بالا میں ہوا ہی الغرض آپ جب کبھی جناب امیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جناب امیر سوائے ایک صفتِ نبوت کے ہمہ تن صفات محمدی میں رنگے ہوئے ہیں جب ہی تو آنحضرت نے عقدِ مواخات کے موقع پر جناب امیر سے ارشاد فرمایا تھا کہ انت اخی فی الدنیا والآخرہ بس جو ہستی دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی آپ کے بھائی ہونے کا خاص امتیاز رکھتی ہو وہ بھی اگر آپ کا نفس نہ قرار دی جائے تو اور کسے ہم نفسِ رسول کہہ سکیں گے اور خصوصاً ان حالات میں کہ صدہا دیگر طریقوں سے بھی جناب امیر کا نفسِ رسول ہونا ثابت قرار پاتا چلا آرہا ہی والعرب یسمی ابن عم الرجل نفسہ کما قال اللہ

تعالےٰ ولا تلمزوا انفسکم یرید اخوانکم (تفسیر معالم التنزیل) جس سے ثابت ہے کہ قطع نظر دیگر محامد و مناقب کے باعتبار محاورۂ عرب بھی آپ کو نفس رسول کہا جا سکتا ہے بحیثیت ابن عم رسول ہونے کے۔

الغرض کیا بلحاظ منشائے خداوندی بہ تعلق آیہ مباہلہ اور کیا بلحاظ قول و فعل رسول مقبول صلعم اور کیا بلحاظ محاورہ عرب۔ اور کیا بلحاظ جناب امیر کے ذاتی محاسن و جلائل اعمال کے اور کیا بلحاظ عقیدۂ جمیع اہل اسلام (سوائے معدودے چند خوارج کے) جناب امیر علیہ السلام ہی نفس رسول ہیں اور ابناء نا ونساء نا سے مراد آیہ مباہلہ میں صرف جناب سیدہؑ اور حسنین علیہما السلام ہی سے ہے اور یہی تشریح و توضیح ہمارے محدثین و مفسرین و مورخین و دیگر علما و فقہا و عرفا علیہ الرحمہ کرتے چلے آرہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک کرتے رہیں گے۔

اب رہی آیہ تطہیر کے تعلق سے اہلبیت کی بحث۔ یہ ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملے گی جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باتفاق جمیع اہلسنت و امامیہ چارتن اصحاب کسا علیہم السلام یقیناً مذکورین آیہ تطہیر ہیں۔ ازواج نبی رضی اللہ عنہن کے داخل آیہ تطہیر ہونے میں اہلسنت کی اکثریت بر خلاف ہے البتہ اہل سنت کی ایک جماعت قلت ازواج نبی کو بھی مخاطبین آیہ تطہیر میں "نیز داخل ہستند" بیان کرتی ہے۔ جمیع اہلسنت نے آیہ تطہیر میں اصحاب کسا سے خطاب ہونا بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ ان بیانات کی تائید میں اکابر و اعاظم اہلسنت علیہم الرحمہ کے بیانات و مختارات بھی اس بحث میں نقل کر دئے گئے ہیں ان کو اپنے مقام پر اسی کتاب میں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

باب دوم

جنگ جمل کے تعلق سے جناب امیرؑ کے عمل پر اعتراض اور یزید کے عمل کی تائید

قال المخاطب :- حضرت علی کو جمہور کی حمایت حاصل نہ تھی اور آپ کی بیعت مکمل نہ ہوئی تھی لیکن آپ نے ام المومنین زوجہ مطہرہ و محبوبہ جناب ختم المرسلین صلوات اللہ علیہا کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس ہودج کو تیروں سے چھلنی کرادیا جس میں حضرت صدیقہ تشریف فرما تھیں اور حجت شرعی کے تحت اپنا مطالبہ پیش فرماتی ہوئی تشریف لائی تھیں شرعی حیثیت میں آپ تمام امت کی ماں ہیں جس سے کوئی بھی انکار کر نہیں سکتا بس اگر ایسی مقدس ماں کے خلاف خود اس کے فرزند سیف وسنان و تیروکماں کی عملی نمائش کے مجاز ہو سکتے ہیں تو امیرالمومنین یزید جن کی خلافت حقہ ولیعہدی کی بیعت کے وقت سے تسلیم ہوتی چلی آرہی تھی اور جن کا حکم تمام ممالک محروسہ اسلام میں نافذ تھا اور جن کی بیعت ولیعہدی و بیعت خلافت میں صدہا صحابہ کرام داخل تھے اور جن کی خلافت ایک حقیقت ثابت شدہ تھی کیوں نہ اس کے مجاز سمجھے جائیں کہ حضرت حسینؑ کے خلاف تلوار اٹھائیں جن کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں نبی کا نواسہ اور علی کا بیٹا ہوں لہذا مستحق خلافت میں ہوں ان کے اس دعوے کی تائید نہ قرآن سے کی جا سکتی ہے اور نہ ارشاد نبوی سے نہ خلفائے راشدین کے کسی عمل سے اور اسی لئے عالم اسلام میں حضرت حسینؑ کا یہ نظریہ کبھی تسلیم نہیں کیا گیا . . . . . (الخ بطور خلاصہ)

الجواب:۔ اس مقالے میں جو امور درج ہیں ان کے جوابات باقساط اس کتاب کے مختلف مقامات میں لکھے جا رہے ہیں. غایت اختصار کے ساتھ ہم یہاں بھی درج کئے دیتے ہیں تاکہ اجمالاً یک جائی حیثیت سے ان تعریفات کے جوابات نظر سے گذر سکیں.

امر اول یہ کہ جناب امیرؑ کو جمہور کی حمایت حاصل نہ تھی اور آپ کی خلافت کا استقرار ہی نہیں ہوا تھا یہ عقیدہ خوارج کا ہے، اور ہمارے مخاطب ان مقالات میں جامۂ سنن زیب تن فرما کر بحث تحریر فرما رہے ہیں پس ہمارا مختصر جواب اس بیان کی حد تک یہ ہے کہ جو شخص بھی جناب امیر کی خلافت راشدہ حقہ کی صحت و انعقاد میں ادنیٰ شبہ بھی کرے۔ یا کسی طور پر بھی صراحتاً یا معناً اسے مجروح و مقدوح یا نامکمل سمجھے وہ اہلسنت کی جماعت سے خارج یعنی خارجی ہے۔ ہم نے اپنے خیال کا اظہار جو اس وقت کیا ہے اگر اس کی تائید میں ہم اکابر اہلسنت کے مقالات نقل کرنا شروع کر دیں تو ایک طومار طویل الذیل مرتب ہو جائے گا۔ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت راشدہ کا انعقاد و انتظام اپنے وقت پر اہلسنت کا اجماعی اور بنیادی عقیدہ ہے جس میں کسی سنی کو مجال دم زدن نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اہلسنت کے راس المحققین و خاتم المحدثین علیہ الرحمہ اس اجماعی اور بنیادی عقیدہ کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:۔ دریں وقت بالاجماع امامت حق حضرت امیرؓ بود و جانب ثانی باغی و خلاف حق (تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۴۶۷) پس اس اجماعی عقیدے کے پیش نظر جس کسی نے بھی جناب امیر سے خلافت کی بابت مناقشہ کیا وہ باغی اور خلاف حق قرار پاتا ہے دوسرے مقام پر بھی خاتم المحدثین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ مذہب اہلسنت آں کہ حضرت مرتضیٰ امام حق است بعد از شہادت حضرت عثمان رضؓ و طاعت او بر کافہ انام فرض است واو افضل زماں خود بود ہر کہ با و خلاف نمود در امر خلافت

مخطی و باغی بود و ہر کہ اور الائق خلافت ندانست مبطل وضال (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۲)
یعنی حضرت عثمان رض کی شہادت کے بعد جناب علی مرتضیٰ بعقیدہ اہلسنت امام برحق
ہیں اور تمام امت پران کی اطاعت فرض ہی اور آپ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے اور
جس کسی نے بھی امر خلافت میں آپ کی مخالفت کی وہ مخطی اور باغی ہے اور جس کسی نے آپ
کو لائق خلافت نہ سمجھا وہ بے اصل بات کہنے والا اور گمراہ ہے (ختم) پس اہل سنت کا یہ مشہور
و مقبول عقیدہ کالشمس فی رابعۃ النہار ظاہر و باہر ہے کہ جناب امیر خلیفہ راشد برحق ہیں
نواصب خواہ کتنا ہی شور مچائے جائیں اور جناب امیر علیہ السلام کی خلافت راشدہ حقہ
میں کتنی ہی خامیاں اور دیگر نقصانات کے فرضی اور محض خیالی بہتانات تراشے چلے جائیں
اور لاکھ بار بیان کئے جائیں کہ آپ کی خلافت پر اجماع نہیں ہوا۔ یا آپ کی خلافت پر
جمہور متفق نہیں ہوئے مگر اہل سنت کا یہ بنیادی عقیدہ جس کی صراحت حضرت خاتم
المحدثین کے بیان سے ابھی کی گئی مثل بنیان مرصوص اپنی جگہ پر قائم ہے۔
اور قائم رہے گا۔ ہزاروں لاکھوں شہادتوں میں سے یہ ایک وزنی شہادت تو ہم نے
اہلسنت کے اس بنیادی عقیدے کی حد تک یہاں نقل کر دی اب نفس واقعہ بیعت
مرتضوی اور انعقاد خلافت واقعی کی حد تک بھی ایک دو وزنی شہادتیں ہم یہاں نقل کئے
دیتے ہیں کتاب ہذا کے دیگر مقامات پر بھی یہ بحث بیان ہوئی ہی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی
علیہ الرحمہ اپنی مشہور شرح صحیح بخاری فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں" وکانت بیعۃ
علی بالخلافۃ عقب قتل عثمان فی اوائل ذی الحجہ ۳۵ھ فبایعہ المہاجرون والانصار وکل من
حضر وکتب بیعتہ الی الآفاق فاذعنوا کلہم الا معاویہ فی اہل الشام۔ یعنی
حضرت عثمان رض کے قتل کے بعد ہی اوائل ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت امیرؑ کی خلافت کی بیعت ہوئی اور
مہاجرین والنصار اور جمیع حضار نے آپ سے بیعت کی اور آپ کی بیعت کی اطلاع

چار اطراف ممالک محروسہ میں تحریراً دی گئی اور مسلمانوں کے اذعان عام سے آپ کی بیعت منعقد ہوئی سوائے معاویہ کے جو اہل شام میں سے تھے (ختم)

اور اسی بیعت حقہ مرتضویہ کے متعلق عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے ازالتہ الخفا میں تصریح فرمادی ہے کہ جناب امیر کی خلافت تمامی مہاجرین و انصار کی بیعت عامّہ سے ہوئی اور بعض نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ شوریٰ کے طے شدہ اصول پر آپ کی خلافت پہلے ہی سے منعقد تھی۔ یہ عبارت قبل ازیں نقل ہو چکی ہے ملاحظہ فرمالی جائے۔ دوسرے مقام پر جناب شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمہ عنوان قائم فرماتے ہیں "واما ان الخلافۃ حق المهاجرین الاولین دون الطلقا جس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت صرف مہاجرین اولین ہی کا حق ہے نہ کہ طلقا کا۔ اس بحث میں جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کا واقعہ تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت موصوف نے ابوہریرہ و ابودردا کو ان کی پیام رسانی پر تنبیہ کرتے ہوئے بیان کر دیا تھا کہ جس سے تو تمامی مہاجرین و انصار و اہل حجاز و اہل عراق نے بیعت کر لی ہے اور معاویہ کو شوریٰ سے کیا علاقہ ہے وہ تو طلقا میں سے ہیں فندما علیٰ مسیرھما وتابا بین یدیہ یعنی ابوہریرہ اور ابودردا دونوں اپنی پیام رسانی پر بہت نادم ہوئے اور ان کے سامنے ہی ان دونوں نے توبہ بھی کرلی (خلاصہ مطلب عبارت ازالتہ الخفا مقصد اول فصل چہارم)

اللہ اللہ ایک طرف تو صحابہ رسول خلافت پر شوریٰ منعقد ہونے کا محض پیام پہنچانے پر ہی اپنی اشد شدید ندامت کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کر رہے ہیں۔ مگر نواب ہیں کہ عدم تکمیل بیعت مرتضوی کا سرددبے ہنگام سنائے جا رہے ہیں۔ کبھی کہتے

ہیں کہ آپ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی۔ کبھی کہتے ہیں کہ آپ کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی کبھی کہتے ہیں کہ آپ خلافت کے اہل ہی نہ تھے۔ یہ بحث قدرے تفصیل سے کتاب ہذا کے باب اول اور دیگر مقامات میں لکھی گئی ہے اور اس کی تکرار اس مقام پر غیر ضروری ہے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائی جائے۔

الغرض کوئی کہاں تک لکھ سکتا ہے کہ اہلسنت کا یہ بنیادی عقیدہ خلافت راشدہ کی حد تک ہے کہ جناب امیر اپنے وقت میں خلیفہ راشد علی منہاج النبوت ہیں۔ اس بنیادی عقیدے کے خلاف اگر ہزار ابن تیمیہ و ابن حزم اور دنیا بھر کے نواصب چیختے چلاتے رہیں اور بقول علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ گستاخی اور خیرہ چشمی کا مظاہرہ کرتے رہیں مگر یہ تمام ہفوات بعقیدۂ اہلسنت سراسر مردود ہی رہیں گی۔ بعقیدہ راسخہ اہلسنت جناب امیرؓ کا مولائے مومنین ہونا آپ کی منزلت ہارونی۔ آپ کا نفس رسولؐ ہونا اور دیگر کثیر محامد و مناقب اور آپ کا خلیفہ راشد و برحق ہونا اصولی عقائد میں داخل ہے اور رہے گا۔ امیر معاویہ کی خلافت جائرہ کو تو خلافت راشدہ کا نام دیا جائے اور ان کے سیاسی جوڑ توڑ کو حسن انتظام و صلاحیت و اہلیت خلافت حقہ کا خلعت فاخرہ عطا کیا جائے اور علیؓ کی خلافت کو یکسر ناکارہ بلکہ سراسر ناقص و ناواجب تعلیم کیا جائے اور مان لیا جائے کہ ان میں خلافت کی اہلیت و صلاحیت ہی نہ تھی۔ کیا خوب۔ شاید ایسے ہی کسی فاسد عقیدے کے آدمی کو خطاب کرتے ہوئے عارف رومی رح تحریر فرما گئے ہیں ؎

تو بتاریکی علی را دیدۂ زاں سبب غیرے بر و بگزیدۂ

ہمارے مخاطب صاحب ہزار بار جناب امیر کی عدم صلاحیت و ناقابلیت اور عدم لیاقت

کا اظہار کئے جائیں لیکن ملحوظ رہے کہ یہ عقیدہ جس شخص کا بھی ہو وہ اہلسنت کے بنیادی
عقیدے کی بنا پر مبطل و ضال ہے جیسا کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت میں اوپر نقل
ہوا (مبطل بے حقیقت بات کہنے والا اور ضال بمعنی گمراہ)

اب ہم اس مقالے کے دوسرے حصۂ بحث کی طرف آتے ہیں مخاطب عالی مقام
کی تحریر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر نے مادر جملہ مومنین و محبوبہ حضرت ختم المرسلین
کے خلاف تلوار اٹھائی اور اپنی فرزندی کا کوئی لحاظ نہیں کیا درآں حالیکہ ام المومنین
رضی اللہ عنہا حجت شرعیہ کے تحت اپنا مطالبہ پیش کرتی ہوئی تشریف لائی تھیں اور
اور فرزندان ام المومنین نے اپنی اس مادر مشفقہ پر اس قدر تیر برسائے کہ آپ کا
ہودج چھلنی ہو گیا وغیرہ۔

جناب امیر کا ام المومنین پر تلوار اٹھانا

ایہا الناظرین۔ انصاف شرط ہے۔ اس عبارت کو کیا کوئی شخص کسی اہلسنت کی لکھی ہوئی عبارت
خیال کر سکتا ہے کیا ایسا کوئی شخص بھی سُنی کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے جو نفس رسول جناب مظہر العجائب و
الغرائب امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے متعلق غایت
گستاخی سے یہ لکھنے کی جرأت کرتا ہے کہ آپ نے ام المومنین کے مقابل ہو کر عقوق اور ناخلفی کا مظاہرہ کیا تیر بارانی
کی (معاذاللہ) یہ عقیدہ تو غالی خوارج ہی کا ہو سکتا ہے۔ ہم تو بحیثیت ایک ادنیٰ خادم اہلسنت ہونیکے اس قسم کے الفاظ
فریقین جنگ جمل کیلئے لکھنا عین معصیت خیال کرتے ہیں جو کچھ بھی جنگ جمل میں ہوا وہ سراسر غلط فہمی اور بعض
اشرار کی شرارت کے باعث ہی ہوا اور جو ہرگز نہ ہونا چاہیے تھا اور نہ فریقین میں سے کسی کی نیت ہی تھی کہ
اس قسم کے واقعات درپیش ہوں۔ افسوس صد افسوس ان غالی خوارج نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اگر ایک طرف جناب امیرؑ
پر عقوق اور مادر مومنین پر تیر بارانی کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو دوسری طرف ام المومنین پر بھی اپنے داماد
اور نواسوں اور اپنے ہزاروں بچوں کے قتل کا الزام بھی جواباً عائد کیا جا سکے گا۔ اشہب قلم کی اس بدمستی
پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

جواباً نگارش ہی کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا ازخود بصرہ کی طرف تشریف نہ لائی تھیں بلکہ بعض اہل غرض کی غلط فہمائش آپ کے ادھر لائے جانے کا باعث خاص ہوئی تھی اور آپ کو باور کرادیا گیا تھا کہ آپ کے تشریف لے چلنے سے معاملات زیر بحث میں بہت جلد یک سوئی کی شکل پیدا ہو جائے گی ورنہ نہ تو آپ خود ہی مسلمہ طور پر مدعیہ خلافت تھیں اور نہ میدان جنگ کی کوئی عملی خدمت آپ کی ذات سے متعلق کرنے کی کوئی تجویز تھی، دوران سفر میں جب آپ چشمہ حواب پر پہنچیں اور کتے بھونکنے لگے اور آپ کو رسول مقبول کی مشہور تاریخی پیشگوئی یاد آئی تو آپ نے وہیں سے واپسی کا عزم کیا اور حکم دیا کہ ردونی ردونی مگر اہل غرض نے جھوٹی شہادتیں آپ کے روبرو پیش کیں کہ یہ مقام چشمہ حواب نہیں ہی اور بلا تامل آگے تشریف لے چلئے۔ افسوس صد افسوس کیسے کیسے ایماندار لوگ جناب ام المومنین رضی اللہ عنہا کو مغالطے دے کر میدان میں لے آئے وصار ماصار کس قدر تکلیف دہ واقعات اس خانہ جنگی کے ہیں کہ ان کو لکھتے ہوئے بھی روحانی اذیت محسوس ہوتی ہی۔ اہلسنت کے متفق عقیدے میں فریقین کے سرکردہ اصحاب کی نیت آخر وقت بالکل درست تھی اور صلح کی قرارداد بالاتفاق ہو چکی تھی مگر بعض مفسدین کی شرارت بالآخر کام کر ہی گئی اور ہر فریق اس دھوکہ میں رہا کہ فریق مخالف نے عہد شکنی کرکے دھوکا دیا اور ہم پر اچانک حملہ کر دیا ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ شدید جنگ کی صورت میں ظاہر ہوا جس کی تفصیلات اوراق تاریخ پر خونیں الفاظ میں لکھی ہوئی ہیں اور صاحبان بصیرت اب تک بھی ان واقعات پر بلا فصل اظہار تاسف کرتے چلے آرہے ہیں جن فریقین نے جنگ میں حصہ لیا انہوں نے خود ہی اعلان اظہار تاسف اسی وقت کر دیا تھا۔ ناکثین بیعت سے جو لغزش اور خطا

سرزد ہوئی اس کا احساس بھی اسی وقت انہوں نے بخوبی کر لیا تھا اور معرکہ جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے اور حبابہ بیعت حقہ مرتضوی اپنی گردنوں میں ڈال کر ہی دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ علمائے اہلسنت نے جا بجا اس کی تصریح کر دی ہے کہ اگر ان ناکثین کی نیت میں کسی نفسانیت یا اپنی کسی دوسری غرض کا شائبہ بھی بالفرض موجود ہو تو چونکہ بالآخر انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لینے کے بعد اظہار ندامت علی الاعلان کر دیا اور تجدید بیعت خلافت حقہ مرتضویہ بھی کر لی۔ تو بمصداق التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ ان کا خاتمہ بالخیر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ تمامی علمائے اہلسنت نے ناکثین کی اس خطا کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ انہوں نے اپنے موقف سے علی الاعلان رجوع کر لیا اور بیعت جناب امیر بھی کر لی بلکہ اس رجوع کرنے اور تجدید بیعت کر لینے کی پاداش میں اپنی جان کی قربانی بھی دیدی ان کا خاتمہ بالخیر ہونے میں اہل سنت کے نزدیک کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہاں تک تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی حد تک ذکر تھا اب ہم اہلسنت کے نقطۂ نظر سے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کی جنگ جمل کی حد تک وضاحت کرتے ہیں اور حضرت خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کے ارشادات عالیہ کو پیش کرتے ہوئے غایت وثوق سے یہ عرض کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ مختصر اور جامع اور صحیح ترین بیان اس مبحث میں بھی مثل دیگر مباحث کے غالباً کسی دوسری جگہ نہ مل سکے گا۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت خاتم المحدثین کی تحقیق انیق حرف آخر کا حکم رکھتی ہے اور تمامی محققین اہلسنت علیہم الرحمہ کی تحقیقات کا

صحیح ترین خلاصہ ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ جنگ جمل کے موقع پر کیوں برآمد ہوئی تھیں۔
اس کا جواب جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :- برآمدن اں مطہرہ برائے قتال حضرت امیر نبود محض برائے اصلاح ذات البین واستیفا ے قصاص از قتلہ عثمان رض واخراج انہا از لشکر جناب امیر رض بود تا طلحہ وزبیر ودیگر صحابہ کہ از قاتلان عثمان متوہم شدہ گریختہ بودند باطمینان خاطر رفیق حضرت امیر شوند وباتفاق ایشاں کار خلافت منتظم گردد و معاویہ ودیگر بغاۃ نیز سر حساب باشند (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۶۸) یعنی حضرت عائشہ رض جناب امیر سے قتال کرنے کی نیت سے تشریف نہ لائی تھیں بلکہ اصلاح باہمی اور قاتلین عثمان رض سے قصاص لینے اور ان قاتلین کو لشکر جناب امیرؓ سے خارج کرانے آئی تھیں تاکہ طلحہ وزبیر اور دیگر صحابہ جو ان قاتلین کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے تھے باطمینان خاطر جناب امیر کے رفیق بن جائیں اور سب کے اتفاق سے امر خلافت منتظم ہو جائے اور معاویہ وغیرہ باغیوں سے بھی نمٹ لیا جائے۔

اس کے بعد جناب خاتم المحدثینؒ ؟ چشمہ حواب پر کتوں کے بھونکنے کا ذکر بحوالہ ارشاد نبوی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- "آنچہ ازیں حدیث مستفاد میشود ہمیں قدر است کہ یکے را از شما (ازواج نبی) ایں مصیبت پیش خواہد آمد وفی الواقع اں حادثہ عظیم بود کہ موجب خفت حرم محترم حضرت رسول اللہ شد وکارے کہ مقصود بود یعنی اصلاح ذات البین سر انجام نیافت ومفت تقاتل مسلمین واقع شد (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۶۹) یعنی چشمہ حواب پر کتوں کے بھونکنے کی حدیث سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے

کہ ازواج نبی میں سے کسی ایک کو یہ مصیبت درپیش ہوگی اور درحقیقت یہ وہ حادثہ عظیم یعنی جنگ جمل، تھا جس میں حرم محترم رسول کو خفت برداشت کرنی پڑی اور جو اصل مقصد اصلاح باہمی تھا وہ بھی حاصل نہ ہوسکا اور ہزارہا مسلمان مفت میں قتل ہوگئے" (ختم)

چشمۂ حواب پر کیا گذری۔ اس کا حال بھی جناب خاتم المحدثینؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں :- "در روایات اہلسنت مصرح بہا است کہ فرمود ردونی ردونی لیکن در روایات اہلسنت تتمہ ایں قصہ چنیں صحیح شدہ کہ حضرت عائشہ در باب مراجعت ایستادگی کرد و اہل عسکر در رجوع باوے موافقت نمی نمودند و باہم مطارحہ ایں امر بود۔ دریں اثنا مروان بن الحکم و دیگر مردم عسکر قریب ہشتاد کس از دہاقین گرد و نواح شاہد آوردند کہ ایں آب را حواب نام نیست۔ آبے دیگر است۔ پس عائشہ پیش تر روانہ شد (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۴۹) یعنی اہلسنت کی روایات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جب چشمۂ حواب پر کتے بھونکنے لگے تو حضرت عائشہؓ نے واپس چلنے کو کہا اور تتمہ اس روایت کا صحیح طور پر یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو واپسی پر اصرار تھا مگر اہل لشکر اس واپسی پر رضامند نہ ہوتے تھے اور اس امر میں باہم مشورے ہو رہے تھے کہ مروان بن الحکم اور دیگر لشکریوں نے گرد و نواح کے قریباً اسی دہقانوں کو اس امر کی شہادت کے لئے پیش کر دیا کہ اس چشمے کا نام حواب نہیں ہے۔ اور یہ دوسرا ایک چشمہ ہے پس عائشہ رض آگے کو روانہ ہوگئیں (ختم)

جنگ جمل کی تفصیلات سے تو ثانوی جماعت تاریخ اسلام کے طفلان صغیر بھی واقف ہیں اور ہم یہاں جنگ جمل کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں مختصر طور پر ہمیں یہاں صرف

اسی قدر ظاہر کر دینا مقصود ہے کہ خلاف توقع اور ناگہانی حالات میں اشرار کی شرارت
کی وجہ سے یہ جنگ ہو گئی اور ہر فریق نیک نیتی سے یہی سمجھتا رہا کہ فریق مخالف نے خلاف
قرار داد صلح اس جنگ میں پیش قدمی کی ہے پس اگر ان ناگزیر حالات میں جب کہ نائرہ
جنگ فی الواقع مشتعل ہے ام المومنین رضہ کے ہودج میں تیر پیوست ہو جائیں تو اس
میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ایک ہندی کہاوت ہے کہ لڑائی میں کھانڈے تقسیم ہوتے
ہیں مانڈے تقسیم نہیں ہوتے بہرحال یا کسی اور کو تو ان حالات پر بعد میں افسوس
ہو گا سب سے اول اور سب سے زیادہ خود ام المومنین کو ان حالات پر اس قدر افسوس
تھا کہ اس سے زیادہ کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔ جناب خاتم المحدثین رح اس سلسلے میں
تحریر فرماتے ہیں :- "ہرگاہ (عائشہ رض) یوم الجمل را یاد فرمودے آں قدر می گریست
کہ معجر مبارکش با شک تر می گشت بسبب آں کہ در خروج عجلت فرمود و ترک تامل
نمود و از پیشتر تحقیق نہ فرمود کہ آب حواب در راہ واقع است یا نہ بااں کہ ایں قسم
واقعہ عظمی رو داد (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۵۴) یعنی جب کبھی حضرت عائشہ جنگ جمل
کو یاد کرتی تھیں تو اس قدر گریہ کرتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی اشکوں سے تر ہو جاتی
تھی کیوں کہ آپ نے ترک تامل کا ارتکاب کیا اور خروج میں عجلت کی اور پہلے سے یہ
تحقیق نہ کر لیا کہ چشمہ حواب راستے میں آتا ہے یا نہیں جس کے باعث ایسا سخت
واقعہ درپیش ہو گیا (ختم)

ان اجمالی بیانات مسلمہ اہلسنت سے ہمارے ناظرین نے بخوبی اندازہ کر لیا ہو گا
کہ جنگ جمل کے موقعہ پر خلیفہ برحق کی مخالف جماعت کو یہ احساس بخوبی ہو گیا تھا
کہ ہم برسر ناحق اور اس خروج میں سخت غلطی پر ہیں چنانچہ ان کا اظہار ندامت

اور بالآخر صف جنگ سے علیحدگی اور تجدید عقد بیعت مرتضوی وغیرہ امور ثابت شدہ ہیں بلکہ اسی رجعت اور تلافی مافات کے سلسلے میں حضرت طلحہ رض کو اپنی جان کی قربانی بھی پیش کرنی پڑی اور حضرت زبیر رض بھی میدان جنگ سے علیحدہ ہو کر اور جناب امیر کی حمایت کا دم بھرتے ہوئے ہی شہید ہوئے اور ام المومنین بھی تمام عمر اپنی اس غلطی پر ندامت اور گریہ کرتی اور خروج میں عجلت اور ترک تامل کرنے اور چشمہ حواب سے واپس نہ ہونے پر لبشدت تاسف فرماتی رہیں پس جب کہ ایک فریق از خود ہی اپنی نقل و حرکت پر منفعل ہو کر اظہار خفت و ندامت کر رہا ہے اور ان نتائج محزنہ کو اپنے ترک تامل اور عجلت ناروا اور نا عاقبت اندیشی پر مبنی ہونا ظاہر کر رہا ہے کسی خارجی یا ناصبی کو کیا حق ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ہودج میں تیروں کے پیوست ہونے کا طعنہ دے سب سے اول آپ طعنہ دینے والے حضرات طلحہ و زبیر رض ہو سکتے تھے اور یا ام المومنین ہو سکتی تھیں مگر یہ تینوں ہستیاں رضی اللہ عنہم تو اپنی نقل و حرکت پر اظہار ندامت کر رہی ہیں۔ بیعت شکستہ دوبارہ قائم کی جا رہی ہے اور طرح طرح سے تلافی مافات کی سعی کی جا رہی ہے اور آنسو بہائے جا رہے ہیں مگر خوارج دنواصب ہیں کہ اپنے ترکش طعن و تشنیع سے حضرت عائشہ کے ہودج میں تیر پیوست ہو جانے کے طنزیہ تیر اب تک نکالے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ہے مضمون "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند کا۔

اب اس مقالے میں یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ "امیر المومنین یزید کی خلافت بیعت ولی عہدی کے وقت ہی سے تسلیم ہوتی چلی آ رہی تھی اور ان کا حکم تمام ممالک محروسہ اسلام میں نافذ تھا اور ان کی بیعت میں صدہا صحابہ کرام داخل تھے کیوں نہ اس کے مجاز سمجھے جائیں کہ حضرت حسین ع کے خلاف تلوار اٹھائیں جن کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں

نبی کا نواسہ اور علی کا بیٹا ہوں لہٰذا مستحق خلافت میں ہی ہو سکتا ہوں۔ ان کے اس دعوے کی تائید نہ کلام اللہ سے نہ کسی ارشاد نبوی سے اور نہ خلفائے راشدین کے کسی عمل سے ہوتی ہے اور اسی لئے عالم اسلام میں حسین رضؓ کا یہ نظریہ کبھی تسلیم نہیں کیا گیا (ختم)

ان تمام امور پر ہماری اس کتاب میں تفصیلی بحث اپنے اپنے مقام پر ملے گی اور بحث کے تمام اجزا کو بار بار لکھنے میں سوائے طول کلام اور اعادہ بے جا کے اور کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا اپنے مقام پر اس بحث کا ہر جزو اس کتاب میں مل جائے گا۔ ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں ہم نے علمائے کبار اہل سنت کے بیانات متعدد مقامات پر نقل کر دئے ہیں جن سے بخوبی ثابت ہے کہ یزید کی بیعت ولی عہدی سراسر زور و زر و زور و زر وغیرہ کے ذرائع سے حاصل کی گئی تھی۔ جو شرعاً ناجائز اور کالعدم ہے۔ اسی بیعت ولی عہدی کی فرع بیعت حکومت یزید ہے جو بنائے فاسد علی الفاسد کے اصول پر شرعاً کسی طرح جائز نہیں سمجھی جا سکتی ہے۔ حضرت خاتم المحدثین رحہ نے بھی بوضاحت تمام تحریر فرما دیا ہے کہ امام حسین ؓ نے جو عمل یزید کے مقابل کیا وہ دفع تسلط یزید کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط یزید کے لئے۔ بالفاظ دیگر یزید کی حکومت حقیقی معنی میں قائم ہی نہیں ہوئی تھی پس آپ نے اس کو قائم نہ ہونے دینے کے لئے بجا طور پر اقدام کیا تھا یزید کی حکومت جناب حسین ؓ کے اقدام سے پہلے جمی جمائی ہوئی نہ تھی بلکہ اس کے قرار و قیام کی کوششوں میں صحابہ رسول اور دیگر مسلمین سے بیعت حاصل کرنے کی سعی ناروا کی جا رہی تھی بعض اصحاب نے جبر کے تحت بیعت کر لی تھی بعض اصحاب غور کر رہے تھے بعض قطعی طور پر انکاری تھے پھر بعد میں اصحاب رسول اور دیگر اصحاب جو بیعت کر چکے

تھے یزید کے شنائع اعمال دیکھ کر بیعت سے نکل گئے اور جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا ہزار ہا علمائے متورعین اہل سنت اس کی وضاحت مسلسل کرتے چلے آرہے ہیں کہ امام حسینؑ کے اس اقدام کو بغاوت سے کسی طرح بھی تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو کچھ بھی آپ نے کیا وہ عین حق تھا۔ حادثہ کربلا سے اب تک یہی یہی صدا بلند ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور حسینؑ کا نظریہ بلا خلاف اہلسنت کی جماعت میں صحیح تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس بیان کی تائید میں جا بجا ہماری اس کتاب میں اکابر اہلسنت کے مختارات نقل ہوئے ہیں اور نہایت واضح طور پر جا بجا ثابت کیا گیا ہے کہ جناب امام حسینؑ کا اقدام بغاوت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اب تک بھی اکابر اہلسنت اس غلط الزام کی تردید میں خالصاً لوجہ اللہ سعی کرتے رہتے ہیں ازانجملہ ایک بیان ملاحظہ ہو۔ چودھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف محدث و مفسر علامہ عزیز و جلیل و پیشوائے اہل حدیث نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :- "ایک خلیفہ کے موجود ہوتے ہوئے دوسرے کی بیعت اور خلافت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کی رو سے جو لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر معاویہ سے لڑے وہ حق پر تھے اور معاویہ ان کے ساتھی سب برسر خطا تھے اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کی رو سے امام حسینؓ سے لڑنے والے برسر حق ٹھہرے ہیں کیونکہ امام واجبی طور سے بحکم حدیث قتل کئے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی بعض لوگوں کو ایسا شبہ ہو گیا ہے چنانچہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں انما قتل الحسین بسیف جدہ مگر ان کا یہ شبہ ان کی کم عقلی کی دلیل ہے اس لئے کہ خود معاویہ کی خلافت ظلمی اور جبری اور از روئے قواعد شرعیہ صحیح نہ تھی تو معاویہ جس کو خلیفہ کر گئے اس کی خلافت کیونکر صحیح ہو گی۔ بلکہ بنائے فاسد علی الفاسد تھی۔ اس کے علاوہ یزید نے وہ کام کرنا شروع کئے جن کی وجہ سے وہ بموجب نص معزول ہو گیا

کرنا واجب ہو گیا تھا اور اسی لئے اہل مدینہ نے اس کی بیعت فسخ کر ڈالی پس امام حسینؓ نے بموجب شرع اس کی مخالفت کی اور شریعت محمدی کو قائم رکھنا چاہا اور اسی لئے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب اور احبا کی جان دینا گوارا کی اور سید الشہدا قرار پائے۔ روحی لہ الفدا (انوار اللغۃ صفحہ ۲۲۲)

اسی صدائے حق کی بازگشت ایک دوسرے بزرگ اہلسنت یعنی شیخ الاسلام و محدث جلیل جناب مولانا حسین احمد مدنی کی زبان قلم سے سماعت فرمائیے جن کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہے اور جن کی وفات کو ابھی دو تین سال بھی شاید نہیں ہوئے، یہی ارشاد فرماتے ہیں:۔ "اس کے (یزید کے) اعمال شنیعہ درجۂ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے جیسا کہ امام احمد اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا۔ اب امام حسین رضؓ کا ارادۂ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا اور اگر اس کی (یزید کی) حرکات ناشائستہ درجہ کفر کو نہ پہنچی تھیں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے ممکن ہے کہ:۔ حضرت امام حسین کی رائے یہی ہو جو حضرت امام احمد اور ان کے موافقین کی ہے.... حضرت امام حسینؓ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا..... ان کا ارادہ جہاد یقیناً صحیح تھا اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی قرار نہیں دئیے جا سکتے۔ ...... یہ تاریخی واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت امام ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کئے گئے ہیں اگر اس کے بعد بھی (آپ کی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہیں تو کیا ہے" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صفحہ ۲۸۷)

اب رہا یہ امر کہ امام حسین کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ چونکہ میں علی کا بیٹا اور

رسول کا نواسہ ہوں لہذا خلافت مجھے ملنی چاہیے۔ اس پر تفصیلی بحث ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملاحظہ ہو۔ ہمارے مخاطب امام حسین کی زبانی یہ دعویٰ کسی مقام سے بھی ثابت نہیں کرسکتے۔ کہ آپ یزید کو ہٹا کر خود ہی تخت سلطنت پر قابض ہونا چاہتے تھے اور اصلاح اُمت کے لئے کوئی دوسری شکل آپ کے پیش نظر ہی نہ تھی اور نہ ہوسکتی تھی باقی رہا امام حسین اور یزید کی دو ہستیوں کا تقابل و توازن۔ اس پر ہم اپنی طرف سے اس وقت کچھ بھی لکھنا نہیں چاہتے کیوں کہ امت کا ہر فرد جانتا ہے کہ مناقب و فضائل و معائب و مثالب کس نسبت سے ان دونوں کے لئے ثابت شدہ ہیں۔ امام حسین کے مقابل یزید کے تلوار اُٹھانے کا سوال بھی عجیب ہے۔ ہر غاصب ہر جابر ہر رہزن و سارق بالجبر اپنی مملوکات ناجائز کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا اور اٹھا سکتا ہے اس میں یزید ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ایک ایسی سلطنت جائرہ کی جو سراسر جور و ظلم و دسائس کو کام میں لاکر حاصل کی گئی ہو - حفاظت و صیانت کے لئے جبر و قتال و خون ریزی کی تائید نہ تو کلام اللہ ہی سے پیش کی جاسکتی ہے نہ کلام نبوی اور سیرت خلفائے راشدین ہی سے کی جاسکتی ہے اور اسی لئے عالم اسلام میں یزید پر تفسیق و تکفیر اور لعنت کی مسلسل بارش ہوتی چلی آرہی ہے۔

مکرر عرض ہے کہ اس مقالے کی بحث ہماری اس کتاب کے مختلف حصوں میں مفصل اور مشرح ملے گی اپنے اپنے مقام پر اس کتاب میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم کی دیرینہ عداوتیں اور اُن کے نتائج

قال المخاطب:- بنی امیہ پر یہ الزام محض غلط ہے کہ ان کے دلوں میں دیرینہ

عداوت بنی ہاشم سے چلی آرہی تھی جو حضرت امیر معاویہ رضہ وغیرہ سے ظاہر ہوئی۔ جاہلیت کے واقعات سے تو بحث نہیں ظہور اسلام کے بعد تو یہ دونوں قبیلے شیر و شکر ہو گئے تھے اور بمصداق آیۂ کریمہ فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ تمام دیرینہ عداوتیں اور کینے نابود ہو کر یہ دونوں قبیلے یک جان و دو قالب اور شیر و شکر کے مصداق بن گئے تھے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ آنحضرتؐ کی تبلیغ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ بعد میں جو بعض واقعات شکر رنجی کے امیر معاویہ رضہ وغیرہ کے زمانوں میں ظاہر ہوئے وہ محض وقتی اور بمقتضائے بشریت ہی تھے اور یہ عقیدہ روافض کا ہے کہ ان کے دلوں سے دیرینہ کینے نہیں نکلے تھے۔ حضرت امیر تو اپنے کلام مندرجہ نہج البلاغہ میں صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اہل شام کا خدا ایک نبی ایک اور اسلام ایک ہی تھا۔۔۔ الخ

الجواب:۔ کوئی شک نہیں کہ حضور سرور کائنات صلعم کی تعلیم اسلام کی بدولت مفاسد دیرینہ کا سدّباب ہو گیا تھا اور آپ نے مختلف جنگجو قبائل کو جو صدیوں سے برسرِ پیکار چلے آرہے تھے اپنی بامثال تعلیم رافت و رحمت سے راہ راست پر لگا کر باہم شیر و شکر کر دیا تھا۔ ولنعم ما قیل فی شانہ صلعم

خطا کار سے درگزر کرنے والا	بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا	قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

الغرض یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے مسلمان تو مسلمان اغیار بھی انکار نہیں کر سکتے۔ حضور رسالت مآبؐ کا یہ وہ کارنامہ ہے جو تاریخ عالم میں بحروف جلی ہمیشہ لکھا رہے گا۔ مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ آئندہ چل کر بھی مادی اغراض کے حصول میں بعض

قبائل کے قدم جادۂ مستقیم سے نہ ہٹ سکیں گے اور زمانۂ رسول کی سی حالت ہمیشہ کے لیے بدستور قائم و دائم رہے گی اور کاٹ کھانے والی حکومت حاصل کرنے اور اپنے مقاصد منکرہ کی پیش رفت میں قبائلی عصبیت سے کام نہ لیا جا سکیگا۔ دورِ فتن کی تاریخ دیکھنے سے کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ حصول مقاصد ناجائز کے لیے علی الاعلان قومی عصبیت ہر جا بجا بلکہ اس عہد فتن میں ہر جگہ کام میں لایا گیا اور ہر ناجائز ذریعے سے حکومت اسلامیہ کو بنی امیہ میں محدود و محصور رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ ہر قسم کا مشاغبہ درہماً و دینارا سیفاً و لساناً متراد جہاداً لیلاً و نہاراً کیا جا[illegible] اور قبائلی عصبیت کے جس فتنے کو مصلح اعظم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنی مساعی جمیلہ سے دبا دیا تھا ان خواہشمندان ملک عضوض نے اسی فتنہ خوابیدہ کو بیدار کر دینے کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا جس پر اب تک بھی اکابر امت ماتم کرتے چلے آ رہے ہیں جب تک آنحضرت اس دار فانی میں تشریف فرما رہے قبائلی عصبیت کے اس فتنے کو بعد اصلاح سر اٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ مگر دور فتن میں تو سب سے زیادہ نمایاں فتنہ پردازی اسی قبائلی عصبیت کے عفریت نے کی۔ ہمارے مخاطب عالی مقام کے مسلمہ و مقبول امام المورخین علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابتدائے اسلام میں عصبیت اور شوکت اس لئے بھول بسر گئی تھی کہ عرب پر خوارق و نزول وحی اور نصرت اسلام کے لئے ملائکہ کی آمد و رفت برابر جاری تھی اور عرب اس حالت کو دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے، عرب کے تمام سابقہ اخلاق و عادات اور جاہلیت کی عصبیت میں نمایاں فرق آگیا تھا اور بجائے قومی عصبیت کے دینی عصبیت قائم ہو گئی تھی جس سے دین کی حمایت و حفاظت ہوتی رہی مشرکین سے جہاد کئے گئے

دین کو استحکام ہوا یہاں تک کہ جب نبوت و خوارق مجیبہ کا زمانہ ختم ہوا تو پھر فی الجملہ عادت وطبیعت کی حکومت قائم ہونے لگی اور عصبیت کما کان عود کر آئی اور قبائل مضر بہ نسبت اوروں کے بنی امیہ کے زیادہ طرفدار ہوگئے اس لئے کہ پہلے بھی یہ قبائل بنی امیہ کے زیادہ طرفدار تھے (صفحہ ۲۵۴)

اسی طرح جناب مخاطب کے دوسرے امام المورخین فی الہند علامہ اکبر شاہ خاں اپنی تاریخ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔ "جس طرح حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد بنی امیہ اور بنی ہاشم کی دیرینہ رقابت پھر تازہ ہوگئی تھی اسی طرح امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد بنو قیس اور بنو کلب کی فراموش شدہ رقابت از سر نو بیدار ہوگئی (تاریخ اسلام صفحہ ۵۸)

علامہ ابن خلدون اور دیگر اکابر مورخین و مصنفین نے اس قسم کے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے درحقیقت وہ تاریخی حقائق ہی ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اگر غور کیا جائے تو دور فتن کا آغاز ہی اس قبائلی عصبیت کی بنا پر ہوا جسے علامہ ابن خلدون اپنی اس عبارت میں لکھ رہے ہیں کہ عصبیت کما کان عود کر آئی۔ اور ہم غایت یقین سے یہ بیان کر سکتے ہیں کہ اگر یہ عصبیت کما کان عود نہ کرتی تو دور فتن کے یہ خونیں تماشے دیکھنے کا موقع ہی نہ مل سکتا۔

اس کے بعد جناب مخاطب تحریر فرماتے ہیں:۔ "جو واقعات شکر رنجی کے امیر معاویہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے وہ محض وقتی اور بمقتضائے بشریت ہی تھے اور یہ عقیدہ دروغ محض کا ہے کہ ان کے دلوں سے دیرینہ کینے نہیں نکلے تھے۔" (ختم) جواباً عرض ہے کہ یہ کس طرح آسانی باور کرایا جائے کہ امیر معاویہ کی یہ رنجش محض وقتی اور

عارضی تھی۔ ایک خلیفہ برحق کے مقابل حصول حکومت کی غرض سے وہ باغی بنے تھے۔ پھر دوسرے خلیفہ برحق جناب سبط اکبر حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مقابل بھی انہوں نے اس بغاوت کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر جب سریر خلافت جائرہ پر مستبد و مستقل ہو گئے تب بھی خاص اہتمام سے خاندان رسالت کے افراد طاہرینؑ پر خود بھی سب و لعن کرتے تھے اور خطبائے مساجد کے علاوہ عامہ مسلمین سے بھی خاندان رسالت پر تا حیات سب و لعن کراتے رہے یہاں تک کہ اس لعن گوئی کا سلسلہ خلیفہ صالح عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کے وقت تک دراز ہو گیا ہم کس طرح ان حالات میں باور کر سکتے ہیں کہ یہ رنجش محض وقتی اور عارضی محض بتقاضائے بشریت ہی تھی ان آثار و قرائن سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس شجر عداوت معصیت ثمر کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ کیا اس مسلسل سب و لعن کا مقصد سوائے اظہار بغض و کینہ کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے کوئی فریق متخاصم سامنے موجود نہیں ہے حکومت جائرہ پر سرفراز ہو چکے ہیں مگر پھر بھی لعن و سب و شتم کا سلسلہ جاری ہے۔ آخر اس کی کوئی تو وجہ ہونی چاہیے فہم انسانی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ خاص اپنے ایسے مولفین پر جن سے شیر و شکر و یک جان و دو قالب ہونا بیان کیا جاتا ہے اس طرح لعن و سب و شتم شب و روز کیا جائے اور کرایا جائے اور مقدس مساجد اسلامیہ تک میں اور دوران قنوت بھی اس لعن گوئی سے اپنے سرور قلب و راحت روح کا سامان بہم کیا جائے۔ باہم شیر و شکر بھی ہیں اور سب و شتم و لعن کا سلسلہ بھی جاری ہے این چہ بوالعجبی است تمامی اکابر و اساطین اہلسنت ان افعال شنیعہ پر اب تک تاسف کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ انکو روافض کہیئے یا جو چاہیں کہیئے مگر اس مسلسل اور طویل لعن گوئی اور سب و شتم سے انکے گہرے بغض و کینہ کا اثبات ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا ہے۔ کیا یہ ہی طویل

لعن گوئی اور سب و شتم ان کے باہم شیر و شکر ہونے کی دلیل قوی آپ کے نزدیک ہے۔ اے سبحان اللہ۔ کیا تعریف کی جائے اس شیر و شکر ہونے کی۔

ہمارے مخاطب والا مقام نے جو معیار یک جان و دو قالب اور شیر و شکر ہونے کا اپنے خیال میں قائم کر رکھا ہے وہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کمال اتحاد و اتفاق کے تدریجی منازل ارتقاء اس طرح طے ہوتے ہیں کہ اول تو دو برحق خلیفوں کے خلاف حصول حکومت کے لئے باقاعدہ جنگ کی جائے اور اس جدال و قتال میں کوئی دقیقہ غارت گری میں باقی نہ چھوڑا جائے اور جب نائرہ جنگ و جدال منطفی ہو جائے تو اس جہاد سیفی کے بعد جہاد لسانی اس طرح کیا جائے کہ خود بھی لعن و سب و شتم فریق مخالف پر کیا جائے اور دوسروں سے بھی کرایا جائے تب کہیں جا کر فریق مخالف سے یک جان و دو قالب اور شیر و شکر ہونے کے خواب شیریں کی تعبیر مل سکے گی۔ کیا انتہا ہے اس خوش فہمی کی۔

امیر معاویہ کی نفسانیت اور تعصب

خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں محققین اہل حدیث بعد تتبع روایات صحیح دریافتہ اند کہ ایں حرکات (معاویہ) خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قرشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبودہ است پس نہایت کارش ایں است کہ مرتکب کبیرہ و باغی باشد (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۹۳)۔ دیکھا جناب نے کتنی وضاحت سے جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ نے امیر معاویہ کی قبائلی عصبیت کو واضح کیا ہے اور ان کی نفسانیت کو عالم آشکار کر کے ان کو مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیا ہے آپ کا قلم آپ کے ہاتھ میں ہو اور زبان منہ میں ہے خواہ آپ حضرت خاتم المحدثین رح کو رافضی کہیں یا کافر کہیں یا کچھ اور کہیں مگر نفس الامر اپنی جگہ پر

ہے اور اپنی جگہ ہی رہے گا اور حضرت خاتم المحدثین رح ہی نہیں قریب قریب جمیع علمائے اعلام اہلسنت یہی اور صرف یہی خیال ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں مگر آپ نے ان سب کو بیک جنبش قلم رافضی ہی بنادیا اور اس طرح ہمیں جواب دینے کے قابل ہی نہ رکھا۔ اب اگر آپ کے نزدیک مولانا شاہ عبدالعزیز رح بھی رافضی ہیں تو خدارا ہمیں کسی ایسی ہستی کا پتہ دیا جائے جس پر آپ کے بیان کردہ اور مفروضہ رفض کا گمان ہی نہ ہوسکے۔ ہم اور ہمارے تمام اخوان طریقت تو اب تک یہی سمجھتے رہے ہیں کہ جناب خاتم المحدثین رح کے بیانات و مختارات مناقشات بین المسلمین کی حد تک اہلسنت کی جماعت میں حرف آخر کا حکم رکھتے ہیں مگر آج پہلی بار یہ علم ہوا کہ بقول مخاطب عالی مقام اس تعصب اموی کے ظاہر کرنے کے باعث جناب خاتم المحدثین بھی روافض کی جماعت میں شامل ہیں کیونکہ بقول مخاطب یہ خاص عقیدہ روافض ہی کا ہے۔ الفاظ نہیں ملتے کہ اس تحکم بے جا کی داد دی جائے۔ جناب والا ان سلاطین جائرین کی قبائلی عصبیت ایک ایسا ثابت شدہ امر ہے جس سے کسی طرح انکار کیا ہی نہیں جاسکتا ایسی دیرینہ اور دیرپا رنجشوں کی موجودگی میں آپ کب تک ان کے شیر و شکر ہونے کے خواب شیریں دیکھتے رہیں گے! اور ان تاریخ حقائق پر کب تک آپ کی ترش روئی باقی رہے گی اور اس شور و شر پر جو انہوں نے بر بنائے تعصب قبائلی مدتوں تک جاری رکھا ہے کس طرح پردہ ڈالا جاسکتا ہے جتنی جتنی کوشش آپ پردہ داری کی کریں گے یاد رکھیئے اس سے اور بھی زیادہ پردہ دری ہوگی۔ یہ بیان کردینا تو بہت آسان ہے کہ بغاۃ شام اور ان کے مخالفین یک جان و دو قالب اور باہم شیر و شکر تھے۔ مگر واقعات اور قرائن حالیہ و مقالیہ اور اکابر و اساطین اہل اسلام کے اقوال

سے ان بیانات کی تائید نہ صرف بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ امیر معاویہ نے جس قدر کوشش و اہتمام سے اقربا رخاص رسول مقبول پر لعن وسب وشتم خود کیا اور دوسروں سے کرایا ہے اس کی تفصیلی بحث ہماری اس کتاب کے اوراق میں دوسرے مقامات پہ ملاحظہ ہو)

نہج البلاغہ کے اندراجات پر بحث

اب اس مقالے میں ایک ہی بحث باقی رہ گئی ہے اور وہ ایک قول جناب امیرؑ مندرجہ نہج البلاغہ کی حد تک ہے قبل اس کے کہ ہم جناب امیرؑ کے اس قول کو نہج البلاغہ سے نقل کریں اس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ اہلسنت کی جماعت میں اس کتاب کے اندراجات کی توثیق اس طرح نہیں کی گئی ہے جس طرح عام طور سے جماعت امامیہ میں کی گئی ہے۔ اس بحث کو ہم طول دینا نہیں چاہتے۔ صرف جناب خاتم المحدثین رح کا ایک توضیحی بیان یہاں نقل کئے دیتے ہیں جو بغرض توضیح حال کافی ہے اور وہ یہ ہے:- "وازیں جنس است انچہ از نامہا رخطبہا دمواعظ ونصائح آنجنابؑ (جناب امیر) راجمع نمودہ درشے زیادت ونقصان وتحریف الکلم عن مواضعہا وتقدیم وتاخیر بعمل آوردہ موافق مذہب خود ساختہ اند وکتاب نہج البلاغہ نام نہادہ۔ وگویند از رضی است وہو المشہور الصحیح وگویند از برادر او مرتضیٰ است وصریح معلوم می شود کہ کلام امیر المومنین را ابتر نمودہ واسقاط بعضے حروف کردہ وتقدیم وتاخیر بے محل بکار بردہ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۱۹)

جناب خاتم المحدثین کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ نہج البلاغہ میں اہلسنت کے نزدیک کلام امیر المومنین تو ضرور موجود ہے مگر زیادت ونقصان اور بعض مقامات پر تحریف وتقدیم وتاخیر وغیرہ کے باعث یہ مجموعہ کلام محفوظ حالت میں نہیں ہے

اس لحاظ سے اس کتاب کے اندراجات سے اہلسنت کی جماعت میں کسی حجت الزامی کے قیام کو برمحل نہیں سمجھا جاسکتا ہو مگر ہمارے مخاطب الامقام کو اس سے کیا غرض ہے ان کی اصلی غرض و غایت تو صرف اسی قدر ہے کہ کسی نہ کسی طرح ملوک جائرین شام وبغداد کا رفیع المنزلت اور جامع الحسنات ہونا اور اس باغی گروہ کا فریق اہل حق سے بہتر و بشکر ہونا ثابت کر دیا جائے۔ اگر ہم اپنی طرف سے کوئی عبارت نہج البلاغہ کی اپنی تائید میں پیش کر دیں تو فوراً ہی جناب مخاطب صدائے احتجاج بلند و بلند کرکے زمین آسمان ایک کر دیں گے اور فرمانے لگیں گے کہ نہج البلاغہ تو روافض کی کتاب ہے اس لئے ہم اسے تسلیم ہی نہیں کرتے۔

اور خاص ہمارا مسلک اس کتاب کے اندراجات کی حد تک یہ ہے کہ جب تک واضح طور پر یہ معلوم اور ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں نقصان کسی عبارت میں واقع ہوا ہے ہم نہج البلاغہ کے ہر اندراج کو واجب الاحترام جانتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے کہ اندراجات کتب احادیث نبوی کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے دراں حالیکہ یہ امر مسلمہ محدثین کرام ہے کہ کتب احادیث میں صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات موجود ہیں مگر ہم ان اندراجات کو بہر حال واجب الاحترام جانتے ہیں اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں حدیث نبوی موضوع یا ضعیف ہے کتب حدیث میں جس عبارت کے قبل بھی قال رسول اللہ موجود ہو۔ ہمارے نزدیک واجب الاحترام ہی ہے سقیم کو صحیح سے علیحدہ کرنا کوئی معمولی کام نہیں سوائے راسخون فی العلم کے یہ کام کسی کے بس کا ہو بھی کس طرح سکتا ہے۔

بس ہم اسی اعتقاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ عبارت زیر بحث مندرجہ نہج البلاغہ خاص جناب امیرؑ کا ہی کلام ہے۔ مخاطب کے استدلال کا جواب

پیش کرتے ہیں۔ سب سے اول کلام مندرجہ نہج البلاغہ زیر بحث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے
جو یہ ہیں:۔ ومن کلام لہ علیہ السلام کتبہ الی اھل الامصار یقتص
فیہ ماجری بینہ وبین اھل صفین وکان بدء امرنا انا التقینا
والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا
فی الاسلام واحد لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق
برسولہ صلعم ولا یستزیدوننا فالامر واحد الا ما اختلفنا فیہ
من دم عثمان ونحن منہ براء (انتہیٰ) یعنی جناب امیر نے اہل امصار کی طرف اس
مضمون کا مکتوب لکھا تھا جس میں اپنے اور اہل شام کے درمیان صفین میں جنگ ہونے
کا اس طرح ذکر تھا کہ ہم میں اور اہل شام میں جھگڑے کی ابتدا ہوئی اور ظاہر
یہ تھا کہ فریقین کا خدا ایک اور نبی ایک اور فریقین کا دعوے اسلام بھی ایک ہے
اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں نہ ہم ان پر زیادتی چاہتے تھے اور
نہ وہ ہمارے اوپر۔ پس فریقین کا امر (بظاہر) واحد تھا سوائے اس کے کہ فریقین
میں اختلاف ہوا خون عثمان کی بابت اور ہم اس سے بے تعلق ہیں (ختم)

معلوم نہیں ہوسکا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے اس کلام سے امیر معاویہ
کی کون سی منقبت جلیلہ ثابت کی جاسکتی ہے۔ جناب امیرؑ نے اس نزاع کے فریقین کی
ظاہری اور صرف ظاہری حالت ہی کا بیان اس کلام میں فرمایا ہے کہ بظاہر دونوں
فریق اللہ اور رسول کے کلمہ گو تھے۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ بظاہر دونوں فریق
ادعائے اسلام کرتے تھے۔ کیا امیر معاویہ مجوسیت یا نصرانیت کے ادعا کے ساتھ
میدان جنگ میں آئے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ نے جو کچھ بھی اس مکتوب میں ظاہر

فرمایا ہے وہ صورت حال کا صرف ظاہری پہلو ہی ہے (والظاھر) کا واؤ محض حال کے انکشاف کے لئے ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ فریقین کا مقابلہ اس حال میں ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں فریق کا خدا ایک اور رسول بھی ایک اور ایمان بھی مساوی ہے اور اسی خیال کی مزید تائید و تشریح جناب امیر نے دوسرے مقام پر اپنے کلام میں فرما دی تھی جہاں باغیان شام کے متعلق ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اخواننا بغوا علینا" پس اگر اسلام ظاہری کے ساتھ ہی ساتھ یہ بغاوت ہمارے مخاطب والا مقام کے نزدیک ایک منقبت جلیلہ ہے تو یہ خوش فہمی آنجناب ہی کو مبارک رہے۔ خدام علمائے اہلسنت تو اس خوش فہمی میں آپ کے ہم نوا ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اپنے اغراض منکرۂ سیاسیہ کے لئے خلیفہ برحق کرم اللہ وجہ کے مقابل یہ بغاوت اور حصول سلطنت جائرہ کے لئے طلب قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پردے میں یہ جدال و قتال اور یہ خوں ریزی عامہ مسلمین کیا ایسے افعال سمجھے جا سکتے ہیں جن کی مدح میں اور بھی کوئی نہیں خود جناب امیر ہی لب کشائی فرماتے۔ کوئی عقل سلیم ہرگز اسے تسلیم نہیں کر سکتی۔ اپنے اس کلام (زیر بحث) میں جناب امیرؑ نے فریقین کی صرف ایک ظاہری حیثیت ہی کا ذکر فرمایا ہے کہ دیکھنے میں تو دونوں فریق اسلام ہی کے پیرو نظر آتے تھے اور یہی توجیہ علامہ محمد عبدہ المصری نے بھی اس کلام کی تحریر فرمائی ہے۔ کلام جناب امیرؑ میں (والظاھر) کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:- الواو للحال ای کان التقاءنا فی حال یظھر فیھا الخ یعنی ہم دونوں کا مقابلہ و مقاتلہ اس حال میں ہوا کہ جب کہ ہم بظاہر ایک ہی خدا اور رسول کے پیرو نظر آ رہے تھے اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ہم دونوں اسلام میں برابر ہیں۔ (از گلزار ابراہیمی صفحہ ۱۱۷

اس صورت حال کا ظاہری اور صرف ظاہری پہلو تو یہ تھا جس کا بیان کافی و شافی جناب امیرؑ نے (والظاهر) فرما کر واضح کر دیا اور اس کی توضیح مزید اپنے دوسرے کلام ہدایت التیام میں یہ کر دی کہ "اخو اننا بغوا علینا" مگر خلیفہ برحق کے مقابل اس صریح عدوان و بغاوت کا باطنی اور بے حد تاریک پہلو واضح کرنے کے لئے علاوہ ارشادات جناب امیرؑ مندرجہ نہج البلاغہ و دیگر کتب کے جناب سرور کائنات کا ارشاد مندرجہ صحاح و دیگر مسانید و معاجم موجود ہے۔ شہادت حضرت عمار بن یاسر رضؓ نے مخالفین جناب امیرؑ پر بغاوت کی ابدی مہر تصدیق ثبت کر دی جو کسی کے مٹائے ہرگز مٹ نہیں سکتی۔ کتب صحاح کے علاوہ کتب حدیث امام احمد رح و حاکم وطبرانی وغیرہم میں بھی ارشاد نبوی صؐ قتل حضرت عمارؓ کے لئے باسانید حسنہ درج ہے اور حضرت عمار رضؓ کی شہادت سے امیر معاویہ کا راس و رئیس فئۃ الباغیہ ہونا بلا اختلاف اہلسنت میں تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے ارشاد نبوی ملاحظہ ہو:۔ "ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیہ یدعونہم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار" یعنی آہ آہ عمار اسے باغی جماعت قتل کریگی عمار تو! اس باغی جماعت کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور باغی جماعت اسے دوزخ کی طرف دعوت دیتی ہو گی (ختم)

قتل عمار یاسر کی حدیث علاوہ صحیحین وغیرہ کے دیگر متعدد طرق سے بھی باختلاف بعض الفاظ مروی ہے مثلاً کتب امام احمد وطبرانی کے الفاظ بروایت عمرو عاص یہ ہیں سمعت رسول اللہ یقول اللھم اولعت قریش اعمار و سالبہ فی النار حدیث قتل عمار رضؓ کی توثیق خصائص کبریٰ میں بایں الفاظ درج ہے۔ ھذا الحدیث متواتر رواہ من الصحابہ لبضعۃ عشر کما بنیت ذلک فی الاحادیث المتواترہ

(صفحہ ۱۴۴)

اب ہمارے مخاطب عالی مقام بیان فرمائیں کہ داعیان نار و داعیان جنت کا باہم شیر و شکر و یک جان و دو قالب ہونا کس طرح باور کر لیا جائے۔ آب و آتش کا توافق اگر ہم باور کر سکتے ہیں تو بے شک داعیان نار و داعیان جنت کا توافق بھی باور کر لینا جائز ہو سکے گا والا فلا۔

اب ہم جناب مخاطب کو ایک آیہ شریفہ اور ایک حدیث مرتضوی کا مضمون یاد دلا کر اس بحث کو کہ یہ دونوں متخاصم گروہ باہم شیر و شکر و یک جان و دو قالب تھے (وغیرہ) ختم کئے دیتے ہیں قال اللہ تعالےٰ لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ وقال امیر المومنین علیہ السلام حزبنا حزب اللہ والفئۃ الباغیہ حزب الشیطان ومن سوی بیننا وبین عدونا فلیس منا (کنز العمال) یعنی جناب امیرؑ نے فرمایا کہ ہماری جماعت خدا کی جماعت ہے۔ اور ہماری مخالف باغی جماعت شیطان کی جماعت ہے اور جس نے ہم دونوں کو مساوی سمجھا وہ ہم میں سے نہیں ہے (ختم) اس حدیث مرتضوی سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قول مندرجہ نہج البلاغہ زیر بحث جس کا بیان سطور ماسبق میں ہوا ہے فریقین کی ظاہری اور صرف ظاہری حیثیت کا مظہر ہے۔ اصلی اور حقیقی فرق دونوں متحارب جماعتوں کا اس حدیث مرتضوی سے واضح ہوا کہ ایک طرف حزب اللہ ہے اور دوسری طرف حزب الشیطان پس یہ دونوں جماعتیں مساوی حیثیت میں کس طرح ہو سکتی ہیں اور حدیث نبوی مندرجۂ بالا سے بھی یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ حضرت عمارؓ کی جماعت داعی الی الجنۃ تھی اور مخالف گروہ داعی الی النار تھا۔ پس لا یستوی اصحاب النار

واصحاب الجنۃ کا ارشاد خداوندی کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

قال المخاطب :۔ اگر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کی پرانی عداوتیں بعد وفات رسول از سر نو زندہ ہو گئیں تو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ یہ دونو گروہ ان عداوتوں کے لئے مجرم ہیں یعنی جس طرح بنی امیہ پر یہ الزام تراشی کی جاتی ہے کہ حصول سلطنت کے لئے انہوں نے ناجائز کارروائیاں کیں بالکل یہی الزام افراد بنی ہاشم پر بھی وارد ہوتا ہے، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بانی اسلام خاص اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے افراد کی بھی اصلاح نہ کر سکے دیگر قبائل کا تو کیا ذکر ہے ۔۔۔ الخ۔

الجواب :۔ جناب رسالت آبؐ کے اعلان نبوت اور اس کی عالمگیر مقبولیت کے بعد خاندان نبوت کو جو بے مثل فروغ حاصل ہو گیا تھا اس کے باعث یہ افراد طاہرین محسود عالم بن چکے تھے۔ انہیں بنی امیہ پر حسد کرنے کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا۔ بنی امیہ کے اکثر و بیشتر افراد کی حیثیت طلقا و ضعفا ہی کی تھی پس بنی ہاشم کو ان سے حسد کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ اہلبیت رسول کے مدارج عالیہ سے تمام مومنین مخلصین بخوبی آگاہ تھے البتہ بنی ہاشم کا یہ عروج ان کے فریق مقابل یعنی بنی امیہ کے ان طلقا و ضعفا کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتا رہا اور اسی لئے انہوں نے دور فتن میں کوئی دقیقہ اہانت و ایذائے دودمان سید المرسلینؐ میں باقی نہیں چھوڑا۔ ہم نے یہ جو کچھ عرض کیا سراسر مطابق واقعات ہے۔ اگر اس بیان کو کوئی شخص باور نہیں کرتا ہے، نہ کرے اور شوق سے تمامی موجودین بنی ہاشم یعنی جناب امیرؑ حسنینؑ وغیرہم پر کینہ پروری و حسد و طلب دنیائے دوں کے الزامات لگائے، زبان و قلم کو کون روک سکتا ہے مگر یہ خیال رہے کہ ان برگزیدہ اور بے لوث مقدس ہستیوں پر الزام

تراشی کے ساتھ ہی وہ قبائے تسنن تار تار ہو جائے گی جس میں ملبوس ہو کر مطلب برآری کی سعی بہیم کی جا رہی ہے۔ مخاطب صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ رسول اللہ خاص اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح نہ کر سکے۔ جناب والا یہ خیال سراسر غلط اور یہ مفروضہ از سرتاپا فاسد و باطل ہے۔ خود کلام الٰہی جن مقدس افراد کی تطہیر کے لئے ناطق ہو کوئی ہزار باران کے خلاف کہے جائے اہلسنت کے نزدیک تو اس کا یہ قول مردود ہی قرار پائے گا اور اب بھی نواصب بداندیش نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے کیا کیا الزام تراشیاں آئے دن نہیں کی جاتی ہیں بقولِ شاعر

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو

کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

مگر باوجود ان تمام الزام تراشیوں اور بہتان بافیوں کے ان مقدس افراد طاہرین کا مقام ارفع و اعلیٰ اپنی جگہ پر ہے ان کی محبت مومنین صادقین و اولیاء اللہ الکاملین کے دلوں میں انشاء اللہ تا بقیام قیامت باقی رہے گی اور ان کا ذکر خیر بھی داخل عبادات رہے گا۔ ولنعم ما قال فقیہنا و شیخنا و امامنا الشافعی علیہ الرحمۃ

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم   فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم   من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

گیا وہ دور جب ان متغلبین و جائرین شام کے احکام نادری کی تعمیل میں خطبائے مساجد منبروں پر اپنے خطبات میں دودمان حضرت خیر المرسلین پر نام بنام لعن و سب و شتم کرتے تھے اور خود سلطان جائر و جابر بھی ان مقدس ہستیوں پر دشنام طرازیوں سے اپنے کام و دہن کو آلودہ رکھنا اور دوسروں سے بھی اس کی تعمیل

کرانا باعث فرحت قلب وراحت روح جانتا تھا اور دوران قنوت بھی اس سنت سیئہ امویہ و طریقہ مروانیہ پر عمل کیا اور کرایا جاتا تھا اور حق گویان امت کی زبان وقلم پر اس شدت سے احتساب قائم تھا کہ کسی کو اس شنیع شنائع و قبیح قبائح کے خلاف لب کشائی کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی۔ کہاں ہے اب ان کی وہ شوکت قیصری و ہیبت عجمی۔ مگر ہاں افراد طاہرین اہلبیت رسالت کا ذکر خیر الآن کما کان نہ صرف منابر و مساجد ہی تک محدود ہے بلکہ ہر مقام پر چار دانگ عالم میں داخل عبادت اور ہر خلوت و جلوت میں ان کا ذکر خیر باعث سعادت ہی سمجھا جاتا ہے کہ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ۔ عالم اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا نہ ملیگا جہاں ان کو یہ خراج عقیدت پیش نہ کیا جاتا ہو۔ کبھی چمنستان فارس میں بلبل شیراز اس طرح مترنم ہوتا ہے (ذرا یہ والہانہ عقیدت ملاحظہ ہو)

خدایا بحق بنی فاطمہ ؑ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامان آل رسول

کبھی عارف جام حضرت جامی قدس سرہ السامی سرزمین ایران میں اس طرح ترنم ریز ہوتے ہیں۔

زصدق و صفا گشتہ بیچارہ جامی غلام غلامان آل محمد ص

اور یہ ترنم ریزیاں کسی ایک زمانے یا کسی ایک سرزمین تک ہی محدود نہیں ہیں۔ عرب و عجم الغرض کوئی اسلامی قطعہ ارض ایسا نہ ملے گا جہاں کے عنادل شیریں نوا ذکر اہل بیت نبوی میں نواسنج مدحت و منقبت نہ ہوتے ہوں۔ طوطی شیریں بیاں لاہور کی نغمہ سرائی ملاحظہ ہو:۔

ہمہ کس فراخور دست خودؔ از ل گرفتہ مقدر ے
تو ولعل وگوہر وسیم وزر من ودست ودامن آل او

(ظفر علی خاں)

عندلیب چمن منقبت مداح اہل بیت رسول مقبول شاعر شیریں نوائے مشرق ترجمان حقیقت علامہ اقبال طاب ثراہٗ کی زمزمہ پیرائی ملاحظہ ہو۔

از ولائے دودمانش زندہ ام | در جہاں مثل گہر تابندہ ام
زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست | مے اگر ریزد ز تاک من ازوست

ولہ

شوکت شام و فر بغداد رفت | سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز | تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

ترجمان حقیقت علامہ اقبال کے آخری دو شعروں کا مضمون وہی ہے جسے ہم یہاں نثر میں بیان کرتے آرہے ہیں کہ اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر اب تک بھی موجب تازگی ایمان وراحت قلب و فرحت روح ہے۔ مگر ان سلاطین جائرین شام وغیرہ کی شوکتِ کسروی و سطوت قیصری یکسر تاراج صرصر فنا ہو کر ہباءً منثورا ہو گئی اور ان کے مناقب مصنوعی کے طوامیر طویل الذیل جن کی ترتیب وتدوین میں سیم وزر کے قناطیر مقنطرہ خالی کردئے گئے۔ تھے قبرستان ذہول ونسیان میں مدفون ومقبور ہو کر رہ گئے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا | ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

قال المخاطب:۔ اس امر کی کیا شہادت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بذات

حضرت علی پر لعن و سب و شتم کیا کرتے تھے۔

الجواب:۔ جو سوال آپ نے اس مقام پر کیا ہے اس کا جواب اس قدر مشہور ہے کہ ہر طفل تاریخ خواں بھی اس کے جواب سے واقف ہے اور مسلمات و بدیہیات کے اثبات کے لیے کسی مخصوص شہادت کا پیش کرنا بھی غیر ضروری ہی سمجھا جاتا ہے۔ یہ امر کہ امیر معاویہ جناب امیر علیہ السلام پر لعن و سب و شتم بذات خود بھی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی عمل کراتے تھے حقائق تاریخیہ میں داخل ہے چونکہ مخاطب ہم سے اس امر ثابت شدہ کی شہادت خاص طور پر طلب کرتے ہیں۔ بپاس خاطر آنجناب ہم بر سبیل اختصار چند مقامات سے شہادت مطلوبہ پیش کئے دیتے ہیں تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل۔

مورخ مشہور و معروف ابو الفدا اپنی تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:۔ وکان معاویہ وعمالہ یدعون لعثمان رض فی الخطبۃ یوم الجمعۃ ویسبون علیا وکان المغیرہ متولی الکوفہ کان یفعل ذلک یطاعتہ ختم دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں وکان خلفاء بنی امیہ یسبون علیا من سنۃ احدی واربعین وھی السنۃ التی خلع الحسن علیہ السلام فیھا نفسہ من الخلافۃ الی اول سنہ تسع وتسعین آخر ایام سلیمان ابن عبد الملک فلما ولی عمر ابطل ذلک وکتب الی نوابہ بابطالہ (صفحہ ۲۱۲) یعنی معاویہ اور ان کے عمال نماز جمعہ کے خطبوں میں حضرت عثمان رض کے واسطے دعائیں مانگا کرتے تھے اور جناب علی مرتضیٰ کو دشنام دیا کرتے تھے۔ اور مغیرہ بھی اپنے آقا امیر معاویہ کی اطاعت گذاری میں اسی طرح دشنام دیا کرتا تھا۔ اور امام حسن ؑ نے سنہ ۴۱ ہجری میں حکومت امیر معاویہ کی سپرد کی اس وقت سے

۹۹ سنہ ہجری تک خلفائے بنی امیہ حضرت علی اور آپ کے اہلبیت (یعنی اہل بیت رسول) کو دشنام دیا کرتے تھے۔ جب عمر (بن عبدالعزیز) والی ملک ہوئے تو انہوں نے یہ دشنام طرازیاں موقوف کرائیں اور یہ حکم انتقامی انہوں نے اپنے تابعین کو لکھ بھیجا (ختم) قریب قریب یہی مضمون تاریخ الخمیس اور دیگر کتب تواریخ میں بھی درج ہے۔

اور بھی ملاحظہ ہو:۔ فبلغ ذلک معاویہ فکان اذا قنت لعن علیا علیہ السلام والاشتر وابن عباس وشریح بن ھانی والحسن والحسین ومحمد بن الحنفیہ علیہم السلام (تذکرہ خواص الامہ) یعنی جب یہ خبر معاویہ کو ملی تو وہ نماز میں بوقت قنوت علی واشتر وابن عباس وشریح بن ہانی وحسنین ومحمد بن حنفیہ پر لعنت کرنے لگے (ختم) حضرت سعد رض کے انتقال کے بعد امیر معاویہ نے اپنے عمال کو تحریری حکم بھیج دیا تھا کہ تمام منابر پر علی رض پر لعنت کی جائے اور سب جگہ اس حکم کی تعمیل شروع ہو گئی (النصائح کافیہ صفحہ ۹۶) یہاں تک نوبت پہنچی کہ جب امیر معاویہ اپنی بیعت کسی شخص سے لیتے تو یہ شرط پیش کی جاتی تھی کہ علی رض پر تبرا کیا کریں (عقد الفرید صفحہ ۱۴) اس درجہ اہتمام وانتظام اس عمل کا امیر معاویہ کے مدنظر تھا کہ جب ایک شخص نے ان سے کہا کہ اب تو تم اپنے سب مقاصد میں کامیاب ہو گئے ہو اب اگر علی پر سب وشتم کرنا چھوڑ دو تو مناسب ہو گا۔ امیر معاویہ نے اس کو جواب دیا کہ جب تک صغیر سن اشخاص اس طریقے پر بڑے ہو جائیں اور بڑے آدمی اس طریقے پر بڈھے ہو جائیں اور یہاں تک کہ کوئی ایک شخص بھی فضیلت علی رض بیان کرنے والا باقی نہ رہ جائے بخدا میں اپنے اس عمل سے باز نہ آؤں گا۔ (النصائح کافیہ ۷۰)

ان سب کے علاوہ اس معاہدے کی ایک شرط قابل غور ہے جو مابین امام حسنؑ اور معاویہ تفویض حکومت کے وقت زیر بحث رہی تھی چونکہ امیر معاویہ دشنام دہی کے خوگر ہو چکے تھے اور اپنی اس شدید عداوت اور کینے کو جو خاندان رسالتمآب سے عموماً اور جناب امیر سے خصوصاً ان کے دل میں تھا۔ دشنام طرازی سے ظاہر کرتے رہتے تھے۔ جناب امام حسنؑ نے شرائط معاہدہ میں یہ درج کرانا چاہا کہ امیر معاویہ آئندہ اس فعل شنیع کے مرتکب نہونگے۔ معاہدہ کی تمام دیگر شرائط پیش شدہ تو منظور کر لی گئیں مگر دشنام دہی کو ترک کرنے کی شرط امیر معاویہ نے ہرگز منظور نہ کی اور بالآخر بعد رد و کد بسیار یہ قرار پایا کہ جس مقام پر امام حسنؑ موجود ہوں وہاں امیر معاویہ جناب امیرؑ کو دشنام نہ دیا کرینگے۔ ابن اثیر و ابو الفدا وغیرہما بکثرت کتب تاریخ میں اس مضمون کی روایت درج ہے کہ "وان لا یسب علیا فلم یجبہ الی الکف عن سب علی فطلب الحسن ان لا یشتم علیا وھو یسمع واجابہ الی ذلک ثم لم یف لہ بہ الخ" مطلب یہ کہ معاہدہ میں امام حسنؑ نے یہ شرط درج کرنے کا مطالبہ کیا کہ امیر معاویہ جناب امیر کو گالیاں نہ دیا کرینگے مگر امیر معاویہ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا بالآخر امام حسنؑ نے ترمیم شدہ شرط یہ پیش کی تھی کہ میری حاضری میں میری حد سماعت تک امیر معاویہ جناب امیرؑ کو گالیاں نہ دیا کریں تو بالآخر معاویہ نے یہ شرط منظور کر لی مگر بعد میں معاویہ نے ایفائے عہد نہیں کیا (ختم)

تاریخ ابن الوردی جلد اول و روضۃ المناظر ابن شحنہ میں یہ روایت اس طرح درج ہے "وان لا یسب وھو یسمع فاجابہ دما وفی بہ۔

وترک الخلافۃ علی ان لا یسب علیا.... ولم یف لہ معاویہ لبنیٔ مما عاھد علیہ الخ یعنی سب علی نہ کرنے کی شرط تو معاہدہ میں درج کر دی گئی مگر امیر معاویہ نے شرائط مندرجہ معاہدہ کی تکمیل بعد میں نہ کی۔

علامہ ابوالحسن مدائنی نے اپنی مشہور کتاب الاحداث میں بیان کیا ہے کہ امیر معاویہ نے ایک ہی مضمون کا حکم نامہ عام الجماعت کے بعد اپنے عاملین کو روانہ کیا کہ جو شخص علی یا ان کے اہلبیت میں سے کسی کے فضائل بیان کرے تو تم اس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دو فقامت الخطباء فبکل کورۃ وعلےٰ منبر یلعنون علیا ویبرون منہ ویقولون فیہ واھلبیتہ یعنی خطبا نے گلی کوچوں اور منبروں پر جناب امیر اور ان کے اہل بیت پر لعن و تبرا شروع کر دیا۔ تاریخ کامل میں بیان کیا گیا ہے کہ قنوت میں امیر معاویہ جناب امیر و ابن عباس و حسنین و مالک اشتر کو دشنام دیا کرتے تھے۔ فبلغ ذلک معاویہ فکان اذا قنت سب علیا و ابن عباس والحسن والحسین والاشتر (کامل جلد ۳)

الغرض ہم کہاں تک مشہور و معروف مورخین اور دیگر اکابر مصنفین کی شہادتیں نقل کرتے چلے جائیں صرف الفاظ کے اختلاف سے امیر معاویہ کے اس سب و لعن کا ذکر اب تک بیان ہوتا چلا آرہا ہے اور ہمیشہ سے مسلمات تاریخیہ میں شمار ہوتا رہا ہے۔ بلا مبالغہ صدہا کتب مقبولہ سے اس فعل شنیع کے ارتکاب کی توثیق و تصدیق کی جا سکتی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مشہور کتب تاریخ و تذکرہ میں سے کوئی ایک کتاب بھی شاید ایسی نہ مل سکے گی جس میں امیر معاویہ کی اس بدعتِ سیئہ کا

ذکر خاص طور پر نہ کیا گیا ہو۔ جائے غور ہے کہ امام حسنؑ کی پیش کردہ شرائط منظور کی جا رہی ہیں۔ مگر ایک ہی شرط منظور نہیں کی جاتی اور وہ یہ کہ جناب امیر پر سب و لعن بند کیا جائے۔ آخر اس شدید اصرار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کیا امیر معاویہ کو اس ارشاد نبوی کا بھی علم نہ تھا کہ میرے اصحاب پر سب وشتم نہ کرو حیرت ہے کہ ایک طرف تو امیر معاویہ کو جلیل القدر صحابی مجتہد بیان کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان کا یہ عمل ہم دیکھتے ہیں کہ علی الاعلان اصحاب رسول بلکہ خاص اہلبیت رسول و جگر گوشگان حضرت رسالت مآب پر امیر معاویہ خود بھی سب و لعن کر رہے ہیں اور دوسروں سے حکماً و جبراً بھی اس اشد شدید بدعت سیئہ کا ارتکاب کرا رہے ہیں نہ صرف یہی بلکہ مساجد مقدسہ اسلام کو اس سب و لعن کا مرکز اور اس مشغلۂ محبوب کو داخل قنوت کر کے سب و لعن بر اہلبیت رسول مقبول ؐ کو عملاً داخل عبادت بھی قرار دے رہے ہیں الغرض کوئی مکروہ ترین شکل بھی جناب امیر اور دیگر اہلبیت رسول ؐ پر سب و لعن کرنے اور اس مشاغبہ نامحمود کی توسیع و نفاذ میں انہوں نے باقی نہ چھوڑی۔ حدیث خواں طالب علم بھی بخوبی واقف ہیں کہ رسول مقبول نے اپنے اصحاب مقبولین پر سب و شتم کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے مگر نہ معلوم امیر معاویہ کس قسم کے مجتہد العصر والزمان اور جلیل القدر صحابی تھے کہ اس حکم نبوی کی خلاف ورزی پر دیدہ و دانستہ اور خاص اہتمام کے ساتھ عملاً کمربستہ رہے اور جگر گوشگان رسول مقبول اور مولائے مومنین کرم اللہ وجہ پر سب و شتم خود بھی کرتے رہے اور دوسروں سے بھی حکماً اس کی تعمیل کراتے رہے مانا کہ ان کے دل میں شدید بغض و کینہ اہلبیت رسول کی طرف سے بھرا ہوا تھا۔ مگر جب کہ یہ حکومت جائزہ

کے تخت پر مستبد و مستقل ہو چکے تھے اس اشد شدید بغض کا اعلان منابر و مساجد تک میں کرنے کی مصلحت کچھ وہی بہتر سمجھ سکتے ہوں گے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ عمل کر کے انہوں نے خاص اپنی ذات کے لئے بھی کوئی بھلائی نہیں کی آنے والی نسلوں نے ان کے افعال شنیعہ کی یاد کو تمثیلی طور پر ہر دم تازہ رکھا۔ یہ تھا انتہائی مرتبہ اجتہاد جس پر امیر معاویہ فائز نظر آتے ہیں اور جس کے لئے علماء اسلام اب تک بھی افسوس کناں ہیں اور ان کی نفسانیت سے علے الاعلان اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ حضرت خاتم المحدثین تک نے لکھ دیا ہے کہ "خالی از شائبۂ نفسانیت بنود" فاعتبروا یا اولی الابصار

اب تک بھی یہ حال ہے کہ اگر اتفاقاً کسی طرف سے امیر معاویہ کے ان اعمال کے خلاف کوئی صدائے حق بلند ہوتی ہے تو فوراً "طرفداران معاویہ" کی طرف سے یہی حکم نبوی پیش کر دیا جاتا ہے کہ میرے اصحاب پر سب و شتم نہ کرو۔ (سب بمعنی دشنام دادن و شتم بمعنی دشنام دادن کذا فے المنتخب۔ ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں گالیاں دینا) حیرت ہوتی ہے کہ جس سپر کو خود امیر معاویہ نے خوب سوچ سمجھ کر بالقصد اور خاص ارادے اور اہتمام سے پاش پاش کر دیا تھا اسی سپر سے بدعت سیئہ سب و لعن کے اشد شدید سنگین الزام سے ان کو بچانے کی سعی بے محل کی جاتی ہے کوئی کتاب تاریخ و تذکرے کی غالباً ایسی بہ مشکل ہی نکلے گی جس میں ان کی اس بدعت سیئہ کا ذکر نہ ملتا ہو اور جب یہ اندراجات ان کے مقابل پیش کئے جاتے ہیں تو سب سے پہلا جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ یہ سب بے سند روایات وضاعین و کذابین اور غالی روافض سبائین کی مخترعہ ہیں جن کو ہمارے علماء آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ دفتر روایات ہمہ سوختنی ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا

ہے کہ امیر معاویہ تو خود ایک جلیل القدر صحابی مجتہد تھے اگر ان سے کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو وہ خطائے اجتہادی ہی ہو سکتی ہے جس پر دو نہ سہی ایک اجر تو ان کو ضرور ہی ملے گا۔ نازم بریں منصب اجتہاد کہ اپنی نفسانیت کے پیش رفت میں شب و روز علی الاعلان مساجد کے منبروں پر اور قنوت تک میں اور خلوت و جلوت اور کوچہ و بازار میں بھی دودمان حضرت خیر المرسلینؐ پر گالیوں اور لعنت کی بوچھار اپنی نفسانیت کی پیش رفت میں کی جا رہی ہے بلکہ یہ شغلہ محبوب داخل عبادات کر لیا گیا ہے۔ مگر بمقتضائے منصب صحابیت و اجتہاد ایک اجر تو ضرور ہی ملے گا۔ بقول شمس العلماء نذیر احمد دہلوی مرحوم خطائے اجتہادی بھی عجیب قسم کا جُوا ہے جس میں جفت بھی اپنا اور طاق بھی اپنا (امہات الامہ)

اب اگر ہمارے مخاطب کے نزدیک یہ تمام کتب تواریخ و سیر فی الواقع سوختنی اور اکاذیب کا ایک انبار ہی ہیں تو بہتر ہے ہم بھی بفرض غلط ان کتب سے درگزر کرتے اور کتب احادیث و صحاح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کی اس بدعت سیئہ کا کوئی سراغ صحاح اور خصوصاً صحیحین شریفین سے بھی مل سکتا ہے یا نہیں۔ جو روایت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں اس کے راوی حضرت سعد رضی اللہ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) ہیں صحیح مسلم شریف کے علاوہ یہ روایت ترمذی شریف میں بھی موجود ہے اور امام احمدؒ نے بھی اسے نقل فرمایا ہے دیگر کتب حدیث و سیر و تواریخ میں بھی نقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:- عن سعد ان معاویہ امرہ فقال ما منعک ان تسب ابا تراب فقال ماذکرت ثلاثاً لھن رسول اللہ ..... الخ یعنی حضرت سعد راوی ہیں کہ امیر معاویہ نے مجھے جناب امیرؑ کو دشنام دینے کا حکم دیا اور کہا کہ تم علی کو دشنام

کیوں نہیں دیتے ہو۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ میں نے تم سے تین باتوں کا ذکر نہیں کیا جو رسول مقبول ؐ نے بحق علی رضؓ فرمائی تھیں اور اس کے بعد حضرت سعدؓ نے حدیث منزلت ہارونی و حدیث رایت خیبر و حدیث مباہلہ امیر معاویہ کو سنائیں (ختم)

ایہا الناظرین! جائے غور ہے کہ امیر معاویہ خود کیا حیثیت رکھتے تھے وھو من الطلقاء الذین لا یجوز لھم الخلافۃ مگر حضرت سعد رضؓ کو جناب امیر کی دشنام دہی پر آمادہ بلکہ محکوم کرتے ہوئے دریافت کر رہے ہیں کہ تم علی کو دشنام کیوں نہیں دیتے اور وہ امیر معاویہ کے جواب میں جناب امیر کے جلائل فضائل کے دفتر بے پایاں میں سے صرف تین ارشادات نبوی پیش کرتے ہیں اس غرض سے کہ کیا ایسے جلیل المناقب و رفیع المراتب شخص کو بھی دشنام دینا جائز ہو سکتا ہے۔ اب تو ہمیں بھی یقین ہو گیا کہ امیر معاویہ صحابیت اور اجتہاد کے اس منصب اعلےٰ پر فائز تھے کہ اکابر و افاضل صحابہ و عشرۂ مبشرہ کا اجتہاد بھی ان کے اجتہاد کے سامنے ہیچ تھا۔ کیا انتہا ہے اس شدید نقصانیت اور اشد شدید عداوت کی جو اہلبیت رسول مقبول کی ان کے دل میں پنہاں تھی۔ (غلط گفتم) کالشمس فی رابعۃ النہار آشکار تھی کیوں کہ افاضل صحابہ تک جناب امیرؑ کی دشنام دہی کے لئے محکوم و مجبور کئے جا رہے تھے (ذرا غور کیجئے ان بے ہنگام دعاوی پر کہ یہ رنجش جو جنگ صفین وغیرہ میں ظاہر ہوئی محض عارضی تھی ورنہ در حقیقت یہ دونوں باہم شیر و شکر اور یک جان و دو قالب کے مصداق تھے) جب اکابر صحابہ رضؓ اس طرح دشنام دہی کے لئے مجبور کئے جا رہے تھے تو عوام صحابہ رضؓ و عوام الناس پر حاکم جائر نے جس طرح دباؤ ڈال ڈال کر دشنام طرازیاں کرائی ہوں گی اس کا اندازہ بجائے خود ہر شخص کر سکتا ہے ہمیں اعتراف ہے کہ ہمارا قلم اس بدعت سیئہ کے نتائج محزنہ کے اظہار

کے لئے قاصر و عاجز ہے۔

صحاح بلکہ صحیحین میں کی یہ حدیث جب معرض بحث میں آئی تو مخالفین جناب امیر
یعنی نواصب سنی لمانے کہیں تو اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا کہ جامعین صحاح نے
(معاذ اللہ) بلا انتقاد آنکھیں بند کر کے یہ روایت لکھ دی ہے بعض محتاط اشخاص نے
بطور دیگر تاویل لایعنی پیدا کر کے بدعت سیئہ کے اس سنگین الزام سے امیر معاویہ کی
برات کی سعی بے سود شروع کر دی. کتب تواریخ و تذکرہ کی حد تک تو یہ کہہ کر جان چھڑانے
کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ سب مجموعہ اکاذیب اور غالی روافض و سبائین و وضاعین
کی مخترعہ روایات ہیں مگر صحاح کی حد تک ان مخصوص محتاطین کو یہ لکھنے کی ہمت نہ ہو سکی
جب ہمارے محدثین کرام رح نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا تو ان بزرگوں نے اصلاح
حال میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی شکر اللہ سعیہم الجمیل۔

اب ہم اپنے اس بیان کی تائید میں صرف ایک ہی بیان حضرت خاتم المحدثین رح
کا نقل کرتے ہیں جس سے امیر معاویہ کی ان دشنام طرازیوں اور اس کار خیر میں
مشغوف ہونے تک پہنچنے کا کچھ حال مجملاً معلوم ہو جائے گا۔ بلکہ جناب ممدوح علیہ الرحمہ
کا یہ اجمال بھی ہزار تفصیل پر غالب رہے گا ملاحظہ ہو عبارت جناب خاتم المحدثین رح کی.
لفظ حدیث در مسلم و ترمذی این ست کہ معاویہ بن ابی سفیان سعد ابن ابی وقاص
را گفت ما منعک ان تسب ابا تراب یعنی جانبداران معاویہ بن ابی
سفیان این لفظ را تاویل می کنند و گویند مرادش این بود کہ چرا با علی مرتضی درشتی
در کلام نمی کنی و کمی فہمانی کہ دست از قاتلان عثمان بر دارد و در مقام قصاص بکار
سیازد لیکن دریں توجیہ دو خدشہ بخاطر می گذرد۔ اول۔ آنکہ بریں تقدیر می باید

که این گفت وشنید در ایام حیات امیرالمومنین علی رض بوده باشد۔ واز روئے تاریخ ملاقات سعد با معاویہ درست نیست زیراکہ سعد رض از ابتدائے فتنہ در موضع عقیق کہ بیرون مدینہ است منزوی شده ودراں ایام آمدن معاویہ در مدینہ اتفاق نیفتاد بلکہ بعد از صلح از امام حسن رض برائے حج آمده وبا اہل مدینہ ملاقات نموده۔ دوم آنکہ جواب سعد رض اما بما ذکرت ثلاثاً الی آخرہٖ ازیں توجیہ ابا صریح دارد چہ کثرت فضائل شخص مانع از نصیحت وپند گوئی نمی شود بلکہ بہتر ہمین است کہ ایں لفظ را بر ظاہرش جاری باید داشت نہایت کار آنکہ ایں فعل شنیع یعنی سب یا امر سب از معاویہ لازم خواہد آمد ولیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام چہ مرتبہ سب کم تر از قتل وقتال است لما روی فی الحدیث الصحیح سباب المومن فسوق وقتالہ کفر وہرگاہ قتال وامر قتال بالیقین اصدور است ماز اں گزیر نیست بالجملہ اصلح ہمین است کہ معاویہ را مرتکب کبیرہ باید دانست وزبان از لعن وطعن بند باید نمود الا مایقال فی من زنی ومن شرب من الصحابہ رض وہر جائے خطائے اجتہادی را دخل دادن خالی از ستمانت نیست (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۳۰)

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے (جو عشرہ مبشرہ کی ایک فرد ہیں) کہا کہ علی رض کو تم دشنام کیوں نہیں دیتے ہو ترمذی ومسلم کی اس حدیث میں جانبداران معاویہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ معاویہ کا مطلب اس کلام سے یہ تھا کہ اے سعد تم کیوں نہیں سختی اور درشتی سے علی کو یہ فہمائش کرتے کہ قاتلین عثمان کی حمایت سے دستبردار ہو کر ان قاتلوں کو ہمارے سپرد کردیں تا

کہ قصاص لیا جائے۔ جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ اس تاویل کو مخدوش قرار دیتے ہوئے جواب تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے فتنہ ہی سے حضرت سعد موضع عقیق نواح مدینہ میں گوشہ نشین ہو چکے تھے اور اس زمانہ میں معاویہ کی ملاقات حضرت سعد سے باور کر لینا درست نہیں ہے کیوں کہ بزمانۂ فتنہ معاویہ اس طرف کبھی نہیں آئے تھے۔ اس لئے حین حیات جناب امیر اس ملاقات کا واقعہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ حضرت سعدؓ نے جو تین احادیث نبویہ بیان فرمائیں ان سے بھی اس تاویل کی تردید ہو جاتی ہے کیوں کہ کسی شخص کی کثرت فضائل اسے فہمایش و پندگوئی کے لئے مانع نہیں ہو سکتی پس بقول شاہ صاحب علیہ الرحمہ یہ تاویل قطعاً باطل اور حلیہ صحت سے عاطل قرار پاتی ہے۔ پھر شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ لفظ (سب) کو اس کے ظاہری معنی ہی میں تسلیم کیا جائے زیادہ سے زیادہ اس کا نتیجہ یہی برآمد ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ خود دشنام دینے یا دشنام دلوانے کے فعل شنیع کے مرتکب قرار داد جائیں گے اور ظاہر ہے کہ دشنام دہی سے قتال کا درجہ بہت بڑھا ہوا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دشنام دینا فسق ہے اور قتال کرنا کفر ہے اور جب کہ قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ معاویہ نے جناب امیر سے قتال کیا ہے اس کے تسلیم کر لینے کے سوائے کوئی گریز نہیں ہے اور بالجملہ سب سے بہتر یہی ہے کہ معاویہ کو مرتکب کبیرہ کہا جائے۔ اور لعن طعن نہ کیا جائے ورنہ پھر ان صحابہ رسول کو کیا کہا جائے گا جو زنا اور شراب پینے کے مرتکب ہوئے ہیں اور ہر جگہ خطائے اجتہادی کا عذر پیش کرنا برائی سے خالی نہیں ہے (ختم)

اب ہم حیران ہیں کہ امیر معاویہ کے جلیل القدر صحابی ہونے کا اعتراف کریں یا ان

سے مجتہد ہونے کی داد دیں یا کتب واسفار کے ان دفاتر کو یک سر جلا ڈالیں یا امیر معاویہ
کی جلالت قدر و اجتہاد کا اعتراف کرنے کے لئے تمامی علمائے محدثین و مفسرین و مورخین
کی کورچشمی پر ماتم کرتے رہیں (معاذ اللہ) کہ یہ اکابر صحیح و سقیم میں مطلق تمیز نہ کر سکے۔ اور تمام
روایتیں غالی روافض و وضاعین کذابین کی جمع کر کے قیامت تک کے لئے امت محمدیہ کی گمراہی
کا مواد جمع کر کے چھوڑ گئے اور انہوں نے مطلق اس کا لحاظ ہی نہیں کیا کہ امیر معاویہ جلیل القدر
صحابی ہیں۔ خال المومنین ہیں۔ خلیفۃ المسلمین ہیں اور اکابر مجتہدین صحابہ میں سے ہیں اور
ان کی خلافت راشدہ کا دور مسعود (بقول مخاطب) موجب صلاح و فلاح امت رہا ہے اور
ان کا شمار خلفائے اثنا عشر میں ہے اور اس لحاظ سے ان کی حکومت خلافت راشدہ ہے۔
اتنے بڑے مرتبے کا کوئی صحابی اگر اہلبیت رسول مقبول کو گالیاں بھی دے لے تو چنداں
کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اگر اس میں کوئی شائبہ غلطی کا بھی ہو تو وہ خطائے اجتہادی
ہی سمجھی جائے گی اور کیوں نہ یہ بھی باور کر لیا جائے کہ روح پاک رسول مقبولؐ یہ دیکھ کر بہت
بہت مسرور ہوتی ہو گی کہ ان کا ایک قابل فخر و جلیل القدر صحابی مجتہد و خلیفہ راشد
خود آپ کی اولاد امجاد و داماد کو دشنام دے رہا ہے اور دوسروں کو بھی دشنام دہی کے
لئے محکوم کر رہا ہے اس وقت آنحضرت کی روح پاک کو بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ میں نے جو
نصیحت و فہمائش امیر معاویہ کو بادشاہ بن کر عمدہ طریقے سے حکمرانی کرنے کی کی تھی اس
کی پوری پوری تعمیل امیر معاویہ نے جنگ صفین کے بعد ہی میری اہلبیت پر سب و شتم و لعن خود کر کے اور
دوسروں سے بھی حکماً اس کی تعمیل کرا لینے کے بعد وجہ احسن کی ہے کہاں سے وہ الفاظ لائے جائیں کہ ان

کی خلافت راشدہ کی مدح و منقبت کا ادنیٰ حق بھی ادا کیا جا سکے۔ دنیا میں ہزاروں خود مختار
مستبد دشنام دہندہ سلاطین گذرے ہیں مگر تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جو شہرت اور خاص قسم کی اہمیت
سلاطین جابرین مستبدین جیسے امیر معاویہ اور ان کے جانشینان متغلبین کی گالیوں

اور لعن گوئی کو حاصل ہوئی ہے وہ تاریخ عالم میں کسی دوسرے سلطان وقت کی گالیوں اور لعن گوئی کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوئی اور غالباً قیامت تک بھی کسی کی گالیوں کو وہ وقعت اور اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی جو ان ناصبان ملک غضوض کی گالیوں کو حاصل ہو چکی ہے آج تک بھی کتب واسفار اخبار وآثار میں ان سلاطین جائرین کی ان دشنام طرازیوں کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے اور جو بھی نامی گرامی صاحب قلم مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے وہ امیر معاویہ وغیرہ کے سب وشتم ولعن کا ذکر کئے بغیر اپنے فریضۂ تصنیف وتالیف کو مکمل نہیں سمجھتا ہے۔

چودھویں صدی کے مشہور ومعروف صاحب قلم ومحقق عظیم وجلیل وفاضل نبیل امام الہند علامہ ابو الکلام آزاد طاب ثراہ جن کی شخصیت موجودہ نسلوں کے لئے ہرگز محتاج تعارف وتوضیح نہیں ہے اپنے ایک مقالے میں تحریر فرماتے ہیں "پھر کیوں نہ وہ لوگ مستثنیٰ ہوں کہ ایسے ہی مستثنیٰ لوگوں میں سے وہ بزرگ حق ومجدد شریعت الٰہیہ محی السنۃ السنیۃ قامع بدعات مروانیہ وبنی امیہ یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ ہیں جن کو حکمت الٰہیہ نے اسی خاندان میں پیدا کیا تاکہ ان کے دست حق پرست پر شریعت اسلامیہ کا احیا ہو اور ملک غضوض کے اباطیل ومحدثات کا استیصال فرمائیں پس اس وجود گرامی نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تجدید کی اور ایک ایک کر کے بنی امیہ وآل مروان کی پیدا کی ہوئی ان محدثات وبدعات ومنکرات شنیعہ کا انسداد کیا جنھوں نے خیر القرون کی شریعت خالص کو آلودہ ومکدر فسق ومعاصی شتّی کر دیا تھا ..... سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم ومحبت اور صلح واخوت ہی کی تخم ریزی کے لئے بنی تھی سب وشتم ولعن وتبرے کا تخم بنو امیہ نے بویا اور مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت وطاعت

الٰہی واذکار و اشغال مقدسہ کے لئے بنائی گئی تھیں اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہلبیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنا شروع کی اور جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو (کہ نہیں جانتا اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے۔ اور تحمید و تقدیس و صلوٰۃ و تسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیت کبریٰ و ہتک شریعت الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرات نہوتی تھی الا ما شاء اللہ وھم الذین لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون لیکن تاریخ اسلام حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انہوں نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی چھنی ہوئی عزت و حرمت واپس دلا دی چنانچہ لعن و تبرے کی جگہ خطبۂ ثانیہ میں ان اللہ یامر بالعدل الخ داخل کیا۔ یہ آیہ کریمہ آج تک خطبۂ جمعہ کا جزو آخری ہو کر ہر ہفتہ سیئات بنی امیہ و حسنات عمر ابن عبد العزیز پر گواہی دیتی ہے۔ (الہلال جلد ۲، شمارہ ۵ ۲۱-۲۸ مئی ۱۹۱۳ء)

عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:- از میان ایں ہا عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد بود بحلیہ علم و فضل و زہد آراستہ و از دے آثار محمودہ در عالم باقی ماند یکے کتابت علم حدیث و جمع آں و دیگر ترک سب اہلبیت و بروئے صادق آمد مضمون حدیث یبعث اللہ علی راس کل مائۃ یجدد لھا دینھا (ازالۃ الخفا ختم فتنۂ ثانیہ) یعنی عمر بن عبد العزیز علم فضل و زہد سے آراستہ

اور بڑے نیک خلیفہ تھے اور ان سے بہت عمدہ یادگاریں باقی رہیں ایک یہ کہ انہوں نے احادیث جمع کیں اور ان کی کتابت کرائی اور ایک یہ اہلبیت رسول کو جو گالیاں دی جاتی تھیں وہ بند کرا دیں... الخ۔

حجت الاسلام شمس العلما علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور و مقبول کتاب سیرت النبی میں تحریر فرماتے ہیں:- حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہؑ کی توہین کی اور جمعہ میں برسر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں... الخ (صفحہ ۱۴)

صاحب نصائح کافیہ علامہ سیوطی کا قول نقل کرتے ہیں:- ذکر الحافظ السیوطی رح انہ کان فی ایام بنی امیہ اکثر من سبعین الف منبر یلعن علیہا علی ابن ابی طالب (صفحہ ۷۷) یعنی علامہ سیوطی رح نے بیان کیا ہے کہ زمانہ سلطنت بنی امیہ میں ستر ہزار منبروں سے زائد پر جناب امیر پر لعنت کی جاتی تھی۔

مولانا آزاد و جناب شاہ ولی اللہ رح وغیرہما کی تحریات منقولہ بالا میں سب اہلبیت کا ذکر محض اجمالاً ہوا ہے اور صرف اس فعل شنیع کے انسداد کا حال بسلسلہ مناقب عمر بن عبدالعزیز رح ان کے زمانہ خلافت میں دکھایا گیا ہو صراحتاً یہ امر ذکر نہیں ہوا کہ اس رسم قبیح کا بانی اول کون تھا مگر تمام دنیا جانتی ہو کہ اس سب و شتم و لعن گوئی کی ابتدا خود امیر معاویہ نے غایت ذوق و شوق اور خاص اہتمام سے کی تھی یہاں تک کہ مساجد کے منبروں پر بھی اہل بیت رسول اللہ پر دشنام دہی و لعن گوئی کا سلسلہ آغاز کر دیا گیا تھا اور قنوت میں بھی یہ مبارک فریضہ انجام دیا جاتا تھا اور اصحاب رسولؐ سے بھی

اس خوشگوار فریضے کے ادا کرنے کی استدعا علماء کی جاتی تھی۔ اس کی چند شہادتیں ہم نے اوپر نقل بھی کر دی ہیں۔ جناب رسول مقبولؐ نے یوں تو صحابہ کرام کو دشنام دینے کی ممانعت تعمیم کے ساتھ کئی مقام پر کی ہے مگر اس میں بھی بالخصوص جناب امیرؑ کے نام کی صراحت کے ساتھ آنحضرتؐ نے دشنام دینے کے لئے حکم امتناعی بیان فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو:- عن ام المومنین ام سلمہ قالت، سمعت رسول اللہ من سب علیا فقد سبنی (مشکوٰۃ شریف باب مناقب علیؓ) یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول مقبول کو بیان فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نے علی کو دشنام دی اس نے مجھے دشنام دی (ختم)، مطلب یہ کہ یوں تو صحابۂ کرام کو عام طور پر دشنام دینے کی ممانعت ہے۔ مگر علی کو دشنام دینا گویا خود رسول مقبول ہی کو دشنام دینا ہے۔ اگر یہ قول رسول صحیح ہے (اور یقیناً صحیح ہے)، تو پھر العقول شاہ عبد العزیز صاحب؟ "بعضے از جانبداران معاویہ" کیا فرماتے ہیں اس سوال کے جواب میں کہ امیر معاویہ اور ان کے قائم مقامان نے جو دشنام طرازیاں جناب امیرؑ بر بذات خود کیں اور دوسروں سے بھی کرائیں وہ خود جناب رسول مقبول کو دشنام دہی سمجھی جائے یا نہیں اور عند الشرع یہ عمل واجب التعزیر ہے یا نہیں بینوا تو جروا۔

باب سوم

قال المخاطب (خلاصہ کلام طویل) جناب حسنؓ نے بفحوائے مضمون حدیث شریف ان ابنی ھذا سید الخ امر خلافت لبلیب خاطر حضرت معاویہ رضؓ کی سپرد کر دیا اس طرح حضرت معاویہ خلیفہ جائز قرار پا گئے۔ پھر آپ نے اپنا جانشین اپنے فرزند حضرت یزید کو نامزد کر دیا جس پر امت نے اجماع کر لیا اور بیعت ولیعہدی ہو گئی اور بالآخر اسی بیعت ولی عہدی کی پیش رفت میں امیر المومنین یزید مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور عالم اسلام نے آپ سے بیعت خلافت بھی کر لی۔ شرعاً کوئی اعتراض اس خلافت حقہ پر نہیں کیا جا سکتا۔

الجواب:۔ امیر معاویہ کے حق میں حکومت تفویض ہونے اور اس کے بعد یزید کی بیعت ولی عہدی و بیعت حکومت ہونے پر ہماری اس کتاب میں متعدد مقامات پر بحث موجود ہے اس لئے یہاں کسی مستقل مضمون کی ضرورت پائی نہیں جاتی۔ حضرت امام حسن نے جن جن مصالح خاص پر نظر فرماتے ہوئے مجبوراً حکومت (نہ کہ خلافت حقہ) امیر معاویہ کو سپرد کی تھی اور جن جن شرائط پر سپرد کی تھی اور بعد میں جس طرح امیر معاویہ نے ان شرائط کو پامال کر کے یزید کی بیعت ولی عہدی کا خاص اہتمام زمین آسمان ایک کر کے کیا تھا ان کی تفصیلات سے اوراق تاریخ بھرے ہوئے ہیں اور قدرے ہم نے بھی کتاب ہذا میں ان کا بیان کر دیا ہے۔ چونکہ بیعت ولی عہدی ہی سراسر ناجائز قرار پاتی ہے۔ اس کی فرع بیعت حکومت بھی فاسد

پر فاسد ہونے کے باعث شرعاً جائز نہیں ہو سکتی اسی لئے تو افاضل صحابہ رض وغیرہم نے اس بیعت کے خلاف مظاہرے بھی کئے اور جو بیعت ناجائز طور پر حاصل کر لی گئی تھی وہ بھی آگے چل کر صحابہ و عوام الناس نے شکست کر کے یزید کو برطرف کر دینے کے لئے جنگ بھی کی۔ اس وقت اس بحث پر یہاں ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنا نہیں چاہتے البتہ ایک کلام محدث و مفسر جلیل اہلسنت و رئیس جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ کا بغرض توضیح مقال یہاں نقل کئے دیتے ہیں جس سے حدیث زیر بحث ان ابنی ھذا سید اور یزید کی بیعت وغیرہ اہلسنت کا نقطہ نظر واضح ہو سکے گا۔ حضرت محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں :- ان ابنی ھذا سید " یہ میرا بیٹا (امام حسنؑ کی طرف اشارہ کیا) سردار ہے یعنی بڑا شریف النفس کریم الطبع ہمت والا دنیا پر لات مارنے والا۔ اللہ تعالےٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ملا دیگا۔ ان میں صلح ہو جائے گی۔ لاکھوں آدمیوں کی جان اس کی وجہ سے بچ جائے گی۔ اس حدیث کا ظہور ہوا۔ امامؑ نے دنیا کی حکومت اور دولت پر لات ماری اور معاویہ کو دیدی مگر افسوس کہ معاویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا۔ اور امام حسنؑ کی جان لینے کے درپے ہوئے اور اپنے بیٹے یزید پلید کی بیعت لینے کے لئے سب کو مجبور کیا حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کریگا۔ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہ رکھتا تھا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی اور اس پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوت سے آپ کو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرا دیا ؎

اگر اسلام ہمین است کہ ایں ہا دارند

وائے گر در پے امروز بود فردائے

پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل اسلام کے چیلے چاپڑوں سے جہاں پاک نہیں ہوتا کوئی تو یزید کو پیغمبری کے درجے تک پہنچا دیتا ہے کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتا ہے امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ اگر یزید اپنے ہاتھ سے امام صاحب کو ذبح کرتا تب بھی میں اس پر لعنت نہ کرتا کیوں کہ وہ اولوالامر میں سے تھا کوئی کہتا ہے کہ امام حسین اسی تلوار سے مارے گئے جو ان کے نانا کی تھی۔ اللہ ان لوگوں سے سمجھے معلوم نہیں۔ کہ قیامت کے دن آنحضرت ؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے دکھائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اس کے معاونین جیسے شمر لعین ابن زیاد عمر بن سعد خولی سنان وغیرہم کو ملعون و مردود اور اشقی الخلق والخلیقہ جانتے ہیں۔ یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اس کو پائیں تو اس کے گوشت پوست کے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلائیں اس وقت ہمارے دل کو کچھ تشفی ہو گی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہو گا۔ الف الف لعنت یزید پر اور یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اس کو خلیفہ یا اولوالامر میں سے سمجھتے ہیں ان لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے جو زبردست ہوا اس نے دبا لیا اور خلیفہ بن بیٹھا۔ اے یارو خلافت صلحا اور عمائدین اور علماء و فضلائے امت کے اتفاق اور مشورے

ہے .... اور یہ لوگ کبھی خلیفہ شرعی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ قزل ارسلاں کی طرح اگر شریعت کے تابع ہوں تو بادشاہ اسلام اور دنیوی بادشاہ کہے جا سکتے ہیں (انوار اللغۃ صفحہ ۱۵۵/۱۲)

امام حسن ؑ نے امیر معاویہ کو حکومت سپرد کرتے وقت بوضاحت تمام فرما دیا تھا کہ امر حکومت میرا ہی حق ہے اور میں مسلمانوں کی عام خوں ریزی موقوف کرنے اور فتنہ و فساد کو خموش کرنے کے لئے بطیب خاطر نہیں بلکہ مجبوراً یہ حکومت معاویہ کی سپرد کر رہا ہوں کہ بغیر اس کے یہ خوں ریزی بند ہوتی نظر نہیں آتی۔ علامہ ابن حجر مکی اور دیگر اکابر نے جناب امام حسن علیہ السلام کا وہ خطبہ نقل کیا ہے جس میں ان تمام وجوہ تفویض حکومت کی تصریح موجود ہے جس کا ایک حصہ ہم یہاں صواعق محرقہ سے نقل کرتے ہیں یہ تقریر جناب امام ہمام علیہ السلام نے خود امیر معاویہ کی استدعا پر ان کی موجودگی میں فرمائی تھی۔ جناب امام حاضرین مجلس کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :- ان معاویہ نازعنی حقاً هولی دونه فنظرت اصلاح الامۃ وقطع الفتنۃ وقد کنتم بایعتمونی علی ان تسالموا من سالمنی وتحاربوا من حاربنی فرائیت ان اسالم معاویہ واضع الحرب بینی وبینہ (ختم) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ معاویہ نے اس حکومت کے لئے مجھ سے جھگڑا کیا جو میرا ہی حق ہے اور معاویہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر آپ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی تھی کہ جس سے میں صلح کروں گا تم بھی اس سے صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا تم بھی اس سے جنگ کرو گے اب میں نے بعد غور و خوض یہ رائے قائم کر لی ہے کہ امیر معاویہ سے جنگ بند ہو کر صلح کر لی جائے (ختم)

الغرض جناب امام حسن کی تقریر کے اس حصے سے جو ابھی نقل ہوا یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ آنجناب نے بصراحت بیان کر دیا کہ امر خلافت حق آپ ہی کا ہے اور امیر معاویہ کا نہیں ہے مگر مسلمانوں میں باہمی کشت و خون روک دینے کے لئے حکومت امیر معاویہ کو سپرد کی جا رہی ہے کہ بغیر اس سپردگی کے امیر معاویہ کسی طرح اس خوں ریزی سے باز نہ آئیں گے۔ پس ان توضیحات سے کس طرح باور نہ کیا جائے کہ اس صلح و تسلیم میں فریق مخالف کے جبر و قوت کا شائبہ موجود ہے۔ اس جبر و قوت کا زائل کرنا اس وقت تک ممکن ہی نہ تھا جب تک ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا خون نہ بہہ جاتا پس جناب امام ہمام نے اس وقت کے نازک اور ناموافق حالات پر نظر کرتے ہوئے اپنے ذاتی اجتہاد صائب کی بناء پر ادنی المضرتین و اخف الضررین کو اختیار فرمالیا اور امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا: (جیسا کہ ہمارے مخاطب بیان کر رہے ہیں) کہ امام حسنؑ نے بطیب خاطر معاویہ کو خلافت بخش دی۔ صاحبان بصیرت اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجبور کن حالات میں خاص دباؤ کے تحت بعض ناگوار شرائط پر بھی صلح کر لینا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات بمقتضائے حالات ضروری بھی ہو جاتا ہے بقول شاعر

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　　کہ جاہا سپر باید انداختن

اور اس کی ایک جلی مثال ہمارے سامنے صلح حدیبیہ کی موجود ہے جس کی تکمیل خود جناب سرور کائنات کے مقدس ہاتھوں سے بعض مجبور کن حالات میں ہوئی تھی۔ مگر صلح حدیبیہ کی شرائط سے جس طرح جماعت کفار کا بر سر حق ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا اسی طرح امام حسنؑ کے اس صلح نامہ سے امیر معاویہ کا بر سر حق ہونا ہرگز ہرگز ثابت

نہیں ہو سکتا اور وہ بھی ان خاص حالات میں کہ ایک طرف تو امیر معاویہ کی تمام عسکری قوت کا دباؤ امام حسن پر موجود ہے اور دوسری طرف امام ہمام حضرت حسنؓ امیر معاویہ کی موجودگی میں علیٰ روس الاشہاد و مجمع کثیر میں خود کو خلافت کا حق دار اور امیر معاویہ کو غیر حق دار بیان کر رہے ہیں (ان معاویہ نازعنی حقاھولی دونہ) کیا ان حالات میں ایک لمحے کے واسطے بھی باور کیا جا سکتا ہے کہ امام حسنؓ بطیب خاطر امیر معاویہ کو یہ خلافت سپرد کر رہے ہیں۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر تمامی علماء و اساطین اہل سنت امیر معاویہ کی حکومت کو حکومت جائرہ اور ملک عضوض وغیرہ سے موسوم کرتے چلے آرہے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صلح امام حسنؓ سے حقیقت حکومتِ امیر معاویہ پر استدلال قطعاً باطل ہے اور نہ ان کی اور دیگر سلاطین جائرین کی حکومت کو اہلسنت میں خلافت حقہ تسلیم کیا جاتا ہے مورخین و محدثین اہل سنت بتواتر نقل کرتے چلے آرہے ہیں کہ بل هم ملوک من اشر الملوک واول الملوک معاویہ (تاریخ الخلفاء وغیرہ)

قال المخاطب (۱) امیر المومنین یزیدؓ نے اپنی اس تقریر میں واضح کر دیا کہ حسینؓ نے اپنے دعوے کی بنیاد محض فضیلت نسب پر رکھی تھی۔ عظمت نسب کی تصدیق تو خود امیر المومنین نے بھی کر دی مگر ساتھ ہی یہ بھی توضیح کر دی کہ اللّٰھُمَّ مالک الملک توتی مَن تشاء الخ یعنی اللہ مالک الملک ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے لے لے پس یہ دولت خدا داد ہمارا ہی حق تھا۔ ان حالات میں امیر المومنین یزید کی حکومت سے ناراضی کی کوئی وجہ جائز نہیں بیان کی جا سکتی۔

دفع شبہ ترک مصلحت عمومی و فخر نسبی

(۲) خود رسول اللہ صلعم کا عملدرآمد بھی اس کا موید ہے کہ حضور نے اپنی زندگی میں اپنے کسی قرابتدار قریب کو کوئی عہدہ نہیں دیا اور تمام عہدوں پر دیگر قبائل کے افراد ہی کو آنحضرتؐ مامور فرماتے رہے مگر بنی ہاشم کے افراد مثلاً علیؓ و جعفرؓ و عقیلؓ کو گاہے کسی عہدہ پر مامور نہ فرمایا۔ اس طرز عمل میں خاص مصلحت یہ تھی کہ آپ کی مساوات اسلامی کی عالمگیر تعلیم میں آپ کی قرابتداری کو کوئی حق ترجیح نہ دیا جاسکے اور محض رشتہ دار رسولؐ ہونے کے تعلق سے آپ کے اقربائے خاص امت پر تسلط حاصل کرنے کے خبط میں مبتلا ہونے پائیں۔ امت نے اسی سنتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے اقربائے رسولؐ کو خلافت کا عہدہ سپرد کرنا پسند نہیں کیا مگر حضرت حسینؓ نے اس مصلحتِ عمومی کا احساس ہی نہیں کیا اور خلیفہ وقت کا بادعائے فضیلت نسب مقابلہ کیا۔ اس ناعاقبت اندیشانہ عمل کی ذمہ داری حسینؓ کے سوائے اور کس پر ہوسکتی ہے۔ حکومت کی طرف سے تو وہی عمل حسینؓ کے مقابل کیا گیا جو ہونا چاہیئے تھا (انتہی خلاصۃً)

الجواب:۔ فضیلت نسب بے شک بجائے خود اپنے مقام اعلیٰ پر ہے اور یہ اس قسم کے فضائل غیر اختیاری میں سے ہے جو غیر مکسوبہ اور محض انعامات الٰہیہ میں شمار ہوتے ہیں اور بمصداق فتعز من تشاء وتذل من تشاء۔ انسان کے کسب ذاتی کو اس شرف عظیم کے حصول میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کایں سعادت بزور بازو نیست قسام ازل نے یہ شرف نسب حسنینؓ ہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ آپ کے امیر المومنین یزید اس شرف نسب کی تصدیق کرتے یا نہ کرتے۔ حسینؓ کا یہ بے مثل شرف بہر حال اپنے مقام پر ہی تھا۔ اور ہمیشہ رہے گا۔

"واتفاق است علما را کہ آنچہ فضیلت در نسب حسنین راست کسے دیگر رانیست (سعادۃ الکونین) البتہ بموجب ارشاد باری تعالیٰ یہ ہمارے عقائد میں داخل ہے کہ محض فضیلت نسب بغیر ایمان و اعمال خیر مثمر نتائج عالیہ نہیں ہوسکتی کما قال اللہ تعالیٰ و کل امری بما کسب رھین" اسی لئے تو ہمارے علما و فقہائے کرام نے جا بجا اس امر کی تصریح کردی ہے کہ انتساب بالمقبولین آخرت میں غیر مومن کے نافع نہیں ہوسکتا مگر مومن کے لئے نافع ہوگا (یہ بحث ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملاحظہ ہو) اب رہا حسنین کا شرف نسب وہ تمام امت کا بالاتفاق مقبولہ ہے۔ اعمال حسنین کی حد تک خود حضور سرور کائنات کی زبان وحی ترجمان نے سید اشباب اھل الجنۃ فرماکر اتمام حجت کردیا کہ ایسا کوئی شخص جس کے اعمال بدرجہ اعلےٰ مثمر خیر نہوں جوانان جنت کا سردار ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا الغرض فضیلت نسب کے ساتھ فضائل اعمال و جلائل فعال حسنین بھی کالشمس فی وسط النہار تمام عالم اسلام بلکہ اغیار پر بھی روشن ہیں۔

ورنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

رہا آپ کے امیر المومنین یزید کا آیہ کریمہ قل اللھم مالک الملک الخ سے استدلال۔ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو تمام دنیا کے غاصبین و جائرین و جابرین و متغلبین و سارقین مارقین و ظالمین کی حاصل کردہ دولت و سلطنت کے جواز کی عام شکل پیدا ہو جائے گی اور ہر سارق بالجبر بھی یہ کہنے کا مجاز ہو جائے گا کہ خدا جسے چاہے اسے دے۔ ہم نے اگر مال حاصل کرلیا تو یہ حضرت واہب العطایا کا اکرام و انعام ہی ہے۔ خدا دے تو بندہ کیوں نہ لے

الغرض اِن حالات میں آیۂ زیرِ بحث سے استدلال کی رکاکت وسخافت اس قدر بدیہی ہے کہ اس پر مزید خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے یزید کی ولیعہدی کی بیعت اور اس کے بعد حکومت کی بیعت جس جس طرح حاصل کی گئی صاحبان بصیرت اس سے خوب واقف ہیں۔ تمامی عہود ومواثیق کو پارہ پارہ کرکے جبر وزور وزر کی نمائش اور دسائس ومکائد کو کام میں لاکر حکومت کا انتظام کیا گیا اور اُس کے جواز پر اس آیۂ قرانی سے استدلال کیا جا رہا ہے۔ اے سبحان اللہ کیا تعریف کی جائے اس برمحل استدلال کی۔ سلاطین جائر وجابر وظالم کو معزول کر دینے کے جس قدر احکام شریعتِ اسلامیہ نے دئے ہیں وہ اس استدلال کے تحت یک قلم منسوخ ہوکر دار الفتن میں ایک نئے فتنے کا فتح باب ہو جائے گا اور مخلوق خدا کی حریت وعمل صالح پر وہ اشد شدید پابندی لازم ہو جائے گی جس کا ازالہ قیامت تک ممکن نہ ہو سکے گا۔ تاریخ اسلام کے وہ اوراق ملاحظ فرمائے جائیں جن میں یزید کی بیعت ولیعہدی حاصل کرنے کے حالات درج ہیں اور اس کے بعد جیسی جیسی جابرانہ کارروائیاں اس کے حصول میں بوقت بیعت حکومت کی گئی ہیں وہ بھی ملاحظ فرمائی جائیں اس کے بعد بخوبی واضح ہو سکے گا کہ ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین یزید کا آیہ زیر بحث سے استدلال کس حد تک درست ہے۔

اب ہم مخاطب والا مقام کے بیان زیر بحث کے دوسرے حصّے پر اپنے معروضات پیش کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صؐ نے کسی ہاشمی کو کوئی ادنیٰ ترین عہدہ بھی اپنے حین حیات اس مصلحت خاص کی بنا پر نہیں دیا کہ کہیں میری اولاد ودیگر اقربا میں محض قرابت کی بنا پر دوامی حکومت وسلطنت کی ہوس

آگے چل کر نہ پیدا ہو جاتے اور عالمگیر مساوات اسلامی کے اصول قائمہ میں خلل نہ پیدا ہو۔ اس بحث میں سب سے پہلے یہ امر وضاحت طلب ہے کہ "عہدہ" کسے کہتے ہیں۔ باعتبار بنیادی معنی کے اس لفظ کا مطلب ذمہ داری یا ذمہ دارانہ کام لیا جاتا ہے اور اس بنیادی معنی کے اعتبار سے متعدد مفاہیم میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً منصب حکومت یا کوئی مرتبہ قابلِ اعزاز وغیرہ اور اس مفہوم میں یہ لفظ بیرونِ عرب زیادہ تر بولا جاتا ہے۔ عرب میں خاص اس مفہوم کے علاوہ بھی یہ لفظ بیعنامہ و حلف نامہ وغیرہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال محاورات میں یہ لفظ ہر ذمہ داری کے مفہوم میں جو امور سلطنت وغیرہ سے متعلق ہو عام طور پر مستعمل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا آنحضرتؐ نے کوئی ذمہ دارانہ خدمت مقاصد نبوت میں اپنے اقربائے خاص سے اپنے حین حیات لی ہے یا نہیں اور ایسا کوئی بوجھ اپنے اقربائے خاص میں سے کسی پر ڈالا ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ آپ کی دعوتِ اسلام کے مقاصد عالیہ کا بار اُٹھانے اور حکومت شرعیہ کی تاسیس و بقا کے امور خاصہ میں یہ لوگ شریک کار و خدمتگذار تھے یا نہیں۔ اور اپنے فرائض مفوضہ کو انہوں نے باحسن الوجوہ انجام دیا یا نہیں۔

اس ذمہ داری کے بارے متعلق خود آنحضرتؐ نے آغاز دعوت اسلام کے زمانے میں انذارِ عشیرت کا حکم ملتے ہی ضیافت کے وقت اپنے اقربا سے سوال فرمایا تھا کہ ایکم یوازرنی یعنی تم میں سے کون ہے جو میری نبوت کے کارہائے اہم میں ذمہ داری سے بوجھ اٹھا کر بوجہ احسن خدمت انجام دے گا۔ اس سوال کے وقت حضورؐ کے اقربائے خاص حاضر تھے مگر سوائے ایک ہستی کے جو سن دس سال میں سب سے چھوٹی ہستی

تھی کسی نے بھی اس بوجھ اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ ادھر یہ اقرار ہوا کہ زبان وحی ترجمان نبویؐ پر فاسمعوالہ واطیعوا کے الفاظِ ایمان افروز جاری ہوئے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ اور مقدس منظر تھا۔ اس سوال و جواب کا جس کا ذکر اہل ایمان و صاحبان عرفان کے حافظے میں قیامت تک کے لئے محفوظ رہے گا مگر اس وقت تو آپ کے اقربائے خاص اس سوال و جواب کا مضحکہ کرتے ہوئے ہی رخصت ہو گئے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ اقرار کرنے والی ہستی اس وقت کون تھی اور اگر کوئی نہ جانتا ہو تو اب جان لے کہ یہ ہستی تھی علیؑ کی جو مستقبل قریب ہی میں بشارت یاب انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ ہونے والی تھی و لنعم ماقیل۔

نیست پیغمبر مگر در پیش گاہِ احمدی ۔۔۔ ہمچو ہارون است پیش موسیٰ عمرانؑ علیؑ

شب ہجرت میں جناب امیرؑ کی جانبازی

دیکھا جائے تو جناب علیؑ اور دیگر اصحاب اخیار کبار رضی اللہ عنہم اجمعین نے شب و روز بارگاہ رسالت پناہی میں ذمہ دارانہ خدمات انجام دی ہیں مگر چونکہ یہاں خاص طور پر اقربائے رسولؐ کا ذکر ہو رہا ہے غایت اختصار سے ہم بجواب مخاطب عالی مقام یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اقربائے خاص میں سے جناب امیرؑ کیسی کیسی ذمہ دارانہ خدمات کی عہدہ داریوں پر وہ کیونکر بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ بر سبیل مثال۔ ہجرت ہی کے واقعہ پر نظر کیجئے۔ جناب امیرؑ سے حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ امشب میرے ہی بستر میں چادر اوڑھ کر شب باش رہو کس قدر خطرناک اور جرأت آزما تھا یہ مرحلہ کفار نے آنحضرتؐ کے قتل کا اس شب میں قطعی فیصلہ کر رکھا تھا۔ عین ممکن بلکہ بڑی حد تک یقینی تھا کہ نرغہ کفار میں آپ قتل کر دئے جائیں خواہ آپ کی شناخت ہو یا نہ ہو کیونکہ

آپ حضور ہی کے بستر اور چادر میں استراحت فرما رہے ہیں. مگر آفرین اور صد ہزار آفرین اس جاں بازی پر کہ آپ نے اپنی جان شیریں کو اس تلخ آزمائش میں ڈال کر نصرتِ غیبی وتائیدلاریبی سے ذمہ داری کے بوجھ سے بوجہ احسن عہدہ برآ ہوئے اور " و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ الخ کی منقبت عظمی وسعادت قصوی سے مفتخر ہوئے شمس العلماء حجت اسلام علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ اپنی مشہور ومقبول کتاب سیرت النبی میں شب ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:" یہ سخت خطرے کا موقع تھا. جناب امیر کو معلوم تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہیں اور آج رسول اللہ کا بستر قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا (جلد اول صفحہ ۱۹۷).

جناب سند المحدثین علامہ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:- پس خواب کرد علی مرتضیٰ در جائے خواب آنحضرت وپوشید خودرا بہ بردِ خاص آنحضرت کہ آں را پوشیدہ بخواب رفتے پس بودوے رضی اللہ عنہ نخستین کسے کہ فروخت وفدا کرد نفس خود را درراہ محبت رسولِ خدا گویند کہ کریمہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ دریں باب نازل شدہ (مدارج النبوت صفحہ ۵۶/۲) مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ جناب امیرؑ آپکی خواب گاہ میں وہی چادر اوڑھ کر سوئے جسے آنحضرتؐ اوڑھ کر سویا کرتے تھے. پس آپ ہی سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو محبت رسولِ خدا میں فروخت اور فدا کردیا. اور بیان کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ ومن الناس من یشری الخ اسی (جان نثاری وجان بازی کے) واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے (ختم،

اب کہاں تک ان ذمہ دارانہ عہدوں کی تفصیل ہم اپنے اس مختصر مضمون میں بیان کر سکتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی اہل دل نے۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ہم بدر کا حال بیان کریں، کہ اُحد کا۔ خندق کا ذکر کریں کہ خیبر کا حنین کا ذکر کریں کہ دیگر سرایا کا۔ جہاں بھی نظر جاتی ہے اس فخر خاندان بنی ہاشم کی قابل صد فخر و مباہات عہدہ داریاں اور کارگذاریاں ہی نظر آتی ہیں۔ اہل بصیرت و ارباب عقیدت کے لئے قیامت تک یہ سب عہدہ داریاں موجب خنکی چشم و باعث ازدیاد سرور قلب و راحت جان ہی رہیں گی۔ مگر جن تنگدلان بد اندیش کی بصارت اور بصیرت دونوں غائب ہوں ان کی کیا شکایت کی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض تیرہ درونان بدکیش نے سب سے بڑی منقبت اپنے زعم فاسد و وہم کاسد میں یہ قرار دے لی ہے کہ کسی شخص کو کسی خاص مقام یا ولایت کا عامل یا والی مقرر کر دیا جائے اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی حصہ ملک کا والی یا عامل نہ بنایا گیا تو اس کی فردِ منقبت میں یہ ایک نہایت بدنما خلا ہے۔ مگر رسول ؐ کے اہلبیت کے لئے خود رسوؐل کی موجودگی میں کسی شہر یا کسی صوبے کا عامل بنایا جانا کوئی خاص معنی یا اہمیت نہیں رکھتا اور نہ خاندان رسالت کے لئے یہ کوئی منقبتِ عظمیٰ ہی تصور کی جا سکتی ہے۔ خود باب حکومتِ رسالت مآب کی بڑی بڑی اور تا بقیامت زندہ رہنے والی عہدہ داریاں جب ان کے سپرد تھیں تو کسی شہر یا صوبے کے عامل مقرر ہونے کا سوال در پیش ہونا سراسر بے محل ہے۔

اسی ضمن میں ہمارے مخاطب عالی مقام نے جناب امیرؑ کے متعلق (بہ نظر استخفاف) یہ بھی تحریر فرمادیا ہے کہ "حضرت علیؑ کو تو صرف ایک ہی بار غزوہ تبوک کے موقعہ پر اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے مدینہ میں آنحضرتؐ نے چھوڑا تھا اور یہ کوئی خاص قابلِ ذکر عہدہ نہ تھا البتہ ایک دوسرے انصاری صحابی کو اپنی غیر حاضری کے زمانے تک کے لئے اس وقت حاکم بنایا تھا اور حضرت ابوبکر رضؓ کو تیس ہزار لشکر اسلام کی سرداری سپرد فرمائی تھی" (ختم) ایہاالناظرین ملاحظہ فرمایا آپ نے ہمارے مخاطب نے کیا خوب پیرایہ توہین جناب امیر کا اختیار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہل وعیال رسول پر جناب امیر کی نگرانی کوئی خاص قابل ذکر یا اہم عہدہ ہی نہ تھا۔ مگر شاید آنجناب کو یہ خیال نہ رہا کہ منزلت ہارونی کا جو ذکر اپنے ارشاد فیض بنیاد میں آنحضرت نے اسی سلسلے میں فرمایا اس سے کیسی عدیم النظیر منقبت جناب امیرؑ کی برآمد ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ جب میقات کو تشریف لے گئے تو اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنی قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنا نائب بنا گئے تھے اسی طرح آنحضرتؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے تو اپنے بھائی جناب امیر کو (جو دنیا وعاقبت دونوں میں بھائی ہیں) اپنا نائب اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرما گئے۔ دیکھئے محقق عظیم و محدث جلیل جناب علامہ محقق دہلوی کیا تحریر فرماتے ہیں:- "چوں رسول خدا از مدینہ عزم بیروں رفتن کرد علیؑ ابن ابی طالب را کرم اللہ وجہ در اہل خود خلیفہ گردانید پس علی مرتضیٰ رضؓ بعرض رسانید کہ یا رسول اللہ من در ہیچ غزا تخلف نہ نمودہ ام چگونہ است کہ ایں نوبت مرا می گذاری و گفت گذاشتی مرا یا رسول اللہ در خرداں و زنان۔ رسول فرمود یا راضی نیستی تو اے علیؑ

کہ باشی تو نسبت من بمنزلۂ ہارونؑ نسبت بہ موسیٰ لیکن فرق آنست کہ ہارونؑ نبی بود وبعد از من ہیچ کس را نبوت نخواہد بود۔ چوں موسیٰ بمیقات رفت گذاشت ہارونؑ را کہ برادر وے بود وخلیفہ گردانید او را در قوم خود چناں کہ فرمود قال موسی لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی۔ من ترا برائے اں گذاشتہ ام کہ تا خلیفہ من باشی در اہل من و در اہل خود یعنی فاطمہ رضؓ وتعہد حال ایشاں نمائی (مدارج النبوت صفحہ ۸ ۲۲ ۲)

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ نے اپنے اہلِ خانہ کے لئے اپنا خلیفہ جناب امیرؑ کو مقرر کر دیا۔ جناب امیرؑ نے آنحضرت سے کہا کہ میں نے کسی جنگ میں بھی کوئی تخلف نہیں کیا ہے پس کیا وجہ ہے کہ آپ مجھے اس بار یہاں چھوڑے جا رہے ہیں اور جناب امیرؑ نے یہ بھی کہا کہ مجھے آپ بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے آپ کو جواب دیا کہ اے علیؑ کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تو مجھ سے اسی نسبت کے ساتھ رہے۔ جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور جب موسیٰ میقات کو تشریف لے جانے لگے تو اپنے برادر ہارونؑ کو اپنی قوم پر خلیفہ کر گئے جیسا کہ قرآن میں بھی درج ہے و قال موسیٰ الخ میں تجھے اسی لئے چھوڑے جاتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے اہل یعنی فاطمہؑ پر میرا خلیفہ رہے اور یہ تیری ضمانت اور ذمہ داری میں رہیں (ختم)

الغرض غازی بدر و احد و خندق و حنین و فاتح خیبر جناب اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ کی اس نیازمندانہ شکایت پر لسانِ صدق ترجمانِ رسولؐ سے اتنی اعلےٰ وارفع منقبت "منزلت ہارونی" کی برآمد ہوئی جس پر ہمارے اکابر

محدثین واجلہ متکلمین علیہم الرحمہ نے بکمال مسرت بیان فرمادیا کہ اس سے بڑھ کر اب اور کون سی منقبت ہو سکتی ہے اور یہ بھی صراحت فرمادی کہ یہ حدیث اصح الاخبار اور متواترات میں سے ہے کتب احادیث صحاح بخاری ومسلم وترمذی ونسائی وابوداؤد وابن ماجہ وغیرہم کے علاوہ امام المحدثین جناب احمد حنبل وابن اسحٰق صاحب سیرت وابن جریر طبری سے لے کر جناب شاہ ولی اللہ اور خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہم الرحمہ تک جمیع محدثین وفقہا وائمہ کلام نے متفق اللفظ ہو کر حدیث منزلت کو متواتر اصح الاخبار واثبت الآثار بیان فرمایا ہے یہاں تک ابن تیمیہ جیسے متقشف متشدد اور خاندان رسالت کے حق میں بقول شبلی نعمانی گستاخ اور خیرہ چشم کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ حدیث منزلت لاریب بالکل صحیح ہے منہاج السنہ میں ایک مقام پر حدیث منزلت کے متعلق لکھتے ہیں :۔ انّ ھذا الحدیث صحیح بلا ریب ثبت فی الصحیحین وغیرھما (انتہی کلامہ)

مگر ہمارے مخالب عالی مقام کی خاطر عاطر پر یہ منقبت عالیہ جناب امیر گراں گذری اور یہ دل جلا فقرہ اپنے اس مقالہ میں لکھ ہی دیا کہ :۔ لا نبی بعدی کی قید سے مقید ہو جانے کے بعد یہ اہل وعیال کی نگرانی کوئی بلند پایہ منقبت کس طرح سمجھی جا سکتی ہے۔" (ختم) افسوس صد افسوس چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید در ہنرش درنظر جناب والا اس منقبت عظمیٰ کی قدر وقیمت اکابر محدثین وعلمائے محققین وصلحائے عارفین واولیائے کاملین اہل سنت سے دریافت تو فرمایئے وہ یہی جواب دیں گے کہ ایسی بلند پایہ منقبت کی مثال تو کوئی پیش کرے۔ کہاں

تک اپنے اس بیان کی تائید میں اکابر و اساطین اہلسنت علیہم الرحمہ کے اقوال ہم نقل کرسکتے ہیں جو منزلت ہارونی کی منقبت جلیلہ کی عظمت و رفعت پر متفق اللفظ شہادت دے رہے ہیں اس لئے بنظر اختصار صرف ایک ہی شہادت سراپا سعادت پر اکتفا کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں اور وہ شہادت اہلسنت کی ایک ایسی بلند پایہ ہستی کی ہے جسے عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا میں اور دیگر اعیان اہل سنت نے اپنی اپنی تصنیفات میں مجدد صدی ششم تسلیم فرمایا ہے۔ اور وہ عظیم المرتبت ہستی جناب علامہ نووی علیہ الرحمہ کی ہے جن کی تحریر کردہ شرح مسلم شریف ممالک عربیہ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی داخل درس چلی آرہی ہے حدیث منزلت ہارونی کی شرح میں حضرت مجدد صدی ششم جناب علامہ ممدوح الشان رح تحریر فرماتے ہیں:۔فیہ اثبات فضیلۃ لعلی لا تعرض فیہ لکونہ افضل من غیرہ او مثلہ لیس فیہ الدلالۃ لاستخلافہ (شرح مسلم شریف صفحہ ۲۷۸) یعنی حدیث منزلت سے علی کی ایسی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے جس میں کوئی تعرض نہیں کیا جا سکتا بباعث ان کے افضل ہونے اپنے ماسوا اور اپنے مثل دیگر اصحاب سے (مگر) اس میں کوئی دلیل ان کی خلافت کی نہیں ہے (ختم) جناب مخاطب غور فرمائیں کہ جس منقبت عظمے کو آنجناب نے یہ کہہ کر ہیچ کر دکھانے کی سعی نامحمود کی تھی کہ "لا نبی بعدی کی صراحت ہو جانے کے بعد محض اہل و عیال کی نگرانی کوئی منقبت ہی نہیں ہے۔" وہ مجدد دین ملت و عارفین امت کی نظر میں اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے جس سے جناب امیر کی فضیلت ان کے اقران و اماثل پر تسلیم کی جا رہی

مگر چشم بد اندیش کا کیا علاج ہے۔ اب ہم سوائے اس کے اور کیا کہیں کہ :-

"گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است"

خیر یہ تو بہ مصداق افسانہ از افسانہ می خیزد ایک درمیانی بحث حدیث منزلت کی حد تک ہمارے مخاطب کے ضمنی بیانات کے باعث لکھنی پڑ گئی۔ بحث ہمارے مخاطب کے اس بیان پر تھی کہ اقربائے رسول کو کوئی عہدہ سرکاری عارضی طور بھی نہیں دیا گیا صرف ایک بار ہی حضرت علیؑ کو تبوک کی مہم کے وقت رسولؐ نے اپنے اہل و عیال پر نگران مقرر کیا تھا جو بقول مخاطب کوئی خاص منقبت نہیں شمار کی جا سکتی البتہ مدینہ پر ایک دوسرے انصاری صحابی کو اپنا نائب مقرر کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رض کو تیس ہزار لشکر اسلامی کی سرداری سپرد فرمائی گئی تھی (ختم) الغرض اس طرح جناب امیرؑ کی منزلت عالیہ کے استخفاف کا جو جذبہ درونی کارفرما تھا اسے آپ نے اپنے قلم کی نوک سے صفحۂ قرطاس پر ظاہر کر دیا تھا مگر یہ لکھتے وقت اتنا بھی غور نہ فرمایا کہ عمال مدینہ تو صدہا و شما ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے مگر اہل و عیال رسول کی حفاظت و خبر گیری کا منصب عظیم و جلیل نہ اس وقت کسی انصاری یا غفاری یا اور کسی کو حاصل ہو سکتا تھا اور نہ تا قیامت کسی کو حاصل ہو سکے گا۔ یہ شرف جس کسی کے مقسوم میں تھا اسی کو حاصل ہو کر رہا۔ ہزار بار کوئی بانگ بے ہنگام اس کے خلاف بلند کرے مگر کیا ہو سکتا ہے

مخاطب والا مقام کے ان بیانات میں چند دیگر اُمور کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ روایت یہ بھی ہے کہ محمد بن مسلمہ کو آنحضرتؐ نے تبوک کی مہم پر روانگی کے وقت مدینہ میں عامل مقرر فرمایا تھا۔ دوسری روایت یہ

ہے کہ سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر کیا تھا تیسری روایت یہ ہے کہ ابو رہم غفاری کو مدینہ میں عامل مقرر فرمایا تھا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود جناب امیرؑ کو آنحضرتؐ نے اپنا نائب اور حاکم مقرر کیا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترجیح اسی روایت کو ہے۔ دوسرے یہ کہ لشکر اسلام کی سرداری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سپرد کرنے سے اگر یہ مطلب ہے کہ حضورؐ نے اس لشکر کا لوائے اعظم جناب موصوف رضہ کو سپرد فرمایا تھا تب تو یہ بیان بے شک درست ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس لشکر میں خود جناب سرور کائنات بنفس نفیس تشریف فرما ہوں کوئی بھی دوسرا شخص لشکر اسلام کا سردار کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تبوک کی مہم کے لئے لشکر اسلام میں متعدد علمبردار حضرات ابو بکر و زبیر بن العوام و زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم مقرر کئے گئے تھے از انجملہ بڑا علم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا۔ جناب علامہ محقق دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔

و بعد از استخلاف علی مرتضیٰ رضہ بر اہل و عیال اختلاف کردہ اند کہ بر مدینہ کرا خلیفہ ساخت۔ بعضے گفتہ اند کہ محمد بن سلمہ را ساخت و گویند کہ اصح روایات نیست و بہ روایتے سباع بن عرفطہ و بروایتے ابو رہم غفاری و بروایتے علی ابن ابی طالب را و ابن عبدالبر ترجیح ایں روایت نمودہ ۔۔۔۔ و لوائے اعظم را بابی بکر صدیق و روایتے را بزبیر بن العوام و ہمچنیں ہر بطنے از انصار الخ (مدارج النبوۃ صفحہ ۳۴۸/۲)

الغرض رسول مقبول کے عمل سے ہم کبھی یہ امید نہیں کر سکتے کہ آپ نے بخلاف مقتضائے عدالت اپنے خویش و ابنائے اعمام میں سے کسی مستحق شخص کو بھی محض اس وجہ سے حکومت سپرد کرنے سے محروم فرما دیا تھا کہ وہ آپ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ آپ نے

جو کچھ بھی عمل فرمایا وہ عین مقتضائے عدل و انصاف اور حق بحقدار ہی کا مصداق تھا۔ جو مسلم ہستی جس خدمت اور عہدے کے قابل سمجھی گئی اس سے وہی کام حضور نے لیا، اور بالکل ہی بجا اور درست عمل فرمایا۔ یہ عجیب بیان ہے کہ محض قرابتی ہونے کے باعث رسول اللہ نے اپنے اقربائے خاص کو عہدہ دینے سے اس خیال سے محروم فرما دیا کہ مبادا یہ لوگ میری قرابت کے باعث آگے چل کر حکومت کے خبط میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ جناب امیر علیہ السلام کی خدمات کی ضرورت ہر وقت بحیثیت ایک وزیر و مشیر کے خود مستقر نبوت پر رہتی تھی اور خصوصاً غزوات میں جیسی شدید ضرورت جناب امیر علیہ السلام کی پیش گاہ نبوی میں رہتی تھی۔ اور نازک سے نازک وقت میں بھی جو عقدہ کشائی جناب امیر کی ذات والا صفات سے ظہور پذیر ہوتی تھی اسے تمام عالم جانتا ہے۔ پھر کیا یہ مناسب ہو سکتا تھا کہ جناب امیر علیہ السلام کو مستقر نبوت سے ہٹا کر اور کسی دور دراز مقام پر عامل بنا کر بھیج دیا جاتا۔ افسوس ہے ان سطحی بین معترضین متعندین پر۔ اب رہے دیگر افراد بنی ہاشم۔ عباسؓ و عقیلؓ و جعفر رضی اللہ عنہم۔ ممکن ہے کہ آنحضرت نے ان میں سے کسی کو کسی خاص وقت میں ایسے کسی عہدہ پر مقرر کرنا کسی خاص وجہ یا وجوہ کی بنا پر خلاف مصلحت خیال فرمایا ہو یا ان سے بہتر کسی صاحب صلاحیت کو حکومت پر مقرر فرما دیا ہو۔ ہم تو صرف اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت کا ہر عمل عین مصلحت اندیشی و خیر خواہی اسلام و مسلمین پر ہی بلا لحاظ قرابت اور عدم قرابت مبنی ہوتا تھا اور بحکم خداوندی ہر مشکل اسی طرح حل ہوتی رہتی تھی۔

اس بحث میں اب صرف ایک ہی امر جواب طلب باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ

کہ "امت نے اسی سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اقربائے رسول اللہ کو خلافت کا عہدہ سپرد کرنا پسند نہیں کیا۔ مگر حضرت حسینؓ نے اس مصلحتِ خاص کا بادعائے قرابتِ رسولؐ مطلق لحاظ نہیں کیا۔ اور خلیفۂ وقت کا مقابلہ کیا اور بالآخر نتیجے میں ایسی شکست اٹھائی جس پر اب تک بھی مصنوعی رونا رویا جاتا ہے۔" (ختم)

الجواب :- غلط ہے یہ بیان کہ امت نے محض قرابت رسولؐ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقربائے رسولؐ کو باتباع سنتِ نبوی خلافت دنیا پسند نہیں کیا کیا جناب امیرؑ کو خلافت راشدہ دینے کے لئے کفار روم وعجم آئے تھے اور کیا جناب سبط اکبر حسن مجتبیٰ علیہ التحیتہ والثنا کو خلافت سپرد کرنے کے لئے صنم پرستان چین وافریقہ آئے تھے۔ اب رہا جناب سید الشہداؑ کا عمل اور آنجناب کی مصلحت اندیشی وحق کوشی اس پر مفصل بحث ہمارے ان اوراق میں علمائے متبحرین وکاملین امت کے بیانات کی تائید کے ساتھ جا بجا مل جائے گی۔ یہاں مستقل طور پر اس بحث کو لکھنے کی ضرورت نہیں پائی جاتی ہے۔ حسینؑ نے جو کچھ بھی کیا بمقتضائے واجبات سراسر برحق ہی کیا بقول جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ "خروج امام حسینؑ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانت المظلوم من الواجبات" (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۲۴) یہ ہے اہلسنت کی جماعت کا اصلی وحقیقی نظریہ جناب امام ہمام علیہ السلام کے اس اقدام کے متعلق۔ ولنعم ما قیل۔

کارے کہ حسینؑ اختیارے کردی | در گلشن مصطفےٰ بہارے کردی
از ہیچ پیمبرے نیامد ایں کار | واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

(ان دو شعروں کے اجمال کی تفصیل کے لئے جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کی کتاب

مستطاب سرالشہادتین اور دیگر اولیاء اللہ کی کتب ملاحظہ فرمائیے)

اب رہا یہ امر کہ "اس اقدام میں حسینؑ نے ایسی شکست کھائی جس پر اب تک بھی مصنوعی رونا رویا جاتا ہے"۔ ہم حیران ہیں کہ جناب مخاطب کی اس عبارت بے جا اور گستاخی وخیرہ چشمی کا جواب کن الفاظ میں لکھیں۔ جناب والا آپ حسینؑ کی جس شکست پر تعریض فرما رہے ہیں اگر آپ حقیقت آگاہ ومعرفت دست گاہ اصحاب دانش وبینش سے دریافت کریں گے تو جواب ملے گا کہ حسینؑ کی اس ظاہری شکست کے مقابل دنیا کے فاتحین کی ہزاروں لاکھوں فتوحات قربان ہیں۔ کیا کہنے ہیں حسینؑ کی اس فتح شکست نما کے جس کی یادگار تا بقیام قیامت انشاء اللہ باقی رہے گی اور جس طرح خیر وشر اور ظلمت ونور اور فرعون وموسیٰ وغیرہ کے متقابل ومتخالف الفاظ دو متضاد حالتوں کے اظہار کے لئے مستعمل ہیں، اسی محل پر شبیرؑ و یزید بھی قیامت تک کے لئے ضرب المثل رہیں گے اور ظالم ومظلوم اور فتح شکست نما اور اس کے مقابل شکست فتح نما پر گواہی دیتے رہیں گے۔ کیا خوب فرمایا ہے ترجمان حقیقت علامہ اقبال طاب ثراہ نے جناب سید الشہدا کی منقبت نگاری کرتے ہوئے:-

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ‏ ‏ ‏ این دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است ‏ ‏ ‏ باطل آخر داغ حسرت میری است

تا قیامت قطع استبداد کرد ‏ ‏ ‏ موجِ خون او چمن ایجاد کرد

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است ‏ ‏ ‏ پس بنائے لا الہ گردیدہ است

سر ابراہیم و اسمٰعیل بود ‏ ‏ ‏ یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(مثنوی رموز بیخودی میں سے)

سبحان اللہ کیا حقیقت نگاری ہمارے قابل فخر ترجمان حقیقت نے کی ہے۔ واقعہ کربلا قیامت تک استبداد و ظلم و عدوان کی طاغوتی قوتوں کے مقابل بطور ضرب المثل یادگار رہے گا۔ اس حادثہ جاں گداز کی شہرت کے بعض اسباب پر بحث کرتے ہوئے جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں لیطلع الحاضرون والغائبون علیٰ وقوعھا بل یابقاء البکاء والحزن المستمر وتذکر تلک الوقائع الھائلہ فی امتہ الیٰ یوم القیامۃ فقد بلغت نہایت الشہرۃ فی الملاء الاعلیٰ والاسفل والغیب والشہادۃ والجن والانس والناطق والصامت (سرالشہادتین صفحہ ۸) یعنی تاکہ سب حاضر و غائب اس واقعہ (کربلا) سے آگاہ ہو جائیں اور بکا اور ہمیشہ باقی رہنے والا حزن اور ان دردناک وقائع کا ذکر رسول کی امت میں تا قیامت باقی رہے۔ پس انتہا درجہ پر شہرت ہو گی۔ اس شہادت (حسینؑ) کی عالم بالا و عالم زیریں اور عالم غیب و عالم شہادت۔ اور جن و انس اور ناطق و صامت میں (ختم)

جناب خاتم المحدثین رحمۃ اللہ نے جو حقائق اس جگہ بیان فرماتے ہیں قطعاً ناقابل تردید ہیں۔ عالم اسلام کے در و دیوار تک ان حقائق کے اثبات کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر اعدائے بداندیش اپنی نیش زنی سے مقتضائے طبیعت کہاں باز آنے والے ہیں۔ کبھی حسینؑ کی شکست پر تعریض کی جاتی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ حسینؑ پر مصنوعی رونا رویا جاتا ہے۔ جناب خاتم المحدثین رح اور دیگر اکابر صلحا و علما تو اس حزن مستمر

اور ابقائے گریہ و بکا کا اظہار و اعلان فرمایا ہے ہیں اور اعدائے اہل بیت رسول صلعم
بھی کہتے چلے جارہے ہیں کہ حسینؓ پر مصنوعی رونا رویا جاتا ہے۔ اے سبحان اللہ ۔
آپ ہیں کون اس کو مصنوعی گریہ قرار دینے والے۔ سب سے پہلے قتل حسین پر گریہ کرنے
والے خود جناب رسول مقبول صلعم ہیں اور اس گریہ رسول کی اگر آپ کو کچھ حقیقت
معلوم کرنی ہے تو کتب صحاح و مسانید و تواریخ وغیرہ ملاحظہ فرمایئے ۔ اس وقت
معلوم ہوگا کہ قتل حسینؑ کے وقت ہی حضور نے سر و ریش مبارک خاک آلودہ کرکے
گریہ فرماتے ہوئے اپنے انتہائی حزن و الم کو ظاہر فرمایا ہے اور عالم رویائے صادقہ
میں اپنے اس گریہ سے حسینؑ کی مظلومیت اور یزید کے ظلم ناروا پر شہادت ادا
فرمائی ہے متعدد صحیح رویائے صادقہ میں اپنے اس گریہ سے حسینؑ کی مظلومیت
اور یزید کے ظلم ناروا پر شہادت ادا فرمائی ہے متعدد صحیح روایات اس مضمون
کی موجود ہیں ازانجملہ ہم ایک ہی حدیث صحیح ترمذی شریف سے پیش کرتے
ہیں۔ گوش سخن شنو کجا دیدہ اعتبار کو۔ ملاحظہ فرمایئے:۔ عن ام سلمہ قالت
رایت النبیؐ فی المنام باکیا و براسہ ولحیۃ التراب فسالتہ
فقال شہدت قتل الحسین انفا (یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ
رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ (بروز قتل حسین) میں نے خواب میں آنحضرت
کو گریہ فرماتے ہوئے دیکھا دراں حالے کہ آپ کے سر و ریش مبارک خاک آلودہ
تھے پس میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضور نے جواب دیا کہ ابھی ابھی میں
نے قتل حسینؑ کا مشاہدہ کیا (ختم) بالکل اسی مضمون کی روایت امام حاکم و بیہقی
و دیلمی نے اور قریب قریب اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس

سے امام احمد حنبل رح اور بیہقی وغیرہ نے درج کی ہے اور ان کو جناب خاتم المحدثین رح نے سرالشہادتین میں بھی نقل کر دیا ہے (صفحہ ۴۳)

اب ہم جناب مخاطب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیوں جناب رسول مقبول صلعم کا یہ گریہ کہیں مصنوعی تو نہ تھا اندیشہ ہے کہ کہیں جناب والا یہ جواب نہ دیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ اور حضرت عباس رض کے یہ خواب رویائے صادقہ نہ تھے بلکہ بدہضمی کے تبخیری خواب از قسم اضغاث احلام تھے۔ کچھ تعجب نہیں ہے کہ ولائے امیرالمومنین یزید آپ کو یہی جواب دینے پر مجبور کردے۔ آپ کا بیان تو بہ تائید قاضی ابوبکر مالکی یہی ہے کہ حسین (معاذاللہ) بجرم بغاوت رسول کی تلوار سے قتل کئے گئے ہیں پھر یہ گریۂ رسول چہ معنی دارد۔ ان مبینہ حالات میں تو یہ باور کرنے کی وجہ پیدا ہو جائے گی کہ رسول کا یہ گریہ مصنوعی گریہ ہی تھا (معاذاللہ) کیوں کہ آپ کا مزعومہ و مفروضہ خلیفہ راشد و امیرالمومنین یزید بن معاویہ کسی باغی کو بجرم بغاوت (بسیف جدّہ) اگر بطور جائز قتل کرے بالفاظ دیگر اگر کوئی باغی بحکم رسول قتل کیا جائے تو رسول مقبول کو خاک برسر ہو کر گریہ کرنے کی کوئی وجہ جائز ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اس بیان کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں تو پھر ماننا پڑیگا کہ حسین ؑ مظلوم ہی تھے جن کو غایت درندگی سے وحوش و برابرۂ شام و عراق نے بحکم یزید انتہائی سفاکی سے تشنہ و گرسنہ قتل کر دیا جب ہی تو رسول مقبول اس قدر متالم و متاذی ہوئے کہ خاک برسر ہو کر آپ نے گریہ کناں حسین ؑ کا ماتم کیا۔ کیا اب بھی ایسا کوئی شقی القلب مسلمان موجود ہے جو رسول مقبول کے اس انتہائی رنج و

غم میں بصد خلوص و صفائے قلب شریک نہوگا. اس مصیبت عظمیٰ و داہیہ کبریٰ کے حالات سُن کر بتا ستی رسول مقبولؐ اگر کوئی خلوص دل سے گریہ کرتا ہے تو ہمارے مخاطب اسے مصنوعی رُونا بیان کرتے ہیں. برین عقل و دانش بباید گریست جو اہل دل ہیں اور دل سے رسولِ مقبولؐ کی محبت کرتے ہیں ناممکن ہے کہ محبوبِ رسول کے مصائب ہوش فرسا سن کر بے اختیار گریہ نہ کریں اور وہ محبوب خاص رسول بھی کون جسے حضورؐ نے اپنا پھول فرمایا ہو اور حسین مِنّی وَ اَنَا من الحسین فرما کر یک جان و دو قالب کا مصداق بھی قرار دیا ہو. اہل دل کے اس گریۂ بے اختیار کو آپ ہزار بار مصنوعی رونا بیان کرتے رہیں مگر صاحبانِ معرفت میں سے ہر شخص آپ کے اس امتناع پر بے اختیار کہہ اُٹھے گا کہ

نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستیں از من کنار از من

اور ہم گنہ گاران اُمت تو اس گریۂ بے اختیار کی وقعت کیا بیان کر سکتے ہیں۔ ان آنسوؤں کے ایک ایک قطرے کی قیمت کچھ خاصان خدا ہی خوب جانتے ہیں۔ امام المحدثین حضرت احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں :۔ انّ من دفعت عیناہ دمعۃ علی الحسین و قطرت بوّاہ اللّٰہ تعالیٰ فی الجنّۃ ۔ یعنی جس کی آنکھیں غمِ حسینؑ میں اشکبار رہوں خدا اسے جنت میں جگہ دے گا۔ (ختم) اور یا پھر اس گریۂ بے اختیار کی قدر و قیمت حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ جیسے لوگوں سے دریافت فرمایئے جو اپنے خانہ ہدایت کاشانہ میں باہتمام خاص ہر سال مجلس عزائے حسینؑ

غایت اعتقاد سے بالالتزام برپا کرتے اور خود بھی غم حسین میں گریہ کرتے اور حضار مجلس کو بھی مصروف گریہ رکھتے تھے اپنے ایک مشہور مکتوب میں خاص اپنے گھر کی مقررہ مجلس عزائے حسین کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :- "ودریں ہیں اکثر حضار مجلس را دایں فیقر راہم رقت وبکا لاحق می شود این است قدرے کہ بعمل آید پس اگر ایں چیزہا نزد فیقر بہمیں وضع کہ مذکور شد جائز نمی بود اقدام براں اصلا نمی کرد الخ (فتاوی عزیزی صفحہ ۱۱۱) (جناب خاتم المحدثین رح کے اس مکتوب شریف کی نقل ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملے گی۔

حضرت الشیخ ملا احمد رومی علیہ الرحمہ جن کی جلالت قدر ورفعت شان سے سب واقف ہیں اپنی مشہور کتاب مجالس الابرار میں تحریر فرماتے ہیں :- روی احمد و ابن ماجہ عن فاطمۃ بنت حسین رض عن ابیہ الحسین ان النبی صلعم قال ما من مسلم یصاب بمصیبۃ فیذکرھا وان قدم عھدھا فیحدث لھا الاسترجاع الاکتب اللہ لہ اجرہ مثلھا یوم اصیب۔ وھذا الحدیث رواہ الحسین وعنہ بنت فاطمۃ التی شھدت مصرعہ وقد ثبت فی علم اللہ تعالٰی ان المصیبۃ بالحسین یذکر مع تقادم العھد فکان من محاسن الاسلام ان یجری ھذا لسنۃ کلما ذکر تلک المصیبۃ بان یسترجع لھا فیکون للانسان من الاجر الذی کان لمن استرجع یوم اصیب المسلمون بھا (انتہی)
یعنی امام احمد رح اور ابن ماجہ رح فاطمہ بنت حسین رض سے راوی ہیں وہ کہتی ہیں کہ ان کے والد حسین ع فرماتے تھے کہ آنحضرت ص نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آئے

اسکو یاد کرکے جو کوئی بھی اظہار غم کریگا تو اللہ تعالےٰ اس کو یاد کرنے والے کو اتنا ہی اجر دیگا جتنا کہ مصیبت کے دن غم گساری اور ہمدردی کرنے والوں کو ملا۔ اگرچہ اس مصیبت پر کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گذرا ہو۔ (حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ) اس حدیث کے راوی امام حسینؑ ہیں اور ان سے ان کی صاحبزادی فاطمہؓ نے اس کو نقل کیا ہے جو موقعہ شہادت پر خود موجود تھیں۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم الٰہی میں حضرت امام کی مصیبت مقرر ہو چکی تھی اور یہ کہ اس مصیبت کو لوگ باوجود درازی مدت کے یاد کرتے رہیں گے اس لئے اب یہ مسئلہ اسلام کی خوبیوں میں شمار کیا گیا اور اس کو سنت جاریہ قرار دیا گیا جو شخص بھی اس مصیبت کو یاد کرکے اظہار غم کریگا تو اس کو ان لوگوں کا اجر ملے گا جنھوں نے عین مصیبت کے دن اس واقعہ کو سن کر حضرت کے ساتھ غم گساری کی تھی۔ (منقول از کتاب محرم اور تعزیہ داری" مرتبہ جناب اسحٰق علی علوی مالک و مہتمم الناظر پریس لکھنؤ طبع سنہ ۱۳۴۶ھ صفحہ ۲۴)

ملاحظہ فرمایا آنجناب نے روایت مرویہ امام المحدثین جناب احمد حنبل رح اور روایت ابن ماجہ شریف کو معلوم ہوا کہ حسین علیہ السلام کا غم ہر دم تازہ ہے اور مرور ایام سے اس غم کی تازگی پر کوئی اثر مرتب نہیں ہو سکتا۔ آج بھی جو لوگ غم حسینؑ میں آنسو بہائیں وہ اسی طرح اجر کے مستحق سمجھے جاتے ہیں جس طرح خاص یوم کربلا کے غم خواران اہلبیت نبوی ماجور و مثاب ہوتے رہیں گے انشاء اللہ تعالےٰ۔

جناب علامہ دوران مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی رح ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔ "مصائب کربلا خیال کردہ و احوال امام تصور دیدہ اگر اشکہا از چشم جاری شوند ہیچ مضائقہ ندارد بیہقی و حاکم روایت کردہ کہ چشم مبارک آں سرورؐ بدیں غم

اشک ریختہ بود۔ روز واقعہ کربلا ابن عباس وام سلمہ رضا ان سرور عالمؐ را بخواب دیدند کہ پریشاں و مو غبار آلودہ چنانچہ احمد و بیہقی این مضمون روایت کردہ اند کہ ایں گریہ غیر اختیاری است مادہ ان ہر وقت کہ جمع می شود صورت اشک می گردد (انتہی)

مطلب یہ کہ کربلا کی مصیبتوں کو خیال کر کے اور حضرت امامؑ کے حالات کو سوچ کر اگر آنکھوں سے اشک جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ سرور عالم کی آنکھیں اس واقعہ پر (قبل وقوع) اشکبار ہوئی ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ واقعہ کربلا کے دن ابن عباسؓ اور ام سلمہ رضؓ نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا کہ آپ پریشان ہیں اور آپ کے موئے مبارک غبار آلود ہیں۔ چنانچہ بیہقی اور امام احمد نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے اور یہ گریہ دراصل ایک اضطراری شے ہے جب کبھی اس کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں وہ آنسوؤں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں (منقول از کتاب "محرم اور تعزیہ داری" مذکورۂ بالا صفحہ ۳۴)

مگر ہمارے مخاطب والا مقام برابر یہی کہے چلے جا رہے ہیں کہ حسین پر مصنوعی رونا رویا جاتا ہے اور اپنے ایسے ہی بیانات کے سلسلے میں ایک مقام پر غم حسین میں گریہ حرام ہونے کی تائید میں امام غزالی کا بھی ایک قول نقل فرماتے ہیں جو یہ ہے:—

۔ یحرم علے الواعظ وغیرہ روایت مقتل حسین و حکایت ماجری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علیٰ بغض الصحابۃ والطعن فیھم الخ یعنی واعظ یا کوئی بھی ہو اس کے لئے امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات کا بیان کرنا حرام ہے۔ اسی طرح صحابہ میں جو باہمی منازعہ

ومشاجرہ ہوا اس کو بھی نہیں بیان کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ عموماً یہ باتیں صحابہ کے ساتھ کینہ پیدا کرتی ہیں اور ان پر ملامت و طعن کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہیں الخ (ختم)

افسوس ہے کہ قلت گنجائش کے باعث ہم اس مضمون پر اس وقت بتفصیل لکھنے سے مجبور ہیں اور صرف اس تشریح کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو حضرت العلامہ جناب مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے امام غزالی کے اس بیان کی تحریر فرمادی ہے اور وہ یہ ہے :۔ " عبارت غزالی محمول بر حرمت ذکر مقتل کہ مشتمل باشد برا کاذیب و بدع است نہ مطلق ذکر (ختم) یعنی غزالی کی عبارت شہادت کے ان بیانات پر محمول ہے جو جھوٹی باتوں اور انوکھی چیزوں پر مشتمل ہوں ورنہ مطلق ذکر شہادت کبھی حرام نہیں ہو سکتا (منقول از کتاب "محرم اور تعزیہ داری" مذکورہ بالا صفحہ ۴۴) پس معلوم ہوا کہ امام غزالی نے جس ذکر کے سننے کی ممانعت کی ہے وہ بعض غیر محتاط واعظین و ذاکرین کی مصنوعی اور محض غلط روایات کی خواندگی ہی سے ہے ورنہ ذکر حسین اگر صحیح اور مستند روایات سے کیا جائے تو اس میں کیا شک ہے کہ یہ سراسر موجب ہدایت و سعادت ہی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام غزالی کا اعتراض در اصل غیر محتاط واعظین و ذاکرین پر ہی ہوا اور بس۔

اسی سلسلے میں مفتیان شرع متین تحریر فرماتے ہیں :۔ اس لحاظ سے ایام محرم میں صحیح اسلامی شکل کے ساتھ مسلمانوں کو یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ ان دلوں میں واقعات شہادت سنیں اور سنائیں کیوں کہ ان واقعات کے سننے اور خیال کرنے سے قدرتی طور پر دلوں میں غم والم کے جذبات ابھرتے ہیں جو ایک طرح سے امام علیہ السلام کے ساتھ غمگساری کے ہم معنی ہیں باقی قصداً بغیر کسی اندرونی

جذبے کے رونا چیخنا مستحسن نہیں ہے نیز اس واقعہ عظیمہ کی تہ میں جو اسرار، رموز و نتائج وغیرہ ہیں ان کو سمجھیں اوصاف صبر و رضا و استقامت و استقلال اصرار علی الحق توحید اور دیگر نتائج سے اثر پذیر ہوں اور اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں.... واللہ اعلم بالصواب کتبہٗ احقر عباد عبد اللہ الجواب صحیح محمد صبغۃ اللہ (مناظر احسن گیلانی) (منقول از کتاب "محرم اور تعزیہ داری" مذکورہ بالا صفحہ ۲۶ جس کی ابتدا جناب مولینا عبد الماجد صاحب دریابادی کے تحریر کردہ دیباچے سے ہوئی ہے)

مگر ان اکابر امت کی قولی و فعلی ہزاروں شہادتوں کی موجودگی میں بھی ہمارے محب خاص امیر المومنین یزید جناب مخاطب عالی مقام یہی فرمائے جائیں گے کہ یہ رونا سب مصنوعی رونا ہی ہے حسینؓ تو بسیف جدہ قتل کئے گئے ہیں۔ بہت خوب یوں ہی سہی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس گریہ کی جگہ خندہ فرما کر دین و دنیا میں سرخروئی حاصل فرمائیں اور اپنے امیر المومنین یزید کی اس فتح عظیم اور جگر گوشہ رسول مقبولؐ کے قتل پر شادیانے بجائیں۔

حسینؓ کے اقدام کا مقصد سوائے دنیا طلبی اور حصول سلطنت کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا

اس بحث میں ہمارے مخاطب والا مقام نے کئی صفحات میں اپنا زور قلم دکھایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی سعی بے سود کی ہے کہ امام حسینؓ نے یزید کو تخت سلطنت سے بے دخل کرنے اور خود تخت نشین ہو جانے کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ اس کے سوائے اور کوئی غرض نہ تو ان کی تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔

اس طویل بیان میں کسی ایک مقام پر بھی خود جناب امام حسینؓ کی زبانی تو

اس دعوے کا اظہار بیان میں نہیں آیا البتہ صرف قرائن ہی سے استدلال ایسا کیا گیا ہو اور چند کتب کے غلط سلط حوالے دے کر محض احتمالات و قیاسات ہی سے اثبات مدعا کی کوشش کی گئی ہو اور بس۔

جب یہ سوال زیر بحث ہے کہ حسینؑ دنیا طلبی اور تخت سلطنت پر جلوس کرنے کی ہوس میں مدینہ سے اور بعد میں مکہ سے برآمد ہوئے تھے اور حصول حکومت کے مدعی تھے تو سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود مدعی (امام حسینؑ) کا بھی کوئی بیان دعوے موجود ہے یا نہیں۔ کوئی بیان کسی مستند یا کسی راوی کا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حسینؑ تخت سلطنت کے مدعی بن کر کوفہ کو روانہ ہوئے تھے ہرگز اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک خود مدعی کا ایسا کوئی بیان موجود نہ ہو ورنہ مدعی سست و گواہ چست کا مضمون صادق آئے گا۔ ہمارا دعوے ہے کہ امام حسینؑ کی زبانی کسی جگہ بھی تخت سلطنت پر جلوس فرمانے کے ارادوں کا نہ تو کوئی دعوی ہی پیش کیا جا سکتا ہے نہ آپ کے اعمال و افعال ہی سے بطور قطعی ایسا کوئی ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جو کچھ بھی آپ کے اعمال و اقوال سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ آپ یزید کی بیعت پر رضامند نہ تھے اور فرماتے تھے کہ مثلی لا یبایع مثلہ یعنی مجھ جیسا آدمی ایسے آدمی کی بیعت نہ کریگا۔ اور آپ بھی ہزاروں لاکھوں مومنین و محبانِ رسول کی طرح بیعت یزید سے کارہ تھے۔

ایک امام حسینؑ ہی نہیں بلکہ قریب قریب تمام عالم اسلام یزید سے اس کے عدم استحقاق و بد اعمالی کے باعث نالاں تھا اور شاید بجز چند ہوا خواہان

یزید کے اسے کوئی بھی خلافت وحکومت کے لئے دل سے پسند نہ آتا ہوگا چنانچہ اکابر
وافاضل صحابہ نے اس کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت ہی علانیہ اس سے بیزاری
کا اظہار کر دیا تھا مگر حکومت وقت کے قہر و استیلائے شدید اور سیم وزر کے انبار
در انبار نے لوگوں کو مقہور و مجبور و کور وکر کر دیا تھا۔ ولیعہدی یزید کی تحریک
شروع ہی تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ
یہ ولیعہدی قیصر و کسریٰ کی سنت پر منعقد کی جا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن
عمر رضؓ کو جب ایک لاکھ کی رشوت ولیعہدی کی بیعت کے لئے پہنچائی گئی تو آپ نے
صاف طور پر فرما دیا تھا کہ میرا ایمان اس رقم میں نہیں بک سکتا حسینؑ اور عبداللہ
بن زبیر نے بیعت سے انکار کر دیا اور ہزار ہا مومنین واصحاب رسول نے بھی اس ناجائز
بیعت ولی عہدی سے انکار ہی کیا تھا اگرچہ بالآخر سلطنت کی قوت قاہرہ سے
مقہور و مغلوب و مجبور ہو کر بعض اشخاص نے بیعت بھی کر لی تھی۔

بحث اس وقت یہ ہے کہ کیا فی الواقع حسینؑ کا ارادہ تخت سلطنت ہی حاصل
کرنے کا تھا۔ اگر فی الواقع یہی ارادہ تھا تو اس مدعی تاج و تخت (حسینؑ) کا بھی
کوئی بیان ودعوئے موجود ہے یا نہیں۔ انتہائی وثوق کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں
کہ کوئی بیان ایسا موجود نہیں ہے جس میں آپ نے کہا ہو کہ میں یزید کو تخت و تاج
سے محروم کر کے خود ہی تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونا چاہتا ہوں۔ اب رہے
مختلف قرائن۔ ان سے ہم کوئی ایک ہی قطعی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ مثلاً یہ کہ
آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ فرمایا اور اس کے بعد خود بھی کوفہ کے
عزم سے روانہ ہوئے وغیرہ۔ مختصر یہ کہ اس قسم کے واقعات و قرائن سے

اگر ایک طرف اس قسم کا جواز و امکان ظاہر کرنے کی سعی کی جا سکتی ہے کہ آپ خاص اپنے لئے تاج و تخت چاہتے تھے تو دوسری طرف اس قسم کا امکان و جواز بھی باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ یزید کو برطرف کرا لینے کے بعد کسی اور طور پر حکومت اسلامیہ کا انتظام و انصرام کرانے کے درپے ہوں تاکہ حکومت جائرہ یزید کی آفت سے مخلوق خدا کو رستگاری حاصل ہو اور عامہ مسلمین تک اس حاکم متغلب کی بداعمالیوں کے اثر کا تعدیہ نہ ہونے پائے یا ممکن ہے کہ آپ کے ذہن مبارک میں اس کے علاوہ اور کوئی امکانی شکل اصلاح و فلاح عامہ مسلمین کی یزید کو معزول کر دینے کے ساتھ ہی ساتھ ہو اور یہاں تک بھی ممکن ہے کہ آپ بطور دیگر کوئی مناسب تجویز عامہ مسلمین کے مشورے سے کسی حاکم و امیر کے نصب کے لئے اپنے دل میں لئے ہوں الغرض اس قسم کے متعدد قیاسات و احتمالات بیان کئے جا سکتے ہیں اور چونکہ جناب امام کا کوئی ایک مخصوص بیان اس کی وضاحت کے لئے موجود ہی نہیں ہے ہم کس طرح یہی ایک رائے قائم کر لینے پر مجبور ہو سکتے ہیں کہ آپ اپنی ذات خاص ہی کے لئے تخت و تاج کے خواہاں تھے۔

حضرت امام ہمام کے اعمال و اقوال سے پیدا شدہ قرائن سے بحالات موجودہ یہی ایک قطعی نتیجہ ہم نکال سکتے ہیں کہ آپ نے یزید کے خلاف کارروائی کی اور جب کہ خود آپ کی زبانی آپ کے کسی ایسے دعوے کا وجود نہیں ملتا کہ آپ اپنی ذات خاص کیلئے تاج و تخت کے آرزومند تھے ہم کس طرح محض کسی مورخ یا مصنف کے لکھ دینے کی بنا پر یہ قطعی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ حسینؓ اپنی ذات خاص اور اپنی ذاتی منفعت کے لئے طالب دنیائے دوں بن کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

مدینہ منورہ میں جب آپ کو بیعت کے لئے مجبور کیا جانے لگا تو آپ غایت بے سروسامانی کے عالم میں مکہ شریف میں ملتجی بالحرم ہو گئے۔ قیام مکہ کے دوران جیسا کہ کتب تواریخ کی متفقہ شہادت موجود ہے اہل کوفہ نے آپ سے بار بار تحریراً و تقریراً استغاثہ کیا کہ یزید کے مظالم اور اس کی بد اعمالی سے عامۃ المسلمین سخت نالاں ہیں۔ اب پانی سروں سے اونچا ہو گیا ہے۔ خدا کا واسطہ ہماری امداد و ہدایت کے لئے جلد پہنچئے اگر آپ نے اس وقت ہماری استدعا منظور نہ فرمائی۔ تو ہم خدا کے سامنے آپ کے دامنگیر ہوں گے۔ اس قسم کے خطوط کے متعدد متون کتب تواریخ میں محفوظ چلے آرہے ہیں۔ ازاں جملہ ایک طویل مکتوب کے ابتدائی اور آخر حصے کا اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے ہمارے ناظرین کو سرسری طور پر یہ اندازہ ہو سکے گا کہ یزید کی حکومت جابرہ سے بندگان خدا کس قدر نالاں تھے، یہ اقتباس علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی کی مشہور کتاب نور العین سے کیا جا رہا ہے اس مکتوب میں اہل کوفہ نے امام حسینؑ کو یہ مضمون لکھا:۔ "اے امام حسینؑ اے رسول کے نواسے آپ کو معلوم ہو گا کہ یزید بن معاویہ نے ظلم و جور کیا ہے اور آدمیوں کو قتل کرنا اور مخلوق کا مال لوٹنا شروع کر دیا ہے اور اس کا ظلم و تمرد و طغیان چار اطراف میں پھیل رہا ہے بُری باتوں کا حکم دیتا ہے اور اچھے کاموں سے روکتا ہے شراب پیتا ہے اور خدا سے خوف نہیں کرتا ہے اور تمام بستیوں میں قبائح پھیلاتا اور خدا کی مخلوق پر ظلم و جور کرتا ہے اور اپنے اعمال میں خدا سے نہیں ڈرتا ہے۔ عدل کو رعیت سے چھپاتا ہے اور سراسر ظلم و جور ظاہر کرتا ہے۔ اے حسینؑ اس سے قبل ایک ہزار خط آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔۔۔۔ آپ اپنے اہلبیت میں سے کسی کو ہم پر والی بنا کر بھیج دیں۔ آپ کے نانا محمدؐ کا واسطہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں

وان لم تحضر ففی غد بین یدی اللہ سبحانہ خاصمناک و
نقول یا ربنا ظلمنا الحسین و رضی فینا بالظلم ما جوابک
الذی تقولہ للہ انیتخلص بہ من حقوق اللہ فلما را ء الحسین
المکتوب قشعر جلدہ خوفا من اللہ تعالیٰ ۔ یعنی اگر آپ تشریف نہ
لائیں گے تو ہم خدا کے سامنے آپ سے جھگڑیں گے کہ خدایا امام حسینؑ نے ہم پر ظلم کیا۔
اور ہم پر ظلم سے راضی ہوئے تو آپ اس وقت خدا کو کیا جواب دیں گے اور اللہ کے
حقوق سے آپ کیوں کر خلاصی حاصل کریں گے۔ جب امام حسینؑ نے یہ خط پڑھا تو خوف
خدا سے آپ کے جسم مبارک کے رونگٹے کھڑے ہو گئے (ختم)

الغرض اسی مضمون کے صدہا خطوط جناب حسینؑ کو کوفے سے وصول ہوئے۔ جن
میں آنجناب اور آنجناب کی خاندانی عظمت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ظاہر کیا گیا تھا کہ
یزید کی بدکاریاں حد سے گذر چکی ہیں اور حکومت کا حق آنجناب کو پہنچتا ہے آپ
جلد پہنچئے۔ اور ہمیں ان مظالم سے نجات دلائیے۔ امام حسینؑ نے جب یہ دیکھا کہ اپنی
جان و آبرو خطرے میں ہے اور عافیت تنگ ہو چکی ہے نہ مدینہ ہی میں گوشۂ عافیت
میسر ہو سکا اور اب یہاں مکہ میں کوئی پناہ مل سکے گی اور یہی کوفہ امن و مفرل
سکتا ہے تو آنجنابؑ نے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا کہ وہاں پہنچ کر حسب ہدایات
عمل کر سکیں۔ یہیں سے معترضین نے اپنے اعتراض کی بنا قائم کی ہے کہ امام حسینؑ نے
بغاوت کا قدم اٹھایا اور دنیا طلبی کا عملی مظاہرہ شروع کیا۔

ہم یا کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جناب امام ہمام کا یہ اقدام یزید
کے خلاف تو یقیناً تھا لیکن یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ امام حسینؑ نے خاص اپنے

لئے دنیائے دوں کے حصول کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ حاشا ثم حاشا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ایسا کوئی بیان امام حسینؑ کا پیش کیا جا سکتا ہے کہ میں یہ سب کارروائی خاص اپنی ذات ہی کے لئے تخت سلطنت حاصل کرنے کی غرض سے کر رہا ہوں بلکہ جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا مقصد اصلی صرف اسی قدر تھا کہ یزید جیسے بدکار کی بداعمالیوں سے مخلوق خدا کو نجات ملے۔ اور اس کے شنائع اعمال و قبائح افعال کے اثر بد کا تعدیہ عامہ خلائق تک نہ ہو سکے۔ بے شک اہل کوفہ نے اپنی مظلومی اور یزید کی بد اعمالی کا اظہار بار بار کیا اور خود جناب امام حسینؑ کے خاندانی اور ذاتی محامد کا اظہار کرتے ہوئے اور آپ کو احق بحکومت ظاہر کرتے ہوئے کوفہ آنے کی دعوت دی تھی مگر خاص جناب امام ہمام کا کوئی بیان ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اس کارروائی کے بعد اپنی ہی تاجپوشی و تخت نشینی کا کوئی خاص ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے ذہن مبارک میں کیا کیا تجاویز سوچی تھیں بلکہ یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یزید کی معزولی و بحالی وغیرہ کے متعلق آپ نے کیا سوچا تھا۔ آپ کا کوئی ایک ایسا بیان موجود ہی نہیں ہے جس سے ہم قطعی طور پر کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں البتہ یہ امر بدرجہ یقین ثابت ہے کہ آپ یزید کی بیعت سے یقیناً بچنا چاہتے تھے یہاں تک کہ بالآخر آپ نے مع اعوان و انصار جان دینا اور فی سبیل اللہ سب کا قتل ہو جانا گوارا فرما لیا مگر آخر تک بیعت ہی نہ کی۔ ظاہر بیں اور محض ظاہر بیں نگاہوں کو بے شک یہی نظر آتا ہے کہ مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرنے اور بعد میں خود عازم کوفہ ہونے سے امام حسینؑ کا مقصد صرف یہی ہو سکتا ہے کہ آپ یزید کو تخت سلطنت سے بے دخل کرنا اور بذات خود سریر آرائے

سلطنت ہونا چاہتے تھے مگر آپ کے متعلق یہ ایک ہی رائے کس طرح قائم کی جاسکتی ہے
جب کہ دوسرے امکانات بھی روشن ہیں۔ ہم ممنون ہوں گے اگر کوئی صاحب
ہمیں خاص امام حسینؑ کے کسی ایسے بیان کی نشان دہی کریں کہ وہ اپنی ذات خاص
کے لئے ہی تخت سلطنت چاہتے تھے اور دیگر کوئی شکل صلاح و فلاح امت کے لئے
آپ کے پیش نظر ہی نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔ اب رہے قرائن حالیہ کے نتائج۔ ان سے
کوئی ایک نتیجہ حتماً و جزماً کس طرح اخذ کیا جا سکتا ہے جب کہ متعدد امکانات و احتمالات
کا جواز موجود ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے علمائے متورعین و عرفائے کاملین علیہم الرحمہ
نے امام حسینؓ کے اس اقدام کو کس نظر سے دیکھا ہے اور امام کے اس اقدام کی کیا
غرض و غایت بیان کی ہے اور اس غرض و غایت کو شرعی نقطۂ نظر سے مستحسن قرار دیا ہے
یا محض دنیائے دنی کے حصول کے لئے ایک سعی نامحمود ہی سمجھا ہے جیسا کہ ہمارے مخاطب
سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے اول جناب خاتم المحدثین و امام المتکلمین اہل سنت جناب
مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور ہمیں یقین
کامل ہے کہ جو کچھ بھی جناب شاہ صاحب ممدوح الشان ارشاد فرمائیں گے۔ وہ
اہلسنت کے نقطۂ نظر کی ایسی صحیح ترجمانی ہوگی کہ جس میں کسی چون و چرا و لا و نعم کی
گنجائش کا امکان ہی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۲۲)

سوال :- باوصف صحت حدیث الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ و ترک خلافت
حضرت امام حسنؓ بجہت استماع ہمیں حدیث لیس حضرت امام حسین بکدام دعوی ازمکہ

اقدامِ حسینؓ کی غرض و غایت ۔ خاتم المحدثینؒ کی نظر میں

برآمدہ در کربلا شہید شدند و علاوہ حدیث متواتر در مشکوٰۃ وغیرہ موجود است کہ اکثر بادشاہان ظالم وجابر خواہند بود وبسیار ظلم خواہند کرد صحابہ عرض نمودند کہ دراں وقت مسلمانان تعرض از بادشاہان نخواہند کرد حضرت فرمود کہ مسلماں را نمی رسد کہ از بادشاہ وقت کہ بہ تسلط سلطنت را گرفتہ باشد تعرض نمایند ورنہ ان مسلمانان خود ظالم و باغی خواہند گردید پس حضرت امام حسین چرا مقابلہ کردند و سلطنت یزید از روئے سلطنت ظاہر و ثابت است (انتہی) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث نبویؐ کی صحت تسلیم شدہ ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی، اسی حدیث کے زیر اثر امام حسنؓ نے حکومت ترک کر دی پھر امام حسینؓ کس دعوے سے مکہ سے برآمد ہو کر کربلا میں شہید ہوئے اور حدیث متواترہ کے علاوہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے کہ اکثر ظالم و جابر بادشاہ ہوں گے اور بہت ظلم کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس وقت مسلمان ان بادشاہوں سے تعرض نہ کریں گے۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ تسلط یافتہ بادشاہ کے خلاف تعرض کریں ورنہ ایسے مسلمان خود ظالم و باغی قرار پائیں گے۔ پس بیان فرمائیے کہ امام حسین عؑ نے کیوں مقابلہ کیا اور یزید کی سلطنت بحیثیت ایک سلطنت کے امر ثابت شدہ ہے (ختم)

جواب از خاتم المحدثین علیہ الرحمہ :- خروج حضرت امام حسینؓ بنا بر دعوے خلافت راشدہ پیغمبر کہ بمرور سی سال منقضی گشتہ بنود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانت المظلوم علی الظالم من الواجبات و آنچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرتؐ از بغی و خروج بر بادشاہ وقت اگر ظالم باشد منع فرمودہ

اندیشہ دراں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط تمام پیدا کردہ
باشد و ہنوز اہل مکہ و اہل مدینہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند و مثل
حضرت امام حسینؓ و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر بیعت نکردہ
بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط ۱
وآنچہ در حدیث ممنوع است آں خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطاں جائز باشد
والفرق بین الرفع والدفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیہ۔ (ختم)

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کا خروج خلافت نبوی سی سالہ منقضی شدہ کی بنا پر نہ تھا بلکہ ظالم کے چنگل سے مظلوم کو رہائی دلانے کے لئے تھا اور ظالم کے ظلم سے نجات دلانا واجبات سے ہے اور مشکوٰۃ کی یہ حدیث، کہ ظالم بادشاہ کے خلاف بھی خروج نہ کیا جائے یہ اس وقت کے لئے ہے کہ وہ بادشاہ ظالم بغیر کسی مزاحم و منازع کے تسلط کامل حاصل کرلے اور ابھی یزید کے معاملے میں! ابھی تک اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ اس کے تسلط پر راضی ہی نہوئے تھے۔ اور امام حسینؓ و عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر (وغیرہم) نے بیعت یزید کی ہی نہ تھی اور امام حسین کا خروج دفع تسلط یزید کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط یزید کے لئے اور حدیث میں جس خروج کی ممانعت ہے وہ رفع تسلط کے لئے ہے۔
اور مسائل فقہیہ میں دفع اور رفع کا فرق بالکل ظاہر بھی ہے اور مشہور بھی (ختم)

حضرت خاتم المحدثینؒ کے اس مدلل بیان سے ان امور کی وضاحت بخوبی ہوگئی کہ (۱) حضرت امام کے خروج کا مقصد حصول حکومت بہ طور طلب دنیائے دوں ہرگز نہ تھا بلکہ مخلوق خدا کو ظالم (یزید) کے پنجے سے نجات دلانا تھا۔

(۲) مشکوٰۃ شریف میں جو یہ حدیث نبوی درج ہے کہ ظالم بادشاہ کے خلاف مسلمان خروج نہ کریں اس کا کوئی تعلق امام حسین سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ حدیث ایسا ہی سلطان کے خلاف خروج سے متعلق ہے جس نے بلا کسی مزاحمت ونزاع کے کامل تسلط حاصل کر لیا ہو اور یہاں یزید کے خلاف مزاحمت ونزاع کا وجود ظاہر تھا (۳) حضرت امام کا اقدام دفع تسلط یزید کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط یزید کے لئے۔ دفع تسلط کے لئے اس لحاظ سے تھا کہ ہنوز مزاحمت ونزاع کا وجود ظاہر تھا اور یزید کا تسلط تام ہونے پایا تھا لہٰذا امام حسینؑ کا خروج دفع تسلط ہی کے لئے کہا جائے گا اور اس لحاظ سے رفع تسلط کی غرض کا امکان ہی ظاہر نہیں ہے البتہ اگر یزید کا کامل تسلط بلا مزاحمت غیرے ہو چکا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یزید کے رفع تسلط کے لئے امام نے خروج فرمایا جو نا جائز قرار پاتا واذ لیس فلیس۔

جناب سند المتکلمین ورأس المحققین صاحب منتہی الکلام علیہ الرحمہ اسی مبحث میں تحریر فرماتے ہیں:- "خلافت یزید علیہ ما یستحقہ نزد اہل حق بہر حال معدوم ومنتفی وشہادت جناب امام حسینؑ بہر صورت ثابت ومتحقق است ..... وجناب سید الشہداء وقت محاربہ اعدا مجاہد فی سبیل اللہ اند خواستہ بودند کہ آں کافر فاجر را تسلطے بر اہل اسلام حاصل نشود کہ در تسلط او ضرر عظیم منطوی بود (ازالۃ الغین صفحہ ۱۷) پھر دوسرے مقام پر جناب ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں:- ونزد امام حسین ضرور افتاد کہ بجانب عراق عزیمت منعطف سازند کہ اتفاق جماعت کثیر برآں شد کہ بکوفہ تشریف آرند ودادِ مظلوم را از ظالم بگیرند وآں مردود شقی (یزید) را از تخت بردارند کہ برحق اہل بیت بلا جازت ایشاں متغلب گشتہ بود ودر پے قتل ایشاں گردیدہ وبہر کیف عقد بیعت از ایشاں طلب

ساختہ (ازالۃ الغین صفحہ ۴۹) خلاصہ مطلب ان عبارات کا یہ ہے کہ اہل حق کے نزدیک یزید کی خلافت کی حقیت بہر حال ثابت نہیں ہوا اور امام حسین کی شہادت سراسر برحق ہے۔ امام حسین اس محاربے میں شہید فی سبیل اللہ ہیں اور ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ کافر و فاجر یزید کو اہل اسلام پر تسلط حاصل نہ ہو۔ اس تسلط میں فساد عظیم پنہاں تھا اور امام حسینؑ کے لئے ضروری ہو گیا کہ کوفہ تشریف لے جائیں اور مظلوموں کی داد ظالم یزید سے لیں اور اس مردود و شقی کو تخت سلطنت سے علیحدہ کر دیں کہ بلا اجازت اہلبیت ان کے حق پر اس نے تغلب کر لیا تھا اور ان کے قتل کے درپے ہے اور بہر کیف اپنی بیعت کا اہلبیت سے طالب بھی ہے (ختم)

ہمیں تو اس مقام پر صرف اسی قدر ثابت کرنا مقصود تھا کہ امام حسینؑ کے خروج کا مقصد حصول حکومت بطور طلب دنیائے دوں ہرگز نہ تھا اور جناب امام کے کسی کلام سے بھی ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ آپ دنیا طلبی اور حصولِ حکومت کی تگ و دو میں خروج فرما کر برآمد ہوئے ہیں بلکہ آپ کا مقصد حقیقی و واقعی سلطان جائر و ظالم کے جور و ظلم سے مخلوق خدا کو نجات ہی دلانا تھا۔ جناب خاتم المحدثین رح کی عبارت منقولہ بالا نیز جناب سند المتکلمین کی عبارت منقولہ سے ہمارے ناظرین نے بخوبی اندازہ کر لیا ہو گا کہ یہی ایک مقصدِ عزیز وجود امام ہمام علیہ السلام کا تھا بلکہ بقول جناب خاتم المحدثین امام حسینؑ پر اس اقدام کا وجوب بھی تھا کہ اعانت المظلوم علی الظالم من الواجبات لکھ کر جناب خاتم المحدثین رح نے اسے موکد بھی کر دیا۔ اور ضمن کلام میں خروج کے اس وجوب و لزوم کے اظہار سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت حسینؑ پر بغاوت کا جو الزام قاضی ابو بکر ابن عربی مالکی وغیرہ کی تقلید میں بعض سنی نما نواصب

بیان کرتے رہتے ہیں قطعاً غلط اور بے اصل ہے بقول جناب خاتم المحدثین اس خروج میں جناب امام کے متعلق بغاوت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو حدیث نبوی بغاوت کا الزام ثابت کرنے کے لئے اکثر ایسے عقیدے کے لوگ پیش کرتے رہتے ہیں وہ جناب امام کے اس اقدام سے قطعاً غیر متعلق ہے۔ جب یہ خروج شرعاً واجب قرار پایا تو بغاوت کا تصوّر ہی برخاست ہو گیا۔

ہمارے مدعا کے اثبات کے لئے ان دو جلیل القدر و عظیم المرتبت متکلمین اہلسنت کا بیان ہی کافی ہے اور اگرچہ بآسانی یہ ممکن ہے کہ ہم صدہا علمائے اعلام اور مشہور راسخ العقیدت بزرگان متقدمین و متاخرین کے کلام اپنی تائید میں اس محل پر پیش کرتے چلے جائیں مگر اس اطالت کی اب کوئی خاص ضرورت نہیں پائی جاتی ہے سبحان اللہ، سبحان اللہ کیا خوب فرمایا ہے رحجان حقیقت علامہ اقبال طاب ثراہ نے

مدعایش سلطنت بودے اگر   خود نکردے باچنیں ساماں سفر

اب ہم تنزلاً بھی اس بحث کی وضاحت ایک حد تک کر دینا چاہتے ہیں سلّمنا کہ امام حسینؑ نے خاص اپنی ذات ہی کے لئے سلطنت حاصل کرنے کے خروج فرمایا تھا تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دنیا طلبی کا کوئی نامحمود مظاہرہ تھا۔ اگر دنیوی حقوق واجبہ کا مطالبہ بطور جائز کیا جائے اور اپنا واجبی حق حاصل کرنے کے لئے کارروائی لساناً یا سیفاً حسب ضرورت و بمقتضائے حالات کی جائے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اب دیکھنا یہ ہے کہ امام حسینؑ کو خاص اپنے لئے کوئی قانونی حق طلب سلطنت و حکومت کا حاصل تھا یا نہیں۔ اس سوال کا تصفیہ کرنے کے لئے ہمیں کتب تواریخ

سے اِن اوراق کی طرف رجوع کرنا پڑیگا جن میں امام حسن کی تفویض حکومت کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ امام حسنؑ جب حکومت سے بحق امیر معاویہ دستبردار ہوئے تو صلحنامہ مرتب ہوا۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حکومت امیر معاویہ کی ذات کی حد تک ہی تفویض کی جا رہی ہے اور کسی غیر کی حد تک تفویض نہیں کی جا رہی ہے اور امیر معاویہ کے بعد حکومت امام حسنؑ کی طرف عود کریگی۔ محدث علامہ ابن عبد البر الاستیعاب میں تحریر فرماتے ہیں:- ولا خلاف بین العلماء ان حسن بن علی علیہما السلام سلم لمعاویہ الخلافۃ لا غیر ثم یکون لہ من بعدہ وعلی ذلک العقد فی ذلک یعنی یہ امر متفقہ علماء ہے کہ حسن بن علی نے حکومت صرف معاویہ ہی کی حد تک تسلیم فرمائی تھی کسی غیر کے لئے تسلیم نہیں فرمائی تھی اس شرط سے کہ بعد وفات امیر معاویہ وہ پھر امام حسنؑ کی ہو جاوے گی۔ اسی شرط پر عہد قائم ہوا تھا۔ اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ نے فتح الباری شرح بخاری میں ابن قدامہ کی کتاب کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ ابی بصرہ نے بسند قوی بیان کیا ہے کہ انہوں نے امام حسن کو امیر معاویہ کے پاس خطبہ پڑھتے ہوئے سنا تھا جس میں امام حسنؑ فرماتے تھے کہ ہم نے معاویہ سے اپنی حکومت کے لئے شرط درج کرالی ہے۔

جناب سند المتکلمین وامام المحققین صاحب منتہی الکلام تحریر فرماتے ہیں:-

"ہر چند خلع خلافت بسوئے معاویہ واقع شدہ لیکن حکم وثیقہ کہ بہ گواہی سران دو لشکر عظیم موسس وشید وموثق وموکد گردیدہ بود بر بعضے از روایات صراحتاً" این است کہ خلافت بعد از معاویہ بسوئے اہلبیت نبویؐ باز گردد (ازالۃ الغین صفحہ)

دیگر کتب مشہور و مقبول میں بھی یہ روایت عمدہ اسناد سے درج ہوتی چلی آرہی ہے اور ہمارے علمائے نے صدہا مقامات پر اس صحیح روایت کی بنا پر استدلال کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد از روئے معاہدۂ ھذا حکومت امام حسنؑ کو ملنی لازم تھی۔ مگر قبل وفات معاویہ امام حسنؑ کی وفات زہر خورانی کے باعث ہوگئی جس میں خود امیر معاویہ کی ذات بعض اکابر کی تصریحات کے بموجب متہم ہے۔ امام حسنؑ کی وفات کے بعد بلکہ اس سے قبل ہی یزید کی ولیعہدی کے لئے امیر معاویہ نے سلسلہ جنبانی شروع کردی تھی۔ ان حالات میں جب کہ یہ حکومت از روئے معاہدۂ مذکور اہلبیت کی طرف عود کرنے والی تھی یزید کی ولیعہدی اور پھر اس کی تخت نشینی کس طرح جائز قرار دی جاسکتی ہے۔ اگر تفویض حکومت کے معاہدے میں یہ شرط درج تھی (اور یقیناً درج تھی) جیسا کہ ثقات کی شہادت سے واضح ہے تو یزید کی بیعت ولیعہدی اور بیعت حکومت دونوں ہی شرعاً ناجائز قرار پاتی ہیں۔ اگر امام حسینؑ از روئے معاہدۂ مذکور مستحق حکومت تھے اور یقیناً تھے پھر انہوں نے اپنے اس حق کے حصول کے لئے کوئی اقدام کیا تو یہ کس طرح ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ شہادت اس امر کی بھی موجود ہے کہ امیر معاویہ نے امام حسنؑ کی زندگی میں ہی خلاف عہد یزید کی ولیعہدی کی بیعت کا سامان شروع کردیا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔ کان معاویہ قد اشار بالبیعۃ لیزید فی حیوۃ الحسن علیہ السلام وعرض بھا ولکن لم یکشفھا ولا عزم علیھا الا بعد موت الحسنؑ (الاستیعاب)

اور اس بیعت ولیعہدی کے لئے عملی کارروائی بعد واقعہ زہر خورانی امام

حسنؓ بصد دشواری و جاں فشانی کی گئی جس حکومت کے انعقاد و انصرام کے لئے ایسی مریح عہد شکنی کا ارتکاب حلال سمجھ لیا گیا ہو کیا اس کے جواز پر کوئی مسکت دلیل پیش کی جا سکتی ہے کیا اس کے بعد بھی اس بیعت کو جو جبراً و قہراً و ظلماً و درہماً و دیناراً اور خوانوں کو بے دریغ خالی کر دینے کے بعد حاصل کی گئی ہو ہم کسی طرح بھی جائز بیعت اور ایسی حکومت کو حکومتِ خیر یا خلافت راشدہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو ایک طرف جبر و قوت سے ناحق کو حق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جا رہا اور دوسری طرف اگر حقدار بھی اپنا جائز حق طلب کرتے ہیں تو الٹا انہیں ہی مورد طعن و الزام قرار دے کر باغی ثابت کرنے کی سعی بے سود شروع کر دی جاتی ہے۔ سبحان اللہ

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حق طلبی کا نام بغاوت اور عین بغاوت کا نام حق رکھ دیا۔ اگر غور کیا جائے تو از روئے معاہدہ امام حسینؓ ہی حاکم جائز و حاکم بالفعل قرار پاتے ہیں تمامی اصحاب اخیار دکافۃ الناس نے اپنے ہاتھ سے اگرچہ امام حسینؓ کی بیعت تو نہیں کی تھی مگر دل سے آپ ہی کی بیعت کئے ہوئے تھے اور آپ کے احق بحکومت ہونے اور آپ کے حاکم جائز و عادل ہونے کے صدقِ دل سے معترف تھے اور اصلی و حقیقی بیعت کی یہی شان بھی ہے۔ اس لحاظ سے بغاوت کا الزام یزید پر تو ثابت ہو سکتا ہے۔ امام حسین پر ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور یہ بحث مفصل طور پر ہماری اس کتاب میں علمائے کرام کی توثیق کے ساتھ دوسرے مقام پر درج ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

ان تمام بیانات سے ہمارے ناظرین نے یہ اندازہ کرلیا ہوگا کہ امام حسینؑ ہرگز بطلب دنیائے دوں یزید کے مقابل خروج فرماکر برآمد نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا اصلی اور حقیقی مقصد اس اقدام سے محض صلاح وفلاح امت ہی تھا اور اسی خاص غرض سے آنجنابؑ نے مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تھا۔ جو طریقہ کار بالآخر جناب امام ہمام اختیار کرنے والے تھے اس کے متعلق کوئی شہادت ایسی نہیں پائی جاتی ہے جس سے کوئی ایک قطعی رائے قائم کی جاسکے اور اگر تنزلاً یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آپ خاص اپنے ہی لئے خواہان حکومت تھے تو اس میں بھی کوئی اعتراض قانوناً و عرفاً خدام سید الشہداء علیہ السلام پر وارد نہیں کیا جاسکتا کہ یزید کی حکومت مغصوبہ تھی اور از روئے معاہدہ امام حسینؑ ہی اس کے مستحق ہوسکتے تھے اور اس کے علاوہ یزید اپنے اعمال و افعال کے باعث بھی ہرگز مستحق بیعت و حکومت نہ تھا۔ یہی رائے یزید اور اس کی حکومت کی بابت افاضل صحابہ کرام موجودین اور بکثرت دیگر مومنین مخلصین کی بھی تھی۔ ہمارا ایمان ہرگز گوارا نہیں کرسکتا کہ جو سلطنت محض غصب و جبر سے مستحقین کو محروم کرکے محض حب ریاست و اشتہائے حکومت و ثروت اور طمع مال کی تسکین کے لئے حاصل کی گئی ہو وہ کسی طرح بھی حکومت خیر یا خلافت راشدہ کہی جاسکتی ہے جس کے معتقد ہمارے مخاطب عالی مقام ہیں۔ اگر بالفرض امام حسینؑ نے اپنی ذات ہی کے لئے یہ اقدام کیا تھا تو ان کے حق میں یہ مطالبہ دنیائے محمود ہی کے لئے کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ بہر صورت اور بہر حال اس کے مستحق تھے۔ فریق مخالف کی طرح ان کا یہ مطالبہ دنیائے دوں کے لئے قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وفی المثنوی المعنوی

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب زیر کشتی اور ا پشتی است

قال المخاطب: - اگر امام حسین کا یہ خروج بطلب دنیا نہ تھا تو آخر کس غرض سے تھا۔ کیا سوائے طلب حکومت دنیوی اور بھی کوئی نیت امام حسین کی ہو سکتی ہے۔

الجواب: - اس سوال کا جواب اوپر درج ہو چکا۔ جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کی زبان حق ترجمان سے ایک بار پھر جواب سماعت فرمایئے۔ "خروج امام حسینؓ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم (یزید) بود واعانت المظلوم علی الظالم من الواجبات یعنی امام حسین کا خروج رعایا کو ظالم یزید سے خلاصی دلانے کے لئے تھا۔ کیونکہ ظالم کے مقابلے کے لئے مظلوم کی اعانت کرنا واجب ہے" فتاوی عزیزی صفحہ ۲۲۲ اس بیان سے امام حسین کے اس اقدام کی غرض و غایت بخوبی واضح ہے اور اس سے زیادہ پاک و پاکیزہ غرض اور ہو بھی کیا سکتی ہے جو نہ صرف مباح ہی ہے بلکہ واجب بھی ہے اور نیت حسینؓ کے پاک و پاکیزہ ہونے میں کسی شقی کو ہی انکار ہو سکتا ہے اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات شیخنا و مقتدانا محدث عظیم و جلیل مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کا ارشاد فیض بنیاد خاص حسن نیت حسینؓ کے متعلق پیش کیا جائے۔ ملاحظہ ہو۔ "معلوم باد کہ مدار کار بر نیت است بشہادت انما الاعمال بالنیات و حسن نیت حضرت امام حسین رضؓ قابل آں نیست کہ درآں تردد کردہ آید اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام رضؓ چہ تردد۔ نہ یزید در حق اوشاں خلیفہ بود نہ خروج برو ممنوع و اگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود واگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نہ بود دبا بجملہ وجود مخالفت مفقود و موجبات جہاد موجود۔ در حسن نیت (حسینؓ) کلام نیست۔

باز اگر او شاں شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود و از یں ہم در گذشتیم اگر موجبات جہاد موجود نہ بودند او شاں نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند و لشکریان یزید پلید نہ گذاشتہ و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند (منقول از مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۷۳)

سبحان اللہ کس قدر عمدہ طور پر حضرت قاسم العلوم والخیرات نے حسن نیت جناب امام حسینؓ پر اظہار خیال فرمایا ہے اور تمامی مدارج بحث تنزلی بعد تنزل بیان فرمائے ہیں یعنی یہ کہ نہ یزید آپ کے نزدیک خلیفہ ہی تھا نہ اس کے مقابل شرعاً خروج ممنوع تھا اور اگر یزید کو خلیفہ بھی مان لیا جائے تب بھی اس کے خلاف خروج کی ممانعت نہ تھی اور اگر خروج کو بھی ممنوع فرض کر لیا جائے تو یزید کا عزل کب ممنوع تھا۔ الغرض کسی قسم کی ممانعت شرعی جناب امام ہمام کے لئے موجود نہ تھی اور جہاد کے جائز ہونے کے موجبات موجود تھے۔ اس لحاظ سے جناب امام کے حُسنِ نیت میں کوئی شک ہی نہیں کیا جا سکتا پس اگر آپ کو بھی شہید نہ کہا جائے تو اور کسے شہید کہا جا سکتا ہے۔ اگر (بفرض غلط) مان بھی لیا جائے اور ہم اپنے ان بیانات سے بھی درگذریں اور کہیں کہ موجبات جہاد موجود ہی نہ تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ امام جب جہاد سے باز رہ کر اپنی راہ چلے جانے کے لئے آمادہ تھے۔ (بلکہ خود یزید کے پاس جانے کے لئے اس روایت کی بموجب آمادہ تھے) تب بھی لشکریان یزید پلید نے آپ کو نہ چھوڑا اور آپ کا محاصرہ کر کے ظلماً آپ کو شہید کر دیا (ختم)

قال المخاطب:- خلافت امیر المومنین یزیدؓ پر بوقت انعقاد ولیعہدی و بوقت بیعت خلافت تمام امت مجتمع تھی۔ امام حسینؓ کو امت نے لائق خلافت

نہیں سمجھا اور اسی لئے وہ اپنے اقدام میں ناکام ہوئے الخ۔

الجواب :- اس سوال پر بھی اوپر بحث لکھی جا چکی ہو مجملاً ایک بار اس اعتراض کا جواب جناب سند المتکلمین ورأس المناظرین صاحب منتہی الکلام علیہ الرحمہ کی زبان قلم سے پھر سُن لیجئے :- بباید دانست کہ تمامی اہل حل وعقد از بیعت یزید وامارت او مستنکف بودہ اند ہم در وقت معاویہ وہم در وقتے کہ او از جہان فانی درگذشت واستحقاق واہلیت جناب امام حسین رضؓ بخلافت کاملہ بالا جماع ثابت است پس اگر بغور وامعان نگاہ کنی امامت حضرت امام حسین رضؓ دراں وقت متعین است۔ (ازالۃ الغین صفحہ ۵۰۳) مطلب یہ کہ تمامی اہل حل وعقد یزید کی بیعت اور امارت سے نفرت کرتے تھے معاویہ کے وقت میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی اور خلافت کاملہ کے لئے امام حسین رضؓ کی اہلیت اور حق بالاجماع ثابت ہے پس اگر بغور دیکھا جائے تو امام حسین رضؓ کی امامت اس وقت میں متعین ہے (ختم)

اب رہا کسی اقدام کی کامیابی کا سوال کامیابی اور ناکامی بہرحال مشیّت ایزدی کے تابع ہے۔ احد وبیعت رضوان وخیبر وحنین کے مناظر پیش نظر رکھئے۔ اور ان سے سبق عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ فتح وشکست ہر اقدام سے والبستہ ہیں بقول شخصے "یک جنگ دو سر دارد" اسی سلسلے میں حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا ومقتدانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا کلام ہدایت التیام ملاحظہ طلب ہے فرماتے ہیں :- "روز عاشورا قیامت قبل از قیامت در میدان کربلا برخاست انا للہ وانا الیہ راجعون برہیچ کار نہ فقط حضرت سید الشہدا رضی اللہ عنہ را پیش آمد در جہاد اکثر چنیں پیش می آید واقعہ احد وحنین شنیدہ باشی پس چناں کہ شہیدان احد وحنین بذروۃ

شہادت رسیدہ اند وازاں برہمی کار وخللے در فضائل اوشاں راہ نیافت ہمچنیں شہدائے کربلا را باید شناخت (منقول از مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۷) مطلب یہ کہ قیامت قائم ہونے سے قبل ہی ایک قیامت بروز عاشورا میدان کربلا میں قائم ہو گئی۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جناب سید الشہدا ہی کو یہ صورت درپیش ہوئی ہے. بلکہ جہاد میں ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ احد وحنین میں ہوا۔ لیکن مقتولین اُحد وحنین جس طرح منصب شہادت پر فائز ہیں اور جنگ میں مسلمانوں کی شکست سے جس طرح ان کے دفضائل میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح شہدائے کربلا کے فضائل میں بھی کمی واقع نہیں ہوئی (ختم)

جو نظریہ جناب ممدوح الشان علیہ الرحمہ نے اس تقریر دلپذیر میں بیان فرمایا ہے وہ درحقیقت نہ صرف مسلمہ اہل سنت ہی ہے بلکہ جمہور مسلمین اس تشریح وتوضیح پر ہمیشہ صدائے "صدقنا" بلند کرتے آئے ہیں وقال العارف الرومی رح

خون شہیداں را از آب اولے تراست
ویں خطا از صد صواب اولے تراست

قال المخاطب :۔ امام حسین خلافت وحکومت کے ہرگز اہل نہ تھے الخ

الجواب :۔ صفحات ماسبق میں اس اعتراض کا جواب قلمبند ہو چکا اور ابھی چند سطر اوپر بھی اس کا جواب بالفاظ جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ نقل ہوا کہ "استحقاق واہلیت جناب امام حسینؑ بخلافت کاملہ بالاجماع ثابت است۔ حیرت ہے کہ جو امر بالاجماع ثابت ہو اُسی میں کلام کرنے کی بار بار جرات کی جاتی ہے ۔۔ مخاطب غالی مقام کے مقبولہ امام المورخین علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے

ہیں :-

"حضرت امام حسینؑ کی رائے ہوئی کہ فسق و فجور کی وجہ سے یزید پر خروج واجب ہو گیا ہے اور خصوصاً اس شخص کو جو خروج رکھنے کی قوت بھی رکھتا ہوا ور سمجھتا ہو کہ مجھ میں اس کی اہلیت اور شوکت ہے۔ بے شک آپ میں اہلیت تھی جیسی کہ آپ نے خیال فرمائی بلکہ اس سے بھی زیادہ اہلیت تھی لیکن شوکت و حمایت کا اندازہ صحیح طور پر نہ ہو سکا۔ (یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کوفیوں کی غداری کی طرف) (مقدمہ تاریخ ابن خلدون حصہ دوم صفحہ ۷۵)

کیا اب بھی آنجناب کو جناب امام ہمام علیہ السلام کی اہلیت واقعی میں کسی کلام کرنے کی گنجائش باقی ہے۔ ہزار ہا علمائے ثقات جناب امام حسینؑ کی اہلیت و صلاحیت حکومت و خلافت راشدہ پر متفق اللفظ ہو کر شہادت ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ کہاں تک کوئی اس صلاحیت و اہلیت کا انکار کر سکتا ہے۔ آپ خلافت کے مستحق بھی تھے اہل بھی تھے اور صاحبِ صلاحیت بھی تھے۔

قال المخاطب :- یزید کی بیعت ولی عہدی پر اجماع صحابہ عظام سے انکار کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

الجواب :- غلط ہے یہ بیان کہ یزید کی ولی عہدی پر صحابہ عظام کا اجماع ہو گیا تھا۔ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کا واقعہ بخاری شریف و نسائی شریف اور صدہا دیگر کتب تواریخ و تذکرہ میں محفوظ ہے کہ آپ نے یزید کی ولی عہدی کی بدعت کو سنت قیصر و کسریٰ قرار دیا تھا۔ مروان نے مدینہ شریف میں خطبہ دیا کہ امیر معاویہ سنت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر عمل کرتے ہوئے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر

یزید کی بیعت ولیعہدی

کرتے ہیں فقام عبد الرحمان بن ابی بکر رض فقال سنت کسریٰ وقیصران ابوبکر وعمر لم یجعل فی اولادھما ولا فی احد من اھل بیتھما۔ یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رض نے فرمایا کہ یہ تو کسریٰ و قیصر کی سنت ہے ابوبکر و عمر رض نے اپنی اولاد یا اہل بیت میں سے کب کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

ہمارے مخاطب عالی مقام کے دوسرے امام المورخین (فی الہند) علامہ اکبر شاہ خاں اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ "چند روز کے بعد مروان نے پھر لوگوں کو جمع کیا اور سنایا کہ دمشق سے امیر المومنین معاویہ کا دوسرا خط آیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کی بہتری کو مد نظر رکھتے ہوئے یزید کو ولیعہدی کے لئے منتخب کیا ہے یہ سن کر عبد الرحمٰن بن ابی بکر رض عبد اللہ بن زبیر رض اور حسین رض بن علی رض نے سخت مخالفت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ انتخاب مسلمانوں کی بہتری کے لئے نہیں بلکہ بربادی کے لئے کیا گیا ہے کیوں کہ اس طرح تو خلافت اسلامیہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت سے مشابہ ہو جائے گی کہ باپ کے بعد بیٹا تخت نشین ہوا کرے یہ انتخاب منشائے اسلام کے خلاف ہے۔ (تاریخ اسلام صفحہ ١٥/٢)

کس قدر سخت حیرت کا مقام ہے کہ اکابر و اعاظم صحابہ موجودین تو اس بیعت ولیعہدی کو باعث بربادی اہل اسلام قرار دے رہے ہیں اور ہمارے مخاطب والا مقام اسے مناقب یزید میں معدود قرار دینے میں کوئی باک نہیں کرتے۔ کیا اسی کا نام اجماع صحابہ ہے کہ جماعت صحابہ کے تمامی اہل حل و عقد متفقہ طور پر اس ولیعہدی سے اپنی نفرت و بیزاری کا علے الاعلان اظہار کر رہے ہیں اور اب قریباً ڈیڑھ

ہزار سال کی مدت گزر لینے کے بعد یزید کی بیعت ولی عہدی پر صحابہ کرام رضؓ کے اجماع کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ کہاں تک تعریف کی جائے اس بلند بانگ (دور باطن ہیچ) دعوی بے ہنگام و بے اصل کی۔ ایک ایک صحابی جو بزرگ و مقتدا و اہل حل و عقد کے بھی پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ بیعت ولی عہدی یزید کو ٹھکرا رہے ہیں اور اسے طریقہ کفار ظاہر کر رہے ہیں اور ہمارے مخاطب عالی مقام یہی فرمائے جا رہے ہیں کہ اجماع صحابہ کرام سے انکار کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی مورخ جن کو ہمارے مخاطب امام المورخین فی الہند کا شاندار لقب عطا فرماتے ہیں اپنی تاریخ میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔ ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لینا ایک سخت غلطی تھی اور یہ غلطی غالباً محبت پدری کے سبب ان سے سرزد ہوئی (تاریخ اسلام صفحہ ۲۲/۲) محقق و مورخ مشہور و مقبول علامہ سیوطی رح تاریخ الخلفا میں بسلسلہ بیان حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضؓ تحریر فرماتے ہیں :۔ ”معاویہ محض شفقتِ پدری کے باعث ایسا کر رہے ہیں (یعنی یزید کو ولیعہد بنا رہے ہیں) (صفحہ ۲۱) یہی مورخ جلیل تحریر فرماتے ہیں :۔ ”عبد الملک بن مروان نے روایت بیان کی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یزید کو ان کے والد معاویہ نے اپنی زندگی میں ولیعہد مقرر کیا تھا اس وجہ سے لوگ ان سے ناخوش تھے۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۲۰)

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ولیعہدی یزید سے مخالفت کا جذبہ ایک عارضی اور وقتی بات تھی جو بعد میں باقی نہ رہی۔ یہ رسم ولی عہدی ایک اشد شد ید بدعت سیئہ اہلسنت کے نقطۂ نظر سے تھی جس کا افسوس آج تک مسلمانوں کو چلا جا رہا

ہے اور جذبہ مخالفت الآن کما کان موجود ہے۔ اب تک بھی ثقاۃ اہل اسلام آئے دن اس بدعت سیئہ پر افسوس کناں بلکہ ماتم کناں نظر آتے ہیں اور اس بیعت ولیعہدی پر نفرت کی بوچھار اب بھی چار طرف سے ہوتی نظر آتی ہے۔ اہلِ ذوق کی ضیافت طبع کے لئے ہم ایک نظم شمس العلما حجت الاسلام علامہ شبلی نعمانی طاب ثراہ کی یہاں نقل کرتے ہیں جس سے ہمارے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکے گی کہ اب چودھویں صدی ہجری میں بھی اس بیعت ولی عہدی سے اسی طرح اظہار نفرت وبیزاری کیا جا رہا ہے جس طرح اکابر و افاضل صحابہ موجودین رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمین نے پہلی صدی ہجری میں کیا تھا اور شاید قیامت تک یہ سلسلہ بند نہ ہو سکے گا وہ نظم ملاحظہ ہو:-

جب ولی عہد ہوا تختِ حکومت کا یزید — عامل یثرب و بطحا کو یہ پہنچے پیغام
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور — خطبہ پڑھتا ہے حریمِ نبوی میں جو امام
وقت آیا تو چڑھا پایۂ منبر پہ خطیب — اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیرِ اسلام
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ — جانشیں کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
اُٹھ کے فرزندِ ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا — سر بسر کذب ہے یہ اے خلفِ نسلِ لئام
جھوٹ ہے یہ کہ یہ ہے سنتِ بوبکرؓ و عمرؓ — ہاں مگر قیصر و کسریٰ کی یہ ہے سنتِ عام
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے — ایسی بدعت کا نہیں مذہب اسلام میں نام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے — ورنہ اسلام ہے اک مجلسِ شوریٰ کا نظام
شان اسلام ہے شخصیت ذاتی سے بعید — شرع میں سلطنتِ خاص ہی ممنوع و حرام
اس سے بھی قطعِ نظر نسلِ عرب ہیں ہم لوگ — وہ کوئی اور ہیں ہوتے ہیں جو شاہوں کے غلام

(منقول از نظم شبلی اردو مطبوعہ مہتاب پریس دہلی صفحہ ۳۹)

قال المخاطب :- امیر المومنین یزید رضؓ کو اکابر علمائے اسلام نے جا بجا خلیفہ تحریر کیا ہے بلکہ خلفائے اثنا عشر میں شمار کیا ہے اور "امیر المومنین یزید" کے الفاظ تو بالالتزام ثقاۃ اہل اسلام کی نوک قلم پر رہے ہیں وغیرہ۔

الجواب :- یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض مقامات پر یزید کو خلیفہ اور امیر المومنین لکھا جاتا رہا ہے اور اب تک بھی بعض حامیان یزید بمصداق الشاذ کالمعدوم کہیں کہیں اپنے امیر المومنین یزید کو انتہائے عقیدت سے "امیر المومنین یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھ کر اپنی راحت قلب و فرحت روح کا سامان کر لیتے ہیں مگر بعقیدۂ اجماعی اہلسنت یہ وہ خلافت ہرگز نہیں ہے جسے ہمارے علمائے متورعین و مقبولین خلافت راشدہ و خلافت نبوت و خلافت رحمت بیان کرتے آئے ہیں بلکہ یزید اور اس سلسلے کے تمام افراد کی خلافت (سوائے عمر بن عبد العزیز کی خلافت عادلہ کے) خلافت، جائرہ و ملک عضوض سے موسوم ہے۔ اگر اس خلافت پر کوئی فخر و ناز کرتا ہے تو شوق سے کرے مگر شرعی نقطۂ نظر سے سلطان بایزید رومی اور یزید بن معاویہ کی خلافت و حکومت کی نوعیت میں چنداں کوئی فرق نہیں ہے صاحب منتہی الکلام علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :- خلفائے حقیقی خلفائے راشدین اند و اطلاق خلیفہ بر دیگراں از بنی امیہ و عباسیہ اطلاق مجازی است ...... ذکر یزید در خلفا مستلزم حقیقت خلافتش کہ مابہ النزاع است نیست (ازالۃ الغین صفحہ ۵۰۲) یعنی اصلی اور حقیقی خلفا خلفائے راشدین ہی ہیں اور دوسرے اموی و عباسی سلاطین کو مجازاً خلیفہ کہہ لیتے ہیں اس لئے اگر یزید کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

تو اس سے اس کی خلافت کی حقیت، ثابت نہیں ہو سکتی ہے (ختم) حضرت علامہ ممدوح الشان دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔" ذکر یزید پلید در زمرۂ خلفا مستلزم آں نیست کہ اورا مستجمع شروط دانستہ باشند چنانچہ دانستی کہ فکیف خود ایں علما بعنایت ایزدی تصریح کردہ باشند کہ مراد از خلافت عام است کہ حق باشد یا باطل و از جملۂ آں خلفا یزید پلید است کما سیجیئ۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ ازیں عبارت بدلالت مطابقی معلوم شد کہ یزید صلاحیت خلافت نداشتہ و جلال الدین (سیوطی) با وجود شمردن یزید از جملہ خلفا از لعن و تکفیر او ہرگز دریغ نہ کردہ چنانچہ عبارتش دیدہ باشی وہی ہذہ وجی براسہ رضی اللہ عنہ فی طست حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً (ازالۃ الغین صفحہ ۱۵۳) مطلب یہ کہ یزید کو خلیفہ اس معنی میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جامع الشرائط خلیفہ تھا۔ چنانچہ جا بجا اس کی صراحت علمانے کر دی ہے اور بیان کر دیا ہے کہ یہ خلافت عام ہے خواہ برحق ہو یا باطل اور ایسا ہی (باطل) خلیفہ یزید پلید بھی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یزید میں خلافت کی صلاحیت ہی نہ تھی اور علامہ سیوطی نے بھی اگرچہ یزید کو خلفا میں شمار کیا ہے مگر یزید کی تکفیر بھی کی ہے اور اس پر لعنت بھی کی ہے جیسا کہ عبارت تاریخ الخلفا میں ہے کہ امام حسین رضؓ کا سر طشت میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ خدا لعنت کرے امام حسینؓ کے قاتل پر اور ابن زیاد اور یزید پر (ختم)

پنجم

اب رہا یزید کو "امیرالمومنین یزید" لکھنا۔ یہ بھی سراسر مجاز ہے۔ جارج شاہ انگلستان کو بھی بعض خوشامد پسند مسلمان اس لحاظ سے امیرالمومنین

لکھنے لگے تھے کہ ان کی سلطنت میں مسلمانوں کی مردم شماری کا ہر اسلامی حکومت سے زیادہ تھی یزید کے ساتھ 'امیر المومنین' کا پیوند خلیفہ صالح عمر بن عبد العزیزؒ کے نزدیک جرم تعزیری بھی قرار پاچکا ہے جس کا ذکر ہماری اس کتاب میں بھی ایک دو مقام پر ہوا ہے خلفائے اثنا عشر کی بحث ہماری اس کتاب میں قبل ازیں لکھی جاچکی ہے۔

قال المخاطب :- امیر المومنین یزید رضؓ کی صلاحیت و اہلیت حکومت اور ان کی علمی و عسکری قابلیت بہرحال امام حسینؓ سے زیادہ تھی اور بمقابل امام حسینؓ ہر طرح امر خلافت کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ امام حسینؓ کے دعوے میں سب سے بڑا حق حصولِ خلافت کے لئے یہی ظاہر کیا جاتا تھا کہ وہ رسولؐ کے نواسے اور علیؑ کے فرزند ہیں اسلام نے خلیفہ بننے کی صلاحیت کے لئے فلاں ابن فلاں کے اصول کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔

الجواب :- یزید کے ہم عصر تمامی افاضل صحابہ و دیگر اعیان و صنادید اسلام بالاتفاق یہ رائے رکھتے تھے اور اس وقت سے لے کر اب تک کے تمامی صلحاء و علمائے امت اور خواص و عوام مسلمین کی رائے بھی علیٰ وجہ البصیرت یہی ہے کہ یزید میں اس کی بداعمالیوں اور کردار کی خامیوں وغیرہ کے باعث ہرگز خلافت اسلامیہ کی صلاحیت و قابلیت نہ تھی۔ ہماری اس کتاب کے مختلف گوشوں ہی میں جابجا آپ کو ہمارے اس بیان کی تائید میں سلف صالح اور متاخرین صالحین و کاملین تک کے ایسے مقالات مل جائیں گے جن سے یزید کی عدم صلاحیت کا اثبات بوجہ احسن ہو جاتا ہے۔ ازانجملہ ملاحظہ ہوں الفاظ صاحب منتہی الکلام:

علیہ الرحمہ :- بباید دانست کہ تمامی اہل حل و عقد از بیعت یزید و امارت او مستنکف بودند.... و اہلیت جناب امام حسینؓ بخلافت کاملہ بالاجماع ثابت است۔ (ازالۃ الغین صفحہ ۳۰۵) دوسرے مقام پر علامہ موصوف رح تحریر فرماتے ہیں :- " از مطالعہ بہترین سیر بلکہ دیگر تواریخ نیز پیداست کہ ہیچ کس از صحابہ کرام رض چہ خاص و عام معاویہ را بریں حرکت (یعنی بیعت ولی عہدی یزید) نہ ستودہ اند بلکہ اشارۃً و صراحۃً زشتی ایں فعل بیان نمودہ اند و آخرِ مآل ایں کار بہمال امر می کشد کہ یزید را لائق ریاست ندانستند (ازالۃ الغین صفحہ ۲۰۰) مطلب یہ کہ جمیع صحابہ کرام یزید کی ولیعہدی کو عمل زشت جانتے تھے اور اشارۃً و صراحۃً معاویہ کو اس عمل زشت پر آگاہ کرتے تھے اور نتیجہ ان تمام باتوں سے یہ نکلتا ہے کہ یہ سب یزید کو لائق خلافت نہ جانتے تھے (ختم)

ان مختصر عبارات ہی میں یزید کی عدم صلاحیت و ناقابلیت اور جناب امام ہمامؑ کی اہلیت و صلاحیت کا اظہار بخوبی ہو جاتا ہے اگر دیگر اکابر کے بیانات اس کی تائید میں نقل کئے جائیں تو غیر معمولی طول بیان میں ہو جائے گا۔ ابن کثیر دمشقی سے زیادہ ان ملوک جائرین شام و فرماں روایان ملک عضوض کا مدح خواں شاید کوئی دوسرا نہ ہوگا مگر بالآخر اس قصیدہ خواں ملوک جائرین کو بھی یزید بن معاویہ کے حالات میں یہ لکھنا ہی پڑا کہ " عن ابی ایوب الانصاری انہ قال حضرۃ الوفاۃ قد کنت کتمت عنکم شیئاً ......

وکب بسببہ افعالا کثیرۃ اذکورت علیہ کما سنذکرہ فی ترجمتہ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۵) خلاصہ مطلب یہ کہ میری رائے میں حدیث

لولا انکم تنذنبون الخ کے مضمون نے یزید کو ارجا کے عقیدے کی طرف مائل کر دیا تھا جس کے باعث وہ بکثرت منکرات کا مرتکب ہو گیا (ختم) اے سبحان اللہ کیا خوب مدافعت یزید کے مناکیر کی ابن کثیر خوش تدبیر روشن ضمیر نے کی ہے اور شامی ہونے کا حق ادا کیا ہے یزید شنائع و قبائح کا مرتکب بھی ہوا تو مضمون حدیث سے سند لے کر اور مُرجی بن کر گویا شراب تو پی لی مگر بسم اللہ پڑھ کر۔

یہاں تک تو ہم نے چند خارجی شہادتیں یزید کی عدم اہلیت اور مرتکب منکرات ہونے کی درج کر دیں اب ہم یزید کے اندرون خانہ سے بھی اس کی عدم اہلیت اور بد کرداری کی خاص اس کے اہلبیت میں سے پیش کئے دیتے ہیں کہ بمصداق صاحب البیت ادری بما فیہا اسے عینی شہادت اگر کہا جائے تو ہرگز محل اعتراض نہیں ہو سکتا شاید کہ اس روایت کا اندراج اس مقام پر موجب عبرت و باعث ازدیاد بصیرت ہو سکے۔ یہ شہادت خود یزید کے فرزند دلبند سعادت مند معاویہ کی ہے جو باتباع سنت اکاسرہ و قیاصرہ یزید کی وفات کے بعد ہی زینت بخش سریر خلافت جائرہ ہوئے تھے۔ مگر بمصداق یخرج الحیّ من المیت و بتوفیق ایزدی اس نے ملکِ عضوض کا یہ خاردار تاج خسروی اپنے سر سے اتار پھینکا، اس کی خلع خلافت کا خطبہ اکثر تواریخ معتبرہ میں درج ہے از انجملہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی اپنی مشہور کتاب صواعق محرقہ میں اور علامہ ابن الاثیر جزری نے اپنی مشہور و مقبول کتاب تاریخ میں درج فرمایا ہے۔

معاویہ بن یزید بن معاویہ کا بیان خلع خلافت کے وقت

اس کا اردو متن ہم یہاں لکھے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے :- "جب معاویہ بن یزید بن معاویہ والی امر خلافت ہوا تو منبر پر جا کر اس نے بیان کیا کہ یہ خلافت حبل خداوندی ہے میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لئے علی بن ابی طالب رض سے لڑائی کی اور

علی خلافت کے اہل اور ان سے زیادہ حق دار تھے اور معاویہ نے چند امور کا ارتکاب بھی کیا جن کو تم جانتے ہو یہاں تک کہ وہ (معاویہ) فوت ہو گئے اور اپنی قبر میں رہین ذنوب (یعنی گناہوں میں ملوث) ہو کر چلے گئے۔ پھر میرا باپ بادشاہ بنا جو اس کی اہلیت نہ رکھتا تھا اور اس نے رسول کے نواسے سے جنگ کی اس طرح اس نے اپنی عمر کو قطع کیا اور گناہوں میں ملوث ہو کر اپنی قبر میں چلا گیا یہ کہہ کر معاویہ بن یزید رونے لگا اور کہنے لگا کہ اعظم امور ہمارے علم میں وہی ہے جو بڑا ہے اور اس نے (یزید نے) عترت رسول کو قتل کیا اور شراب کو مباح کر دیا اور خانہ کعبہ کو ویران کیا اور خلافت کی حلاوت کا ذائقہ نہ کر سکا.... الخ

غور فرمایئے خانہ یزید کے چشم و چراغ نے یزید کے متعلق کن کن امور کی عینی شہادت مسجد کے منبر پر علے رؤس الاشہاد ادا کی ہے۔ ہم یہاں یزید کی صلاحیت و اہلیت خلافت پر اظہار خیال کر رہے ہیں خود اس کے لخت جگر و نور بصر کی شہادت سے بخوبی واضح ہے وکان غیر اھلہ یعنی یزید خلافت کے لئے اہل نہ تھا یزید کی عدم اہلیت و عدم قابلیت پر تمامی اہل حل و عقد اور کافہ مسلمین تو متفق ہی تھے معلوم ہوا کہ اس کے خاص اہل بیت بھی اس کی بدکرداری وغیرہ کی وجہ سے اسے نا قابل و غیر صالح ہی جانتے تھے۔

یزید کی علمی و عسکری قابلیت

اب رہی ہمارے مخاطب کے امیر المومنین یزید کی علمی و عسکری قابلیت جس کے اثبات میں آنجناب نے یزید کے اشعار اور اس کی تعلیم و تربیت اور ادبی مذاق کا ذکر تین صفحات پر طول دے کر لکھا ہے اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یزید ایسا ہی عالم و فاضل و ادیب شاعر تھا جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں تو اس سے یہ

کہاں لازم آیا کہ وہ باوجود اپنی زشتی اعمال کے مستحق خلافت بھی تھا اور باوجود آمر بالمنکر و ناہی عن المعروف ہونے کے وہ خلیفہ برحق بھی تھا۔ یزید کے علم و فضل کی جو داستان آنجناب نے چند صفحات پر بیان کی ہے آپ کی دانست میں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اپنے زمانے میں یزید ایک عالم یگانہ و متبحر فرزانہ تھا اور امام حسینؑ (معاذ اللہ) باعتبار علم و فضل اس کے مقابلے پر ہیچ بلکہ (خاکم بدہن) عامی محض ہی تھے۔
اگر اجازت ہو تو آپ کے امیر المومنین یزید کے علم و فضل کی ایک روشن مثال ہم بھی پیش کریں جو کتب مشاہیر ثقاۃ میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے تاکہ ناظرین اوراق ہذا پر بھی آپ کے امیر المومنین یزید کے تبحر علمی اور عقائد و اعمال صالحہ کا کچھ تو سکہ جم سکے۔ سند المحدثین در اس المحققین جناب محقق دہلوی مولانا شاہ عبد الحق علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "در بعضے کتب گفتہ اند کہ یزید شقی طمع کرد در عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پس خواندند برو‌ے ایں آیت (وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ..... الخ) و ممنوع شد ازاں (مدارج النبوت صفحہ ۱۲۶) یعنی یزید شقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے نکاح کی خواہش کی اور لوگوں نے قرآن سے آیۂ امتناع پڑھ کر یزید کو منع کیا (ختم)
ہمیں الفاظ نہیں ملتے جن میں ہم ایسے حبر العلام و فاضل قمقام کے علم و فضل کی داد دیں جس نے بایں ہمہ تبحر علمی حضرت ام المومنین و حرم محترم خیر المرسلین سے بر بنائے وساوس شیطانی و غلبۂ نفس و ریعان جوانی نکاح کی خواہش کی۔ کیا انتہا ہے اس علم و فضل و زہد و صلاحیت خلافت کی۔ اہل نظر غور فرمائیں کہ یہ خواستگاری دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا تو طالب نکاح اس

حکم خداوندی ہی سے ناواقف تھا کہ ازواج نبیؐ کا نکاح کسی غیر سے ہمیشہ کے لئے ممنوع ہے۔ اگر بالفرض یہی صورت تھی اور محض لاعلمی کے باعث ہی یہ خواستگاری کی گئی تب تو یہ ماننا پڑیگا کہ یہ لاعلمی ہی علم وفضل کی انتہائی معراج اور معارف قرآنی میں بصیرت تامہ حاصل ہونے کی روشن دلیل ہے۔ اب دوسری صورت بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ حکم امتناعی خداوندی کا علم پہلے سے اس خواستگار کو تھا۔ مگر باوجود اس علم کے یہ خواستگاری کی گئی تو کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلے کے بینوا توجروا۔

معلوم نہیں کہ ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین یزید رض کے اس عمل خیر سے ان کے پدر نامدار نے کیا اثر لیا تھا اور بوقت بیعت ولیعہدی یزید یا اس کے بعد کسی وقت بھی خواستگاری ام المومنین رض کا یہ فعل حسن زیر غور آیا تھا یا نہیں یا ان کے والد بزرگوار کو مثل ان کے دیگر جلائل اعمال کے خاص اس واقعہ خواستگاری کی بھی کانوں کان خبر ہی نہوئی اور وہ لاعلم ہی رہے خیال رہنا چاہیئے کہ ام المومنین عائشہؓ کی وفات بزمانہ حکومت امیر معاویہ ہوئی ہے اور آپ کے قتل کا الزام بعض اکابر نے خود معاویہ ہی پر لگایا ہے جس کی اصلیت یا عدم اصلیت کا علم صرف خدا ہی کو ہے لیکن یہ سوال بہرحال غور طلب ہے کہ خواستگاری ام المومنینؓ کا علم امیر معاویہ کو ہو گیا تھا یا نہیں اگر علم ہو گیا تھا تو اس کا کوئی تدارک بارگاہِ خلافت سے کیا گیا یا نہیں اور اگر اس خواستگاری کا علم ہی نہیں ہوا تو اس بے خبری کی ستائش کی جائے یا کچھ اور۔ تعجب ہے کہ موجودہ نسلوں تک کو تو اس خواستگاری کا علم ہوا اور خود خواستگار کے پدر نامدار اس واقعہ سے محض لاعلم رہیں۔

افسوس افسوس کیسے کیسے علماء متبحرین مدعیان خلافت حقہ پیدا ہوئے۔ اور کیا کیا عمدہ نمائشیں اپنے علم وفضل کی انہوں نے کی ہیں۔ زمین کیوں نہیں شق ہوگئی اور آسمان سے پتھر کیوں نہ برس گئے۔ غضب ہے کہ امیرالمومنین رضؓ تک سے بھی خواہش نکاح میں کوئی پس وپیش ان کو نہوا۔ سچ کہا تھا صحابہ رسول وعامہ مسلمین نے اپنی اپنی عینی شہادتوں کی بنا پر کہ یزید کے حالات ایسے ہیں کہ آسمان سے پتھر برس جائیں تو عجب نہیں ہے، اس واقعہ خواستگاری سے یزید کے علمی تبحر کے ساتھ ہی ساتھ اس کی زشتی عمل بھی ایسی نمایاں ہے کہ کسی مزید شہادت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔

اسی ضمن میں دوسری منقبتِ عظمٰی یزید کی ہمارے مخاطب والا مقام نے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ امیرالمومنین یزید کے میدان جنگ کے کارنامے تاریخ اسلام میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں بالفاظ دیگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیرالمومنین یزید، جامع سیف وقلم تھے"۔ کیا خوب تاریخ اسلام میں اسے اگر ایک جدید باب کا اضافہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ یزید کے عسکری کارناموں میں بس ایک ہی مقام قسطنطنیہ کی ناکام مہم کا ہے جو تاریخ اسلام کے کسی تنگ وتاریک گوشے میں ضرور نظر آجاتا ہے:۔ "جناب مخاطب کے امام المورخین فی الہند علامہ اکبر شاہ خاں اپنی تاریخ اسلام میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "یزید قسطنطنیہ کے حملے اور محاصرے میں ایک حصہ فوج کا سردار تھا (تاریخ اسلام صفحہ ۲۶/۲) بس یہی ایک کارنامہ یزید کا اس ناکام مہم میں ہے ورنہ اور کوئی واقعہ تیغ زنی ومردافگنی وجلادت وشہامت یزید کا خاص اس مہم میں یا کسی دوسری مہم میں تاریخ اسلام میں درج

نہیں ہے اور ایسے اعزازی عہدے افراد خاندان شاہی میں کہاں مخصوص نہیں کئے جاتے ہیں۔ بہادران نبرد کیش و غازیان شہامت اندیش کی مشہور جماعت میں آج تک کبھی یزید کا نام دیکھنے میں نہیں آیا۔ البتہ نااہل بادشاہوں کی فہرست میں جس کی تاریخی شہادت ہماری اس کتاب میں جا بجا ملے گی یزید کا نام سر فہرست نظر آتا ہے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ تمامی مشاہیر مورخین و محدثین مقبولین ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین یزید کے اس قدر خلاف کیوں ہیں اسی قسطنطنیہ کی مہم کے سلسلے میں جزری نے اپنی مشہور تاریخ میں یزید کے متعلق تحریر کیا ہے کہ و لکنہ غزاھا مکرھا۔ پس ایسے اکراہ و اجبار کی حالت میں جو شخص بھی بمصداق "وے بر ندش" شریک جنگ ہوا ہوگا اس کے جنگی کارنامے جیسے کچھ ہوں گے ان کی تشریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہو سکتی۔ جس طرح اعزازی عہدے فوج میں افراد خاندان شاہی کو دیئے جانے کا دستور چلا آتا ہے ایسے ہی کوئی عہدہ یزید کو بھی شاید اس مہم میں دیا گیا ہوگا۔ اسی طرح امیر شعرا کا کلام بھی اکثر خریدا ہوا کلام ثابت ہوتا ہے۔ اس کی شہادت کون پیش کر سکتا ہے کہ درحقیقت کلام ہے کس کا۔ مان لیجئے کہ آپکے امیرالمومنین یزید ایک بلند پایہ شاعر تھے مگر اس سے ان کی مزعومہ و مفروضہ خلافت راشدہ میں کون سے چار چاند لگ جاتے ہیں یا ان کے اعمال سیئہ اعمال حسنہ میں کس طرح مستحیل ہو سکتے ہیں۔

(قسطنطنیہ کی مہم سے منقبت یزید کی بحث دوسرے عنوان کے تحت اسی کتاب میں ملاحظہ ہو)

اب رہے ریحان رسول مقبولؐ فلذہ کبدِ بتولؑ گلگوں قبائے لالہ زار کربلا خامسِ آلِ عبا جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کے جلائل علمیہ و فضائل عسکریہ تو وہ ہر عقیدتمند بصیر کے علاوہ تمام عالم پر بھی اظہر من الشمس و ابین من الامس ہیں۔ اہلسنت کے صحاح و مسانید و معاجم و کتب تواریخ و سیران محامد و مناقب سے مالا مال ہیں۔ ہماری حمیت اسلامی تو ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ یزید کے فرضی و جعلی و ناکارہ محض مناقب کے ذکر میں مقابلہ و موازنہ کرنے کی غرض سے فضائل حسینؑ ذکر بھی کریں۔ ہمارے مخاطب ہمیں معاف ہی رکھیں اپنا اپنا نقطہ نظر ہی تو ہے۔

تو و طوبےٰ و ما و قامت دوست ‌ ‌ ‌ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

جناب مخاطب والامقام نے اپنے امیرالمومنین یزید کے مناقب عالیہ و مآثر متعالیہ کے اثبات میں ابن کثیر دمشقی کی ایک عبارت بھی نقل فرمائی ہے جو یہ ہے وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرای فی الملک و کان ذا جمال حسن المعاشرۃ (یعنی یزید میں عمدہ خصلتیں حلم و کرم و فصاحت و شاعری و بہادری تھیں اور امور سلطنت میں اچھی رائے رکھتا تھا اور حسن معاشرت میں ممتاز تھا (ختم) دمشقی کی عبارت۔ اس مقام تک تو حضرت مخاطب نے بتقاضائے محبت و لغرض اظہار منقبت "امیرالمومنین" یزید بکمال فخر و مسرت نقل فرما دی مگر یکایک اپنے اشہب جہندۂ قلم کی باگ کھینچ لی اور عین مابعد کی متصلہ عبارت کو بالقصد نظرانداز نہیں بلکہ مصلحتاً

قلم انداز کر دیا اس احتمال سے کہ مبادا کہیں گلستان منقبت "امیرالمومنین" یزید میں خارزار منقصت کا سماں پیش ہو جائے۔ آپ کی اس مصلحت اندیشی اور دور بینی کی داد دینے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ بہت خوب کیا جو آپنے اس عبارت کی متصلہ عبارت نقل نہ فرمائی۔ اب اگر اجازت ہو تو اس کمی کو ہم پورا کر دیں۔ اگرچہ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ عبارت جناب کی خاطر عاطر پر گرانی کا باعث ضرور ہوگی۔ ملاحظہ ہو اس عبارت منقولہ کے عین مابعد کی متصلہ عبارت جو یہ ہے:۔ "وکان فیہ ایضا اقبال علی الشہوات وترك بعض الصلوٰۃ فی الاوقات واما تہاونی غالب الاوقات۔ (صفحہ ۳۰۰ ج ۲) یعنی اسی طرح وہ شہوات کی طرف مائل تھا اور اکثر اوقات نماز بھی چھوڑ دیتا تھا (ختم)

اب رہا مخاطب والا مقام کا یہ بیان کہ حسینؓ کا سب سے بڑا حق حصول خلافت کے لئے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ وہ رسول کے نواسے اور علیؓ کے فرزند ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ فضیلت نسب کی حد تک یہ بھی صحیح ہے "واتفاق است علما را کہ آنچہ فضیلت در نسب حسنین راست کسے دیگر رانیست (سعادۃ الکونین) مگر آنجناب کے اس بیان میں یہ اضافہ بھی لازمی ہے کہ قطع نظر ان خداداد نسبی فضائل و مناقب کے حسنینؓ کی ذات میں قدرت نے مکارم اخلاق کی دیگر صفات حسنہ مرضیہ بھی ایسی ہی ودیعت فرمائی تھیں جن کا ذکر ہمیشہ کے لئے ایمان افروز و کفر سوز اور اہل عقیدت کے لئے درس آموز اور سراسر سرمایۂ سعادت ہے۔ تمامی افاضل صحابہ رض حسنینؓ کے ذاتی و صفاتی مناقب اور یزید کے معائب و مثالب سے بخوبی آگاہ تھے جس کی شہادتیں بکثرت آپ کو ہماری اس مختصر کتاب میں بھی جا بجا مل سکتی ہیں۔ غرض ذاتی اور

صفاتی طور پر حسینؑ اپنے جمیع اقران واماثل میں اس وقت فرد فرید و یگانہ وحید تھے۔ مخاطب عالی مقام نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں خلافت کے لئے فلاں ابن فلاں کے اصول پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اگرچہ تفصیلی بحث کا محتاج ہے اور ہمارے ان اوراق میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ بتفصیل اس پر بحث لکھی جائے لیکن اختصار کو خاص طور پر مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ لکھنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ فلاں ابن فلاں سے مطلب اگر لازمی توارث فی الخلافت سے ہے تو بے شک اہل سنت کے نقطۂ نظر سے خلافت راشدہ میں لازمی توارث جائز نہیں ہے بلکہ اجماع و شوریٰ وغیرہ کے تعلق سے مسئلہ خلافت حقہ مشروع ہونا مانا جاتا ہے۔ البتہ یہ ممانعت ہرگز نہیں ہے کہ کسی باپ کے بعد بہر حال و بہر صورت مستحق بیٹا خلیفہ ہو ہی نہیں سکتا اور یہ قیود تو محض خلافت راشدہ و عادلہ کی حد تک ہی بیان کی جاتی ہیں یہاں تو از روئے معاہدہ بھی حسینؑ کو حق حکومت حاصل تھا جس کا ذکر کتاب ہٰذا میں ہی متعدد مقامات پر ملے گا۔ خود جناب سبط اکبر حسن مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خلافت راشدہ حقہ جناب امیر علیہ السلام کی وفات کے بعد اجماع مسلمین سے ایک امر ثابت شدہ اور اہلسنت کے مقبولہ عقائد میں داخل ہے۔ مورخ و مفسر جلیل علامہ سیوطی رح تحریر فرماتے ہیں:۔ "حسن بن علی بن ابی طالب ابو محمد سبط رسول اللہ صلعم نفس یعنی حدیث رسول کے موافق آخری خلیفہ ہیں (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۹) بطور توارث جناب امام کی اس خلافت راشدہ کا انعقاد بعقیدہ اہلسنت نہیں ہوا ہے اس طرح باپ کے بعد مستحق بیٹے کی خلافت حقہ تسلیم ہونے میں اہلسنت کے نقطۂ نظر سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہے البتہ

اگر اعتراض وارد ہوتا ہے تو نااہل اور قطعاً غیر مستحق یزید کی بیعت ولیعہدی پر جس سے رسم توارث لازمی کی بنیاد سراپا فساد ہی قائم ہو گئی۔ دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ امیر معاویہ کو اپنے حین حیات کسی کو از روئے معاہدہ امام حسنؑ ولیعہد مقرر کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "ولیس بمعاویہ بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ عھدا بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین (ازالۃ الغین صفحہ ۲۵۲) علامہ اکبر شاہ خاں صاحب مرحوم و مغفور اپنی مشہور تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "بالآخر اس رسم بد (توارث فی الحکومت) نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک بھی مسلمانوں کو اس سے رستگاری حاصل نہیں ہوئی (تاریخ اسلام صفحہ ۲۵۰) حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے (یزید کی ولیعہدی کی وجہ سے) باپ کی زندگی میں بیٹا ولیعہد ہونے لگا ورنہ قیامت تک مسلمانوں میں شوریٰ قائم رہتا (تاریخ الخلفاء للسیوطی رح صفحہ ۲۲۱)

ملاحظہ فرمایا آنجناب نے معاہدہ کی خلاف ورزی کا مرتکب کون ہوا اور لازمی توارث فی الخلافت کی رسم بد کا آغاز بقول اہل سنت کس کی ولیعہدی سے ہوا۔ کیا اب بھی فلاں ابن فلاں کے اصول کی حقیقت جناب پر واضح نہیں ہوئی۔ یزید کی ولیعہدی بھی عجب یادگار ولیعہدی تھی جس پر آج تک اہل بصیرت اظہار تاسف کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ وہی ولیعہدی تھی جس کی تکمیل کے لئے حکومت وقت نے خون پانی ایک کرکے زمین آسمان ایک کر دیا

تھا۔ جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "معاویہ در مقدمہ استخلاف ونشانیدن یزید بر مسند حکومت واسترضائے اربعہ متناسبہ دقیقہ نامرعی نگذاشتہ وتدبیرے در جہاں باقی نگذاشتہ..... الخ (ازالۃ الغین صفحہ ۳۹۰) یعنی معاویہ نے یزید کو تخت نشین سلطنت کرانے اور اس غرض سے افاضل اصحاب کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دنیا کی ہر قسم کی کوئی تدبیر باقی نہیں چھوڑی (ختم) اور کتب تواریخ وسیر پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ معاویہ کے بعد حکومت جناب امام حسنؑ کو از روئے معاہدہ واز روئے استحقاق ذاتی واپس ملنی برحق اور لازمی تھی۔ علامہ سیوطی رح اپنی مشہور ومقبول تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "آپ نے (حسنؑ نے) ان شرائط کے ساتھ خلافت معاویہ کے سپرد کی تھی کہ تمہارے بعد یہ مجھے پہنچے گی الخ (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۰۴) دیگر صدہا کتب ثقاۃ میں یہ روایت بتواتر نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ دوسری روایت شوریٰ بین المسلمین کی بھی نقل ہوئی ہے۔ ان دونوں روایات میں سے کسی ایک پر بھی یزید کی ولیعہدی اور بعد میں حکومت یزید کی بیعت برحق ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ یہ حکومت سراسر جبری اور غصبی ہی ثابت ہوتی ہے اور یہی مقبولہ ومسلمہ عقیدہ اہلسنت کا یزید کی ولیعہدی اور بیعت حکومت کی حد تک ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امیر معاویہ اور ان کے فرزند دلبند سعادت مند اور ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین یزید کی خلافتیں بلا اختلاف اہلسنت کی جماعت میں ملک عضوض کے لقب سے ملقب ہیں اور یہ خلفا سلاطین جائرین کہے جاتے ہیں جس کی صراحت کتب حدیث وتواریخ وفقہ ہدایہ وغیرہ میں جابجا دیکھی جا سکتی ہے۔

التساق بیعت حکومت یزید

قال المخاطب:۔ امیرالمومنین یزید رض کی بیعت خلافت بھی اسی طرح ہوئی جس طرح دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ہوئی تھی بلکہ ان کی بیعت خلافت کے وقت جس قدر وفود ممالک اسلامیہ سے بغرض بیعت آئے تھے اتنے کسی خلیفہ کے بھی نہیں آئے اور یہ بالکل غلط ہے کہ امیرالمومنین یزید کی بیعت غلامی کی بیعت ہوتی تھی، اس بیعت غلامی کی کیا شہادت ہے۔

الجواب:۔ یزید کی خلافت کی بیعت ہرگز اس طرح نہیں ہوئی جس طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ہوئی تھی۔ بیعت ولی عہدی کی تمہید کے وقت ہی سے طرح طرح کے دسائس کام میں لائے گئے۔ خزانہ حکومت سے رقوم گراں بہا بے دریغ رشوتوں میں دی گئیں، الغرض ہر ناجائز طریقہ، ان بیعتوں کے حصول میں از قسم زور وزر وغیرہ کام میں لایا گیا اور شرائط معاہدۂ تفویض حکومت کو پس پشت ڈال کر اور حکومت کو مغصوبہ بنا کر ہی یہ بیعت جبراً و قہراً و دراہماً و دیناراً لی گئی تھی۔ جائے غور ہے کہ امیر معاویہ سریر آرائے سلطنت جائزہ ہیں۔ ہر قسم کا مشاغبہ ولی عہدی یزید کے لئے اپنی قلمرو میں بذات خود کر رہے ہیں۔ ہر قسم کے دباؤ اور ترغیب و تحریص کو کام میں لایا جا رہا ہے۔ خاص اسی غرض سے طویل سفر کئے جا رہے ہیں کہ امیر معاویہ اپنے لخت جگر و نور بصر کو آئندہ کے لئے مالک تخت و تاراج قرار دیں امام حسن کا وجود البتہ از روئے معاہدہ ایک مانع قوی ہو سکتا تھا۔ یہ مشکل پہلے ہی حل ہو چکی تھی یا حل کر لی گئی تھی

ان تمام حالات میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شہنشاہ وقت کے مقابل ہو کر مخالفت میں کوئی عملی اقدام کرنا تو ایک طرف محض لب کشائی کی جرأت بھی بجز خاصان خدا کے اور کس میں ہو سکتی تھی وَھم الذین لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون جتنے عمال تھے وہ گویا شہنشاہ وقت کے غلام ہی تھے۔ ان میں سے کس کی مجال تھی کہ سلطان جائر و جابر کے چشم وابرو کے اشارے اور مانی الضمیر کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکال سکتا۔ اگر کوئی حاکم وقت دل و جان سے خلاف بھی ہوتا تو لساناً سمعناً واطعنا کہنے اور سلطان جائر کے احکام نادری کی تعمیل کے لئے یقیناً مجبور تھا۔ پس جو نمائشی وفود کی بیعت کی اس وقت کی گئی یا کرائی گئی۔ اور جو اس وقت بھی بصد فخر و افتخار بیان کی جا رہی ہے۔ ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اس وقت کے بعض مخصوص حالات کا جو شرعاً کسی طرح قابل حجت نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں یہ نتیجہ نکالنا کہ ولی عہدی پر اجماع ہو گیا۔ درحقیقت "شرعی اور حقیقی اجماع" کی ایک توہین ہے۔ یاد رکھئے کہ بقول حضرت خاتم المحدثین و مفتی اعظم شرع متین علیہ الرحمہ "کوئی اجماع جو کتاب و سنت کے خلاف ہو قطعاً باطل ہے (فتاوی عزیزی صفحہ ١)

البتہ اس وقت یہ سوال ضرور قابل جواب ہے کہ یزید کی بیعت کو بیعت غلامی کس سند کی بنا پر کہا جا سکتا ہے اور جو کچھ سابق میں ہم نے اجمالاً بلکہ اشارتاً ہی لکھا تھا اس کی توضیح ہم شواہد منقولہ سے یہاں کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ کی یہ عبارت "ولم یرض امیر ذلک الجیش الا بان یبایعوہ لیزید علی انھم خول لہ ان شاء

باع وان شاء اعتق فمن کرلہ بعضہم البیعۃ علےٰ کتاب اللّٰہ ورسولہ فضرب عنقہ (صفحہ ۱۳۲) یعنی اس لشکر کا امیر اس شرط پر راضی نہیں ہوا سوائے اس شرط کے کہ یزید کی بیعت اسی شرط سے مشروط ہو کہ بیعت کرنے والے کو یزید اگر چاہے تو بیچ ڈالے یا آزاد کرے۔ اور جب کسی شخص نے کتاب اللّٰہ اور سنت رسول اللّٰہ پر بیعت کرنے کو کہا تو اسی کی گردن ماردی۔ (ختم)

کیوں جناب کیا خلفائے راشدین کی بیعت خلافت حقہ بھی اسی طرح حاصل کی گئی تھی اس سے زیادہ اور کون سی بیعت غلامی کی کہی جاسکتی ہے۔ ابھی اور ملاحظہ فرمائیے۔ "یزید کی بیعت میں یہ اقرار کرنا پڑتا تھا کہ بیعت کرنے والا یزید کا غلام بن کر رہے گا اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم کتاب اللّٰہ اور سنت رسولؐ پر بیعت کرتے ہیں وہ قتل کر دئے جاتے تھے۔" (طبری۔ کامل ابن اثیر ینابیع المودۃ وغیرہ) ابھی اور ملاحظہ فرمائیے۔ جناب علامہ محقق دہلوی علیہ الرحمہ جذب القلوب الی دیار المحبوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "و مردم را بہ بیعت یزید پلید بر عہد عبودیت مجبور ساختند کہ اگر یزید خواہد بفروشد و اگر خواہد آزاد کند و خواہ بطاعت خدا خواندہ خواہ بمعصیت خدا" (انتہی)

یعنی مخلوق خدا کو یزید پلید کی غلامی پر مجبور کیا گیا کہ اگر یزید چاہے تو انکو فروخت کر دے اور چاہے ان کو آزاد رکھے اور اگر چاہے تو ان سے خدا کی اطاعت کرائے اور چاہے تو خدا کی نافرمانی کا حکم دے (ختم) اور بھی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے مشہور مورخ ابوالفدا کا بیان یہ ہے:۔ ثم ان مسلما بایع من بقی من الناس علی انھم خول وعبید لیزید بن معاویہ (انتہی)

یعنی مدینہ منورہ میں جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے۔ انہوں نے مسرف کے ہاتھ پر (بمجبوری) یزید کی غلامی کی بیعت کر لی (ختم) ابھی اور ملاحظہ فرمائیے:۔۔۔

"وبایعوا الناس علیٰ انہم عبید لیزید ومن ابی ذلک امرہ مسرف علی السیف (مروج الذہب للمسعودی بر صفحہ ۵۰ جلد ۶ حاشیہ کامل ۶۱
ابن اثیر) یعنی لوگوں نے اس شرط پر یزید کی بیعت کی کہ ہم یزید کے غلام ہیں اور جس کسی نے انکار کیا اسے امیر لشکر یزید مسرف نے تلوار کے حوالے کر دیا۔

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "وبایعہ اھلہا علیٰ انہم عبید لیزید الخ" یعنی مسرف نے یزید کی غلامی کی بیعت لی (مروج الذہب للمسعودی ج ۶ صفحہ ۱۴۹)

الغرض تاریخ وسیر وغیرہ کی صدہا مشہور کتب میں یزید کی اس غلامانہ بیعت کا ذکر ملتا ہے۔ خود جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کی ناقابل تردید گواہی بھی اس بیان کے اثبات میں موجود ہے۔ جناب امام ہمام علیہ السلام میدان کربلا میں قیس ابن اشعث سے کلام فرماتے ہیں:۔ (فقال لہ الحسین اخو اخیک اترید ان یطلبک بنو ہاشم باکثر دم مسلم بن عقیل لا واللہ لا اعطیہم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر اقرار العبید (طبری صفحہ ۲۴۳ ج ۶ وکامل صفحہ ۲۶/۴)
اس بیان میں اس بیعت غلامی یزید سے انکار بصراحت موجود ہے۔

ہم نے یہاں صرف چند ہی شہادتیں نقل کر دی ہیں ورنہ یزید کی اس بیعت غلامی کا ذکر بکثرت کتب ثقات میں بتواتر درج ہوتا چلا آرہا ہے۔ جناب

والا تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب نتائج ہیں دنیا طلبی اور مستحقین کے حقوق جائز غصب کر لینے کے۔ یہ ایسا شرمناک باب تاریخ اسلام کا ہے کہ درحقیقت ان کی موجودگی میں دوسری قوموں کے سامنے شرمندگی کے باعث ہمیں سر اٹھانے کی بھی مجال نہیں ہے۔ کیا جسارت ہے کہ اس بیعتِ غلامی کا پیوند خلافتِ راشدہ کی بیعتِ حقہ سے لگا دینے میں بھی ان یارانِ طریقت کو کوئی باک نہیں ہوتا۔ خلافتِ راشدہ حقہ پر حرف آ جائے تو مضائقہ نہیں مگر ان کے "امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین حضرت یزید رضؓ" کی مزعومہ خلافت راشدہ پر کوئی حرف ہرگز وزنہار نہ آنے پائے۔ حضرت مخاطب عالی مقام کو ان فرماں روایان ملکِ عضوض کی خلافت راشدہ سے اس قدر عقیدت ہے کہ حذف و اسقاط عبارات مستدلہ کو بھی آپ نے عین صواب بلکہ عین ثواب سمجھ رکھا ہے اور بلا دریغ عبارت کی قطع و برید فرما کر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ یزید کی بیعت کے الساق کے سلسلے میں آپ نے مورخ دمشقی یعنی ابن کثیر کی تاریخ سے ایک عبارت نقل فرمائی ہے۔ جو یہ ہے فانسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الیٰ یزید (البدایہ والنہایہ)

اس عبارت کے مطلب کی توضیح کرتے ہوئے حضرت مخاطب بیان فرماتے ہیں کہ تمام عالم اسلام میں بلا کسی اختلاف کے مسلمانوں نے الطیب طاہر یزید کی بیعت کر لی اور ہر جگہ سے وفود بیعت کی غرض سے آئے (ختم) پہلی نظر ہی میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ عبارت اپنی سابق عبارت سے مربوط ہے اور تعقیب و تفریع کے لئے ف کلام کے آغاز ہی میں موجود ہے۔ مگر حضرت

مخاطب عالی مقام نے اپنے امیر المومنین یزید کی محبت سے مغلوب ہو کر اس کلام مربوط کو منقطع کر کے نقل فرما دیا۔ اب جو دیکھا گیا تو عبارت ماسبق سے حضرت مخاطب کے بیان کردہ "طیب خاطر" کی قطعی طور پر تردید و تکذیب ہو گئی۔ یہ کل کلام مربوط اصل میں یوں ہے۔ "ثمّ خطب معاویہ وھٰؤلاء حضور تحت منبرہ وبایع الناس لیزید وھم قعود ولم یوافقوا ولم یظھروا خلافاً لما تھددھم وتوعدھم فاتسقت البیعۃ لیزید فی الخ (صفحہ ۲۵) یعنی پھر معاویہ نے خطبہ دیا اور یہ لوگ (صحابہ کرام) وہاں بیٹھے تھے انہوں نے نہ تو بعیت سے موافقت ہی کی اور نہ اختلاف ہی کیا کیوں کہ ان کو ڈرا دھمکا دیا گیا تھا پس یزید کی بعیت ہو گئی۔ .... الخ (ختم)

دیکھا جناب والا آپ نے۔ یہ تھا عبارت کا وہ مربوط حصہ جسے آنجناب نے منقبت خلیفہ راشد (؟) حضرت امیر المومنین یزید رض کی خلافت راشدہ کی حفاظت و صیانت کے مقصد عزیز و دحید کے خیال سے نقل کرنا مناسب نہ خیال فرمایا تھا مگر اب تو وہ حصہ کلام یہاں نقل ہو کر ہی رہا جس طرح آپ کے محبوب و مرغوب مورخ دمشقی نے اتساق بعیت یزید کی کارروائی اور آپکے مبینہ طیب خاطر کو طشت از بام کیا ہے اس کی داد کن الفاظ میں دی جائے۔ صحابہ کرام کی جماعت اس محفل بعیت میں خوف زدہ بلکہ لرزاں و ترساں بیٹھی ہوئی ہے۔ سلطان جائز و جابر کا حکم نادری بعیت یزید کے لئے نافذ کرایا جا رہا ہے۔ صحابۂ کرام مارے خوف کے ہاں یا نہ کچھ نہیں کہتے ہیں۔ مگر اتساق

بیعت یزید تو ہو کر ہی رہا۔ مبارک باشد د باشد مبارک۔ کیا کہنے ہیں اس بیعت بطیب خاطر کے اور کیا تعریف کی جائے، اس خلافتِ راشدہ کی جس کے لئے یہ بیعت بطیب خاطر حاضرین محفل سے لی جا رہی تھی اگر اسی حالت کو طیب خاطر کہا جاتا ہے تو معلوم نہیں کہ جبر کا تصور بھی دنیا میں باقی رہ سکے گا یا نہیں۔

قال المخاطب:- (خلاصۂ کلام طویل) (۱) اس امر کی کیا شہادت ہے کہ امیر المومنین یزید رحؒ نے حضرت حسین رضؓ کو قتل ہی کرنے کا حکم دیا تھا یا ان کے قتل سے رضامند ہو کر اظہار مسرت کیا تھا بخلاف اس کے شہادت موجود ہے کہ امیر المومنین نے نہ صرف اظہار تاسف ہی کیا بلکہ گریہ بھی کیا (۲) معمولی معمولی واقعات قتل میں بھی قاتل کا پتہ چلنا دشوار ہوتا ہے اور قتل حسینؑ کے واقعہ کو تو اب قریب ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ گذرتا ہے۔ صحیح واقعات کا تعین کیوں کر ممکن ہے (۳) واقعات کربلا کے متعلق متعدد متضاد روایات بکثرت منقول ہیں، ان کی موجودگی میں ہم کس طرح اصل حقیقت کا تعین کر سکتے ہیں (۴) روایات میں راویوں نے تعصب کو بہت دخل دیا ہے پس مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ تا بحد امکان قرآن وسنت کی روشنی میں حسن ظن کا طریقہ مرعی رکھا جائے۔ الغرض جہاں تک بھی حسن ظن کا کوئی قرینہ جائز سمجھا جا سکے بہتر ہی ہے الخ

الجواب:- جناب دریافت فرماتے ہیں کہ اس کی کیا شہادت ہے کہ یزید نے امام حسین ع کو قتل ہی کرنے کا حکم دیا تھا۔ بتعمیل ارشاد عالی یہاں چند شواہد نقل کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:- سب سے پہلی شہادت حضرت عبداللہ بن عباس کی ہے جو اپنے مکتوب موسومہ یزید میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقد

قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب مصابیح الهدی ...... الخ
یعنی تو نے (یزید نے) حسینؓ اور جوانان عبد المطلب کو قتل کردیا جو چراغ ہدایت تھے
(کامل ابن اثیر وغیرہ) دوسری شہادت خود یزید کے فرزند سعادتمند (معاویہ
بن یزید بن معاویہ) کی ہے جو اپنے خطبے میں بیان کرتا ہے:۔...... وقد
قتل رسول اللہ واباح الخمر.... الخ اس بیان سے یزید کا قاتل حسینؓ
ہونا قطعاً ثابت ہے (صواعق محرقہ وتاریخ کامل وغیرہ) تیسری شہادت ملاحظہ
ہو:۔...... وما ظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول اللہ
وانصاره (مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۴۲) یعنی جب حسینؓ اور ان کے انصار کے
قتل کردینے سے یزید کا فسق ظاہر ہو گیا الخ چوتھی شہادت. علامہ سعد الملت والدین
تفتازانی علیہ الرحمہ کی ملاحظہ ہو جو فرماتے ہیں "انہ کفر لما امر بقتل الحسین
(شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۲۷) یعنی یزید تو قتل حسینؓ کا حکم دیتے ہی کافر ہو گیا۔
پانچویں شہادت محدث جلیل وعالم نبیل شیخ الاسلام حضرت سلیمان حنفی
القندوزی علیہ الرحمہ کی ہے جو تحریر فرماتے ہیں "وامرهم بقتل الحسین
فی کل حال" (صفحہ ۲۸۰ ینابیع المودۃ) یعنی ان لوگوں کو قتل حسینؓ کا حکم دیا
تھا خواہ حسین کسی حال میں ہوں مطلب یہ کہ خواہ مناسک حج ادا کرنے میں ہی
کیوں نہ مصروف ہوں ان کو ضرور قتل کردو۔ چھٹی شہادت ملاحظہ ہو:۔ امّا
قتلی الحسین فانه خرج علی امام وامة مجتمعة وکتب علیّ الامام
بامرنی بقتله (اخبار طوال صفحہ ۲۷۹) یعنی میں نے امام حسین کو قتل اس
وجہ سے کیا کہ باوجود اجماع امت کے حسینؓ نے خلیفہ (یزید) کے خلاف خروج

کیا اور یزید نے مجھے (ابن زیاد کو) حسینؓ کے قتل کا تحریری حکم لکھ دیا تھا۔ ساتویں شہادت علامہ قسطلانی کی ہے ملاحظہ ہو شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۸ جس میں درج ہے کہ یزید امام حسینؓ کے قتل سے راضی اور بہت خوش تھا اور متواتر ثابت ہے کہ یزید نے اہلبیت رسول کی اہانت کی آٹھویں شہادت علامہ سیوطی رح کی ہے جو اپنی مشہور و مقبول تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:- یزید نے والی عراق ابن زیاد کو امام حسینؓ سے قتال کرنے کا تحریری حکم بھیجدیا۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۲۲) قتال کا مقصد اولین ہی قتل کرنا ہوتا ہے نویں شہادت علامہ ابن اثیر الجزری رح زیاد کا یہ بیان تحریر فرماتے ہیں اما قتلی الحسین فانه اشار الی یزید بقتله او قتلی فاخترت قتله (تاریخ کامل صفحہ ۵۵/۴) یعنی ابن زیاد کا بیان ہے کہ امام حسین کو میں نے اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دوں ورنہ مجھے (ابن زیاد) کو وہ (یزید) قتل کر دیگا لہذا میں نے حسینؓ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ دسویں شہادت ملاحظہ ہو:- جب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ یزید نے ابن رسول اللہ کو قتل کر دیا تو اس کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا (مروج الذہب للمسعودی برحاشیہ کامل صفحہ ۱۴۸/۹) و تلک عشرۃ کاملۃ

الغرض ایسی شہادتیں جمع کرنے کا اگر کوئی خاص اہتمام کیا جائے تو صدہا کتب ثقاۃ سے بے شمار شہادتیں ہر عہد کے مصنفین کی جمع ہو سکتی ہیں مثلاً مورخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ امام حسین کو بلا اجتہاد یزید اور اس کے ساتھیوں نے قتل کر دیا۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۶/۲) ایک ٹھوس نتیجہ ہمارے سامنے ہے اور وہ یہ کہ میدان کربلا میں حسینؓ کو مع اعوان و انصار یزید کی فوج

نے قتل کر دیا۔ یہ باور کر لینا سراسر جائز بلکہ لازمی ہے کہ فوج نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں ہی ایسا کیا تھا۔ ہمارے مخاطب نے بھی اس مقالے میں ایک مقام پر تسلیم کیا ہے کہ ماتحت افسروں کا کام بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ ابن سعد یا ابن زیاد کو کوئی ذاتی پرخاش حسینؓ کی ذات سے بظاہر اس وقت ہرگز نہ تھی اور جو کچھ بھی کیا جا رہا تھا بامتثال امر سلطانی ہی تھا۔ علامہ عمادالدین ابن کثیر دمشقی جن کی توثیق اپنے عمل سے ہمارے مخاطب عالی مقام نے اپنے ان مقالات میں جا بجا کی ہے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :- وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علیٰ یدی عبید اللہ ابن زیاد (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۲ ج ۸)

یعنی یہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ اس نے (یزید نے) حسینؓ اور اُن کے اصحاب کو عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کرا دیا (ختم)

اب ہم یہ بیان کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ یزید کے حکم کی بنا پر ہی اس کی فوج نے امام حسینؓ اور ان کے رفقاء علیہم الرحمہ کو قتل کیا۔ اگر کوئی شخص یہ بیان کرتا ہے کہ یزید کی منشا اور حکم کے خلاف افسران لشکر نے حسینؓ کو قتل کر دیا تو اس کا بار ثبوت بھی اسی پر ہو گا اور اگر بفرض غلط یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یزید کی منشا کے خلاف اس کے لشکر نے حسینؓ کو قتل کر دیا تب بھی یزید اس قتل ناروا کے مواخذہ سے کس طرح بری کیا جا سکتا ہے اگر یزید کے حکم کے خلاف ہی حسینؓ کو قتل کیا گیا تھا تو لازم تھا کہ قاتلین کو سزائے شرعی دی جاتی مگر ایسا بھی نہیں کیا گیا بلکہ بجائے ایسا کوئی محاسبہ ہونے کے ان کی عزت افزائی کی گئی جس کی شہادت ہم اسی کتاب میں پیش کریں گے۔ الغرض بہرصورت و بہرحال قتل حسینؓ کی ذمہ داری سے یزید

کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ سچ کہا ہے جس کسی نے بھی کہا ہے:۔

بد کردن شمر ہم ز بد کردن اوست
خون شہدا تمام برگردن اوست

کیا روایات مختلفہ ناقابل اعتبار ہیں

اب ہم اس مقالے کے دوسرے بیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ڈیڑھ ہزار سال کے واقعات دیرینہ کی مبینہ تفصیلات پر متعدد اور متضاد روایات کی موجودگی میں کیسے اعتماد کر لیا جائے خصوصاً جب کہ راویوں نے تعصب کو بھی دخل دیا ہو۔ جواباً نگارش ہے کہ ان دیرینہ واقعات مبینہ کی تحقیقات و مطالعے کے ذرائع و وسائل بھی وہی ہیں جو عہد نبوت و خلافت راشدہ کے دیرینہ واقعات و حالات وغیرہ کے لئے صفحہ ہستی پر موجود ہیں، ان سب دیرینہ واقعات کی تحقیقات کے لئے ہماری کتب حدیث و تواریخ و سیر و مغازی موجود ہیں، ان میں سب قسم کی روایات صحیح و ضعیف موجود ہیں۔ رواۃ بھی معتبر اور غیر معتبر متعصب اور غیر متعصب ہر قسم کے پائے جاتے ہیں مگر باوجود ان تمام امور کے تحقیقات و استقراء کا سلسلہ الآن کما کان جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کوئی خصوصیت اس میں حادثہ کربلا ہی کی نہیں ہے اہل بصیرت انہیں متعدد اور متضاد روایات میں سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور روایت و درایت کی تطبیق و تحقیق کے ساتھ تنقیح اخبار و آثار کا کام ناقدین رجال کرتے ہی رہتے ہیں، ان رہ روانِ جادۂ تطبیق روایت و درایت و عقل و نقل کی امداد اگر شامل حال نہ ہوتی تو ہم اپنے قرونِ ماضیہ کے اخبار و آثار کا کثیر حصہ اب تک تلف کر چکے ہوتے۔ کیا سیرت نبوی کی کتب میں متعدد اور متضاد روایات ڈیڑھ ہزار سال کی موجود نہیں ہیں،

ان میں بھی صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں کسی میلاد نامہ نبوی کو ملاحظہ فرمایئے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ صحیح وسقیم کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔ کتب احادیث میں بھی یہی صورت ہے اور ہر کتاب ایک ہی معیار پر صحیح تسلیم نہیں کی جاتی۔ یہی صورت اور بالکل یہی صورت کتب حادثہ کربلا اور اس کے متعلقات کی بھی ہے۔ یہ کسی نے بھی ایک بیان نہیں کیا کہ کربلا کے جس قدر واقعات مختلف کتب میں درج ہیں وہ از سرتاپا صحت کے معیار اعلیٰ پر ہی ہیں۔ یا تمام کتب باعتبار صحت و درایت مساوی درجے کی ہیں، رطب و یابس غرض ہر قسم کی روایات حدیث و تواریخ وسیر کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ بازار میں ایک ہی کتب فروش کی دوکان میں آپ کو ایک معمولی درجے کی کتاب شہادت نامہ حسینؓ بھی مل سکے گی اور اسی دکان میں اسی موضوع پر کتاب مستطاب سرالشہادتین بھی ملے گی مگر ان دونوں کو مساوی درجے میں ہرگز نہیں رکھا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ سرالشہادتین ایک فاضل جلیل اور محقق بے عدیل خاتم المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے صحیح کو سقیم سے جدا کر لینے کے بعد ہی مرتب فرمائی ہے اور اسی لئے وہ صحت کے اعلےٰ معیار پر قبول کی جاتی ہے تمام عالم اسلام نے جناب خاتم المحدثینؒ کی اس کتاب کی بالاتفاق تعریف کی ہے۔ مثلاً علامۂ زماں جناب نواب صدیق حسن خاں طاب ثراہ (بھوپال) رئیس جماعت اہلحدیث و مصنف شہیر ایک مقام پر سرالشہادتین کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔ گویم اصح التوالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ است الخ (گلزار ابراہیمی صفحہ ۳۰۳)

اور ایسی ہی بلند پایہ مستند کتابوں کی رہنمائی اور بصیرت افروزی سے ہم ایک رائے قائم کرسکتے ہیں کہ حسن ظن کی چادر میں پاؤں پھیلانے کی کہاں تک گنجائش افراد مخصوص کی حد تک نکل سکتی ہے۔ بے شک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہوسکے تا بحد جواز حسن ظن ہی سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن جب چادر سے پاؤں باہر نکلنے لگیں وہاں مجبوری ہے۔

قتل حسینؑ پر گریۂ یزید

مخاطب عالی مقام نے یہ بھی اسی ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ "یزید نے قتل حسینؑ پر اظہار مسرت نہیں کیا بلکہ اظہار تاسف وگریہ کیا تھا۔" جواباً عرض ہے کہ جب امام حسینؑ یزید اور اس کے اعوان وانصار کے نزدیک باغی تھے۔ (نعوذ باللہ) تو آخر اس اظہار تاسف وگریہ کا محل ہی کیا ہوسکتا تھا۔ ان حالات میں تو یہ گریہ وضع الشئ فی غیر محلہ کا مصداق ہی قرار پائے گا۔ یزید کا اظہار تاسف اور گریہ کرنا اب تک بھی حامیان یزید بمصداق عذر گناہ بدتر از گناہ پیش کرتے ہیں۔ قتل کر دینے کے بعد توبہ' اور یہ 'زود پشیمانی' اللہ اللہ یہ بھی کیا زود پشیمانی تھی کہ اب تک یزید کے اس صریح ظلم وستم کے لئے ڈھال کا کام دیتی چلی آرہی ہے۔ اب ہم اس 'زود پشیمانی' کا حال چند مقالات کتب ثقات سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

واقعہ کربلا کے بعد ہی حسین مظلوم ومقتول کا گلو بریدہ سر مقدس نیزوں پر بلند کیا گیا۔ کربلا سے ابن زیاد کے دربار میں کوفہ اور کوفہ سے یزید کے دربار میں دمشق اسی طرح نیزے پر بلند ہو کر لایا گیا۔ کیسے رحم دل

(۹) تھے وہ لوگ جنھوں نے قتل کر دینے کے بعد سر بے جان مقدس حسین

علیہ السلام کی اسی طرح تشہیر کرنے میں ادنیٰ تامل تک بھی نہیں کیا۔ اور کوچہ و بازار و صحرا و کہسار میں اس سر مقدس بے جان کی حتی المقدور تذلیل و تحقیر کی گئی۔ آخر فرزند رسول کے سر بے جان کی اس طرح تذلیل و توہین سے ان رحمدل مومنین صالحین (؟) کا مقصد خاص کیا تھا۔ کون سے قانون اخلاق میں اپنے مخالف کے جسم بے جان سے انتقام بشکل تشہیر و تذلیل لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ خدارا ہمیں کوئی بتائے کہ یزید نے کون سے قانون اخلاق کی کس دفعہ پر عمل کرتے ہوئے اس عمل تشہیر و تذلیل کا جواز تسلیم فرمایا تھا۔ مانا کہ حسینؑ کی حیثیت مخالفانہ تھی لیکن نیزے پر اپنے مخالف کا سر بے جان بلند کر کے دیار و امصار کے کوچہ و بازار میں اس طرح تشہیر و توہین و تحقیر کرنی تو کسی عسکری قانون اخلاق میں بھی جائز نہیں ہے۔ کیا حسینؑ کے قتل پر اظہار تاسف (بقول مخاطب) کرنے کی ایک یہی صورت رہ گئی تھی کہ اس سر اقدس کی عزت افزائی نیزے کی نوک پر بلند کر کے اور کوچہ و بازار میں تشہیر کر کے کی جائے کیا ایسے کردار وحشیانہ اور فعل بہیمانہ کی اجازت اسلام نے کسی جگہ بھی دی ہے مگر حامیان یزید اب تک بھی مدعی ہیں کہ امیر المومنین یزید حسینؑ کی فضیلت نسب پر نظر کرتے ہوئے ان کے قتل پر بے حد متاسف بلکہ گریہ کناں تھے۔ سبحان اللہ کیا اعتراف ہے اہلبیت رسولؐ سے عقیدت و الفت کا اور کیسی پاکیزہ نمائش ہے مودۃ ذوی القربیٰ کی کہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک حسینؑ کے سر بریدہ کی نمائش نوک سناں کی رفعت پر کی گئی۔ کیوں جناب اس عزت افزائی پر کیا روح مطہرہ رسول مقبول مسرور نہ ہوئی ہوگی کہ میرے

جانشین وخلیفہ راشد برحق امیرالمومنین یزید (؟) نے میرے فرزند دلبند حسینؑ کی عزت افزائی کا یہ اہتمام خاص کیا۔ افسوس صد افسوس فصدق القائل حیث قال۔

سنگین دلاں کہ سبط نبی را کبیں کشند | دعویٰ دیں کنند و خداوند دیں کشند

قرآں کنند حفظ و بہ ظہ کشند تیغ
یسیں کنند حرز و امام مبیں کشند

محقق ومفسر و مورخ مقبول ومشہور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :- لما قتل الحسین بتوابیہ بعث ابن زیاد برؤسھم الی یزید فسر بقتلھم اولاً ثم ندم لما مقتہ المسلمون علی ذلک وابغضہ الناس وحق لھم ان یبغضوہ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳) یعنی جب حسینؑ اور ان کے برادران قتل کر دئیے گئے۔ تو ابن زیاد نے ان کے سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ اول اول تو یزید ان لوگوں کے قتل پر خوش ہوا مگر جب مسلمان اس سے بغض رکھنے لگے تو بعد میں وہ نادم ہوا اور حق یہ ہے کہ مسلمان یزید سے بغض رکھنے میں حق بجانب تھے (ختم) یہی مورخ جلیل تحریر کرتے ہیں :- ثعالبی عبدالملک بن عمر اللیثی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دارالامارہ کوفہ میں امام حسینؑ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے رکھا ہوا دیکھا (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۲۳) اسی عبارت سے چند سطر اوپر تحریر فرماتے ہیں :- آپ کا سر ایک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا (ختم) علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ کامل میں لکھا

ہے کہ جب سر حسینؑ یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے ابن زیاد کا رتبہ بڑھا دیا اور
اسے انعام دیا اور اس کارگذاری سے بہت خوش ہوا۔ اسی طرح یزید کے
خوش ہونے اور دنیا سازی کرنے کی روایات اسعاف الراغبین وصواعق محرقہ
اور دیگر کتب معتبرہ میں درج ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ قال سبط
ابن الجوزی وغیرہ المشہور انہ لما جئی راس الحسین .....
صریح الکفر۔ یعنی سبط ابن جوزی وغیرہ نے کہا ہے کہ جب حسینؑ کا سر یزید کے
پاس لایا گیا تو اس نے اہل شام کو جمع کیا اور حسینؑ کے سر بے جان پر بیمار
کر ابن زبعری کے وہ مشہور اشعار پڑھے جن کے شروع میں لیت
اشیاخ ببدر شہدوا ہے اور یزید نے ان میں دو شعروں کا اضافہ
بھی کیا جن میں صریح کفر موجود ہے (صفحہ ۱۳۱) کچھ ملاحظہ فرمایا آنجناب نے یہ
تو عجب قسم کا تاسف وگریہ ہے جس میں آپ کے امیر المومنین یزید کا دین و ایمان
بھی بقول علامہ ابن حجر مکی رخصت ہوا۔

اور بھی ملاحظہ فرمائیے:۔ محدث عظیم وجلیل شیخ الاسلام حضرت علامہ
قندوزی حنفی رح تحریر فرماتے ہیں:۔ قال ابن الجوزی فیما حکاہ
عنہ سبطہ لیس العجب من القتال ابن زیاد........
الی آل الرسول (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۷۰) یعنی علامہ ابن الجوزی نے
اپنے نواسے کی روایت سے بیان کی ہے کہ ابن زیاد کا امام حسینؑ سے قتال کرنا
تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تعجب تو یزید کے خذلان پر ہے کہ اس نے امام

حسینؓ کے دندانہائے مبارک پر چھڑی سے ضرب لگائی اور اسیران آلِ رسولؐ کو اونٹوں پر سوار کرایا اور ایسی ہی بکثرت قبیح حرکات کیں جو مشہور ہیں اور اس سے یزید کا مقصد سوائے آلِ رسولؐ کی فضیحت کے اور کچھ نہ تھا۔ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کے کینے اور بدر کی عداوتیں نہ ہوتیں تو وہ سر حسینؓ کا ضرور ضرور احترام کرتا اور آل رسول سے نیک سلوک کرتا (ختم)

یہ بھی ملاحظہ فرمائیے :- "جب اسیران اہلبیت دمشق کے قریب پہنچے اور جیرون کی بلندی پر آئے تو بلندی پر شہدا کے سر دیکھ کر کوے شور مچانے لگے اس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جن کے آخر مصرع کا مطلب یہ ہے۔ میں نے رسولؐ سے اپنے قرضے چکالئے۔ مطلب یہ کہ بدر وغیرہ میں میرے جو بزرگ بحکم رسول دوران جنگ قتل کردیئے گئے تھے ان کا انتقام میں نے لے لیا (تفسیر روح المعانی عربی صفحہ ۱۲۶/۲)

ایک اور بھی ملاحظہ ہو :- علامہ سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ کیا رسول اللہ کا اتنا بھی حق نہ تھا کہ جب عبید اللہ بن زیاد نے دندان مبارک حسینؓ پر بید کی ضرب لگائی تو انس بن مالک اس فعل کی مذمت بھی کرتے (عینی شرح بخاری صفحہ ۶۵۶/۷)

ابھی ایک منظر دربار ابن زیاد کا اور بھی ملاحظہ ہو :- فاذا راس الحسین موضوع بین یدیہ واذا ھو ینکت بقضیب بین ثنیتہ ساعۃ فلما راٰہ زید بن ارقم لا ینجم عن نکتہ بالقضیب قال لہ اعل بھذا القضیب عن ھاتین الثنتین فوالذی لا الٰہ

غیرہ لقد رایت شفتی رسول اللہ ھاتین الشفتین یقبلہما ثم انفضح الشیخ یبکی فقال لہ ابن زیاد ابکی اللہ عینیک فواللہ لولا انک شیخ قد خرفت وذھب عقلک لضربت عنقک (طبری صفحہ ۲۶۳)

"فقالت یا امیر المؤمنین اراس الحسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ قال نعم فاعولی علیہ وحدی علی ابن بنت رسول اللہ ص وصریحۃ قریش عجل علیہ ابن زیاد فقتلوہ قتلہ اللہ ثم اذن للناس فدخلوا والراس بین یدیہ ومع یزید قضیب فھو ینکت بہ فی ثغرہ ثم قال ان ھذا وایانا کما قال الحصین بن الحمام المری ؎

یفلقن ھاما من رجال احبۃ
الینا وھم کانوا اعق واظلما

قال فقال رجل من اصحاب رسول اللہ ص یقال ابو برزۃ الاسلمی اتنکت بقضیبک فی ثغر الحسین اما لقد اخذ قضیبک من ثغرہ ماخذا لربما رایت رسول اللہ ص یرشفہ اما انک یا یزید تجی یوم القیامۃ وابن زیاد شفیعک.... الخ

اللہ اللہ کیا انتہا ہے اس شقاوت کی کس کس طرح دربار ابن زیاد و دربار یزید میں ہمارے جان حسینؓ سے گستاخیاں کی گئیں۔ چہرۂ مبارک پر بید مارتا رہا

حضرت زید بن ارقم صحابی رسول منع کرتے ہیں اور تبسم بیان کرتے ہیں کہ ان بے جان ہونٹوں پر ایک زمانے میں میں نے رسول اللہ صلعم کے ہونٹوں کو بوسہ لیتے دیکھا تھا۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ اے بوڑھے آدمی تیری عقل اگر ضائع نہ ہو گئی ہوتی تو تیری گردن مار دیتا۔ دربار یزید میں جب اسی طرح سر مقدس بے جان حسین رضہ سے عمل کیا گیا تو ابو برزہ الاسلمی صحابی رسول نے بھی اسی طرح اظہار خیال کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں خوف خدا ہی کب تھا اور تعلیمات اسلامی سے انہوں نے اثر ہی کب لیا تھا کہ ان فہمائشوں تک کا بھی کوئی اثر لیتے۔ زید بن ارقم رضہ ہوں کہ ابو برزہ رضہ یہ تو صحابی ہی تھے ان لوگوں کی شقاوت تو اس درجے پر تھی کہ اگر رسول مقبول بھی اس گستاخی سے منع فرماتے تو غالباً بلکہ یقیناً یہ اپنی ان حرکات سے ہرگز باز نہ آتے۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں :- وجعل ابن زیاد الراس فی طست وجعل یضرب ثنایاہ بقضیب ویدخلہ انفہ [شرح قصیدہ ہمزیہ] یعنی ابن زیاد نے سر بے جان حسین رضہ کو طشت میں رکھوایا، اور حضرت کے دانتوں کو چھڑی سے مارنے لگا اور اس چھڑی کو بینی مبارک میں بھی داخل کرنے لگا شاید ان تمام شواہد کو پڑھ لینے کے بعد ہمارے مخاطب والا مقام حسب عادت بے اختیار فرمانے لگیں گے کہ یہ سب وضاعین وسبائین وروافض کی ہفوات ومکذوبات ہیں۔ بہت خوب یوں ہی سہی۔ آئیے اب ہم ان تمام اکابر کی کور چشمی پر ماتم کرتے ہوئے (معاذاللہ) اصح الکتب کی طرف بھی رجوع کریں اور دیکھیں کہ سر بے جان حسین سے قاتلین نے کیا سلوک کیا تھا۔ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح میں حضرت

انس بن مالک رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؓ کا سرِ بے جان لایا گیا جسے ایک طشت میں رکھا گیا تو ابن زیاد نے اس سر پر ضرب لگانی شروع کی اور جناب حسین کے حُسن کی بابت کلام کیا فقال انس کان اشبہم برسول اللہؐ وکان مخضوبا بالوسمہ یعنی اس پر حضرت انس رضؓ نے فرمایا کہ حسینؓ رسول سے زیادہ مشابہ تھے اور آپ وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔ (ختم) کیوں جناب شاید اب تو جناب یہ نہ فرمائیں گے کہ بخاری شریف میں بھی وضاعین و غالی روافض نے اپنی ہفوات و اکاذیبات بھر دی ہیں۔

خدا شاہد ہے کہ ابن زیاد اور یزید کے یہ حالات نقل کرتے ہوئے ہمارے قلم میں لرزش پیدا ہو رہی ہے، حیرانی ہوتی ہے کہ رسولؐ کی وفات سے نصف صدی گزرتے ہی اِن مسلمان کہلائے جانے والے انسانوں کے اخلاق میں اس قدر پستی پیدا ہو گئی تھی ابھی تو اصحاب رسول کی ایک قلیل جماعت موجود بھی تھی۔ یوں ہی مان لیجئے کہ حسینؓ نے حکومت کے خلاف اقدام کیا تھا اور اس کی سزا میدان جنگ میں ان کو دی گئی اور قتل کر دیئے گئے مگر سرِ بے جان حسین کی یہ توہین آمیز نمائش کیوں کی گئی۔ کیا تادیبی اور انتقامی کارروائی کا خاتمہ میدان جنگ میں قتل حسین کے ساتھ ہی نہ ہو چکا تھا۔ درحقیقت یہ وہی پُرانے کینے بدر وغیرہ کے تھے جو اس سرِ بے جان تک کی ہتک کا باعث بنے ہوئے تھے ورنہ اگر کوئی شریف الخصلت دوسری قوم کا کافر بھی یزید کی جگہ بادشاہ ہوتا تو سرِ حسینؓ کے ساتھ ہرگز یہ سلوک روا نہ رکھتا نہ نوک نیزہ پر سر کی تشہیر در گشت کوچہ و بازار میں کرائی جاتی اور نہ بید کی ضربیں لگا کر اہانت کی جاتی افسوس

افسوس۔ ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند۔ اور اس پر دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ امیر المومنین یزید رضؓ نے تو قتل حسین پر بہت تاسف بلکہ گریہ کیا تھا۔ جب ان لغو بیانات کے خلاف اکابر ثقاۃ اہلسنت اور اولیاء اللہ کی کتب سے شواہد پیش کئے جاتے ہیں تو بلا وجہ جائز اور بغیر کسی تردیدی شہادت کے تحکمانہ انداز میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ سب مکذوبات و مفتریات وضاعین سبائین کذابین اور غالی روافض کی ہیں جو ہمیں قبول نہیں ہیں آپ کو قبول کیوں نہیں محض اس لئے کہ ان سے حسینؓ کی مظلومی و حق پرستی اور یزید کا کفر ثابت ہوتا ہے اور انہیں کتابوں میں سے اگر یزید کی تائید موہوم میں کہیں کوئی مجہول یا خفی اشارہ بھی مل جائے تو وہ آپ کے نزدیک کا یوحی منزل من السماء ہوتا ہے اور اس کی سند پر فرما دیا جاتا ہے کہ امیر المومنین یزید تو خلیفہ راشد تھے وہ قتل حسین پر گریہ کیوں نہ فرماتے اور سر حسینؓ کی تشہیر کیوں کی جاتی وغیرہ

حضرت خاتم المحدثین و فخر المتکلمین مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔ وامر الشقی ابن زیاد بالراس المکرم فدیر بہ فی سکک الکوفۃ ثمّ ارسلہ مع رؤس سائر الشھداء وسبایا اھل بیت الی یزید بن معاویہ مع شمر ذی الجوشن وکان بدمشق (سر الشہادتین صفحہ ۳۲) یعنی سر مبارک حسین کو ابن زیاد بدنہاد کے حکم سے گلیوں میں تشہیر کیا گیا اور اس کے بعد تمام شہدا کے سروں کو مع قیدیان اہل بیت رسول شمر ذی الجوشن کے ساتھ یزید کے پاس دمشق میں بھیج

دیا۔ صاحب اخبار طوال تحریر فرماتے ہیں کہ جب سر بے جان حسینؑ یزید کے سامنے لایا گیا تو "رمی بین یدیہ" اُسے یزید کے سامنے پھینک دیا گیا (صفحہ ۳۵۷) حضرت مخاطب کے پسندیدہ مورخ ابن کثیر دمشقی بھی اس واقعہ کی تصدیق میں اسناد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ابن ابی الدنیا نے ابوالولید سے انہوں نے خالد بن یزید بن اسد سے اور انہوں نے عمار الدہنی سے اور انہوں نے جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ لما وضع راس الحسین بین یدی یزید وعندہ ابوبرزہ وجعل ینکت بالقضیب فقال لہ ارفع قضیبک فلقد رایت رسول اللہ صلعم۔ (البدایہ والنہایہ) یعنی جب امام حسینؑ کا سر یزید کے سامنے رکھا گیا اور اس کے پاس ہی حضرت ابوبرزہ رضی صحابی بھی تھے۔ اور یزید نے حضرت حسینؑ کے سر پر چھڑی سے ضرب لگانی شروع کی تو ابوبرزہ رض نے یزید سے فرمایا کہ اپنی چھڑی دور کر میں نے رسولؐ کو اس جگہ بوسہ لیتے ہوئے دیکھا تھا (ختم)

کیوں جناب اب بھی آپ کو یقین ہوا یا نہیں کہ جگر گوشہ رسول مقبول و سردار جوانان بہشت کے سر مقدس بے جاں کی نمائش کوچہ و بازار میں اہانتاً کرائی گئی تھی اس سر پر چھڑیاں ماری گئی تھیں اور بینی مبارک میں بھی اشقیا نے چھڑی ڈالی تھی اور بعد میں یہی سر مقدس یزید کے سامنے پھینک دیا گیا تھا اور وہاں بھی یہی عمل چھڑی سے کیا گیا تھا۔ صدہا کتب مقبولہ تاریخ و حدیث و سیر میں یہ واقعات باسانید حسنہ درج ہوتے چلے آرہے ہیں۔ کہاں تک ان حقائق سے چشم پوشی اور بیجا ناحق کوشی کسی دشمن اہل بیت رسول کی ان واقعات کی حد تک قابل تسلیم ہو سکتی

اور کہاں تک ہم ان واقعات دل شکن کی تفصیلات مختلف اعصار و امصار کے علمائے متورعین مقبولین کے اقوال سے اپنی اس مختصر کتاب میں درج کر سکتے ہیں۔
جائے غور ہے کہ ابن زیاد نے کوفہ کے کوچہ و بازار میں کس کے حکم سے سر حسینؑ کی تشہیر کرائی تھی۔ ہمارے مخاطب نے اس مقالے میں تسلیم کر لیا ہے کہ ابن زیاد وغیرہ جو کچھ بھی کر رہے تھے وہ بحکم سلطانی ہی کر رہے تھے پس کیا ہم یہ بھی دریافت کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ یہ تشہیر سر حسینؑ کی بحکم یزید ابن زیاد نے کرائی تھی یا یہ بھی ایک اجتہادی غلطی حضرت مجتہد العصر و الزماں و مفتی دوراں جناب ابن زیاد کی تھی۔ اس کے بعد خاص دربار یزید میں یزید کے سامنے جب سر حسین مظلوم پھینک دیا گیا۔ اور اس پر خود آنجناب کے خلیفہ راشد و برحق امیر المومنین یزید نے چھڑیاں ماریں۔ ان کی اس اجتہادی غلطی پر ان کو کتنا اجر ملے گا۔ آپ تو مدعی اس امر کے تھے کہ امیر المومنین نے قتل حسین پر نہ صرف تاسف بلکہ گریہ بھی کیا تھا۔ اب تو ہمیں بھی ان حالات میں یقین ہونے لگا کہ یزید نے ضرور گریہ کیا ہو گا۔ معلوم نہیں کہ مگر مچھ کے آنسوؤں کا محاورہ کس محل پر بولا جاتا ہے مگر یہاں تو کسی قسم کے آنسوؤں کا نکلنا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ نہ عقلی اور نہ نقلی مگر ہاں علم نفسیات کے ماہرین ہمارے اس بیان سے اختلاف کرتے ہوئے شاید یہ کہہ دینگے کہ بعض اوقات شریر سے شریر انسان کے نفس امارہ پر بھی اس کا نفس لوامہ غلبہ حاصل کر لیتا اور اس کے ضمیر پر آنے والے بعض نتائج مخزنہ کا کشف قبل از وقت ہی کرا دیتا ہے اور اگر یزید کے گریہ کی روایت میں بفرض غلط کوئی شائبہ بھی اصلیت کا ہو تو کچھ عجب نہیں۔ کہ اسے کسی حد تک اس ابدی لعنت کا شاید کچھ احساس ہوا ہو جو قسام ازل

نے قتل ناروائے حسینؓ کی پاداش میں اس کے لئے مقسوم کر رکھی ہے۔ کوئی حد ہے نفرت ولعنت کی لگاتار بارش کی جو یزید پر دنیائے اسلام میں ڈیڑھ ہزار سال سے کچھ کم مدت سے ہوتی چلی آرہی ہے مگر لوگوں کی تشنگی ہے کہ نہیں بجھتی اور ہر طرف سے بیش بادہی کی صدا بلند ہوتے چلی جارہی ہے ممکن ہے کہ یزید کے ضمیر نے ان نتائج الیمہ وعواقب وخیمہ کا کچھ احساس واقعہ خونین کربلا کے بعد کر لیا ہو اور دل کے نجاسات کثیفہ چند قطرے پانی بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل گئے ہوں۔ واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

قال المخاطب:۔ میدان کربلا میں جنگ کی ابتدا حسین کی طرف سے کی گئی یزید کے لشکر نے تو امام حسینؓ سے محض ہتھیار ڈال دینے کا مطالبہ کیا تھا اور اسی غرض سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ حضرت حسین نے نہایت ناعاقبت اندیشی سے یزید کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ حادثہ یکایک دربیش ہو کر گھنٹے دو گھنٹے ہی میں ختم ہو گیا۔ لشکر یزید کی حیثیت از اول تا آخر مدافعانہ ہی رہی۔ اس لحاظ سے جب کہ جنگ کی ابتدا ہمراہیان حسینؓ کی طرف سے ہوئی اور عمر بن سعد کو مدافعانہ جواب پر مجبور کر دیا گیا یزید کی فوج کا کیا قصور رہے (انتہی بطور خلاصہ)

الجواب:۔ قطعاً غلط ہے یہ بیان کہ میدان جنگ میں جناب امام ہمامؓ نے جنگ کی ابتدا کی تھی۔ یہ دعوی کہ جنگ کی ابتدا حسینؓ نے کی تھی تاریخ کی اعلےٰ ترین شہادت موثقہ کو دیدہ ودانستہ ٹھکرا دینا ہے۔ باخبر اصحاب کے لئے یہ بیان بالکل ہی بنا ہے کہ یزید کے فوجی دستے نے جب ہتھیار ضبط کرنے کا مطالبہ ہمراہیان حسینؓ سے کیا تو ہمراہیان حسینؓ نے ناعاقبت اندیشانہ اور اچانک حملہ یزید کے لشکر

بر کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں حسینؓ مع انصار و رفقا قتل کر دیے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا۔ اس بے اصل بیان کی جب کوئی سند اسلامی کتب تواریخ وغیرہ سے نہ مل سکی تو بدرجہ مجبوری ہمارے مخاطب خوش فہم نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے کسی مجہول الاسم مقالہ نویس کے بیان سے استناد فرمایا ہے جس کے مضمون کا خلاصہ مخاطب کے نقل کردہ بیان کی بموجب یہ ہے کہ اس طاقتور فوجی دستے پر جو حسینؓ سے ہتھیار رکھوانے کے لئے بھیجا گیا تھا حسینؓ اور ان کے رفقا نے ناعاقبت اندیشی سے اچانک حملہ کر دیا اور قتل ہو گئے۔

ہم نے اس لغو اور محض بے اصل بیان کی اصل کتاب سے مطابقت کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی نہ اس کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے کا کوئی موقع آنے دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گم نام مضمون نگار نے یہ مضمون کہاں سے اخذ کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اب چودھویں صدی ہجری قریب ختم ہے۔ پہلی صدی کے واقعات کے اظہار و اثبات کے لئے جب تک ماخذ کا پتہ نہ چلے کسی قسم کا استدلال جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ معلوم نہیں کہ اس مضمون نگار کا یہ مضمون خود اسی کا طبعزاد ہے یا کسی اسلامی کتاب سے اس نے اخذ کیا ہے یا کسی غیر مسلم مصنف سے اس نے یہ مضمون لیا ہے۔ ہم کس طرح اس بے سر و پا روایت کو تمام کتب اسلامی کی متفقہ شہادت کے خلاف قابل سند مان سکتے ہیں۔ اس روایت کا نقل کرنے والا بھی مجہول ہے۔ ماخذ کا پتہ نہیں دیا گیا ہے تمام دنیا کی کتب تاریخ اس بیان کی تکذیب پر متفق ہیں اور سب کا متفقہ بیان صرف اسی قدر ہے کہ فوج یزید کا مطالبہ یزید کی بیعت ورنہ قتال کا تھا۔ محض ہتھیار رکھوانے کے لئے کوئی مطالبہ

یا محاصرہ نہیں کیا گیا تھا اور یوں تو ہر جنگ کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہر فریق جنگ میں فریق مخالف سے ہتھیار رکھوا لینے یا بالفاظ دیگر اپنی اطاعت کرا لینے کا طالب ہوا کرتا ہے۔ کتب تواریخ وسیر میں بتفصیل فریقین کے سوال و جواب عین ماقبل جنگ کے موجود ہیں یہاں تک بھی تفصیل موجود ہے کہ جنگ کی ابتدا کرنے میں سب سے پہلا تیر عمر بن سعد نے یہ کہہ کر چلایا تھا کہ گواہ رہو سب سے پہلا تیر میں چلاتا ہوں اور لشکر یزید کے جارحانہ اقدام پر ہی امام علیہ السلام نے باوجود قلتِ اعوان و انصار و بے سامانی اور باوجود بھوک پیاس کی الیم و طویل شدت کے مدافعانہ جنگ شروع کی تھی۔ تمامی کتب متداولہ مقبولہ میں یہ واقعات درج ہوتے چلے آرہے ہیں اور ثابت شدہ حقائق تسلیم کئے جاتے ہیں مگر نہ معلوم کہ اس گم نام نامہ نگار کے کان میں کون سا فرشتہ آن کر پھونک گیا تھا کہ ہتھیار رکھوانے کے مطالبہ پر حسینؑ کا لشکر یزید کے لشکر پر اچانک حملہ آور ہوگیا۔ ہم یہاں ہزارہا متفقہ شہادتوں میں سے صرف ایک ہی شہادت ایسے مسلم الثبوت محقق اعظم اہل سنت کی نقل کرتے ہیں جن سے زیادہ بلند پایہ محقق کا تصور بھی متاخرین و متوسطین میں بمشکل ہی کر سکتے ہیں۔ جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے اردو زبان میں ملاحظہ ہو:۔

"بائیس ہزار سوار اور پیادے عمر بن سعد کے لشکر میں جمع ہو گئے تو نہر فرات کے کنارے پانی اور لشکر حسین کے درمیان اتر کر لشکر یزید حائل ہوگیا۔ اور لشکر حسین کا پانی بند کر دیا ان میں سے اکثر وہی لوگ تھے جنھوں نے حسین کو خطوط لکھ کر بلایا تھا اور آپ کی بیعت کی تھی۔ جناب امام کو یقین ہوگیا کہ اب یہ لوگ بغیر جنگ کئے

ہوئے باز نہ آئیں گے تو آپ کے کہنے پر آپ کے رفقا نے ایک خندق نما سنگر اپنے گرد تیار کر لیا اور اس کا صرف ایک ہی دروازہ رکھا جس سے نکل کر لڑ سکیں پھر لشکر عمر بن سعد سوار ہوا۔ اور امام حسینؑ کو چار طرف سے نرغہ میں لے لیا۔ اور ہجوم کر کے قتل کرنا شروع کر دیا اور امام حسین کے گھر والے اور رفقا یکے بعد دیگرے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ پچاس سے زیادہ امام کے ہمراہی قتل ہو گئے فعند ذلک صاح الحسینؑ اما من مغیث یغیثنا لوجہ اللہ اما من ذاب یذب عن حرم رسول اللہؐ فاذا بالحر... الخ یعنی پھر تو امام حسینؑ چلا اُٹھے کہ کیا کوئی فریاد رس ہے جو خدا کے لئے ہمارا استغاثہ سُنے۔ کیا کوئی حرم رسول کو بچانے والا ہے۔ یہ سنتے ہی حُر بن یزید ریاحی ناگہاں بڑھ کر سامنے آ گیا... الخ (سر الشہادتین صفحہ ۲۷)

اللہ اللہ۔ یہ صیحہ حسینؑ تھا یا ایک صدائے رعد آسائے قلب شکن و ندائے ضلالت ربائے ہوش افگن تھی جو تا قیامت غلغلہ انداز اقلیم قلوب و ارواح رہے گی فاین القلوب الصافیہ واین العیون الباکیہ۔ کس طرح کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ روح پاک جناب سرور کائنات پر حسینؑ کے اس دردناک استغاثے کے الفاظ سے کیا گذری ہو گی۔ اللہ اللہ جب ہی تو بوقت شہادت حسینؑ بعض خاصان خدا کو رویائے صادقہ میں خاک بر سر ہو کر اور علین دوبر گریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر آئے۔ مگر ظاہر بیں نگاہوں کے لئے ان واقعات میں کوئی درس عبرت و بصیرت موجود ہی نہیں ہے۔ افسوس صد افسوس رسول مقبول تو اس جاں گداز حادثہ پر خاک بر سر ہو کر گریہ فرماتے ہیں۔ مگر

پیروان ابوبکر ابن عربی مالکی اب تک بھی یہ کہتے ہوئے شرم نہیں کرتے کہ حسینؓ تو اپنے نانا کی تلوار ہی سے قتل کئے گئے ہیں وصح عن ابراھیم النخعی انہ کان یقول لو کنت فی من قاتل الحسین ثم ادخلت الجنۃ لاستحییت ان انظر الی وجہ رسول اللہ (اصابہ) یعنی حضرت ابراہیم نخعی سے یہ کلام صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں قاتلین حسین میں شمار ہو کر داخل بہشت بھی ہو جاتا تو غایت شرم سے رسول اللہ کی طرف نگاہ کرنے کی مجال مجھے نہ ہو سکتی تھی (ختم) کس صحیح العقیدہ مسلمان کی مجال ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کے اس قول کی حقیقت سے انکار کرے۔ کیا حسین منی وانا من الحسین" کا ارشاد حقیقت بنیاد ہماری صحیح رہنمائی کے لئے موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ کسی دل میں یہ وسوسہ گذرے کہ یہ فریاد حسین جو بشکل استغاثہ ابھی اوپر نقل ہوئی حسین کی کمزوری یا بے استقلالی کا نتیجہ تھی۔ حاشا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سر الشہادتین کے حاشیہ پر ہی جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب نے اپنی تقریر الشہادتین میں درج فرما دیا ہے:۔ یہ فریاد و استغاثہ بے استقلالی اور بے صبری کے باعث نہ تھا بلکہ فقط اتمام حجت کے واسطے اور اس واسطے تھا کہ مدعیان اسلام میں سے کون کون اس وقت امام کی مصیبت میں شریک ہوتا ہے (ختم) چنانچہ دو تین ساعت بعد ہی شبل شیر خدا جناب امام ہمام علیہ السلام نے اپنے اس عزم راسخ کی تصدیق کے لئے شہامت و شجاعت و جلادت کی تمام منازل عالیہ و مراتب قصویٰ پر پہنچ کر اپنی شہادت سراپا سعادت کی مہر ثبت کردی اور ہرگز یزید کی بیعت کا اقرار نہ کیا دللہ در القائل۔

سر داد و نداد دست در دست یزید　　　حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسین

اور اسی مضمون کو ہمارے قابل صد فخر ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال طاب ثراہ یوں ادا فرماتے ہیں ؎

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است　　　پس بنائے لا الہٰ گردیدہ است

اور ارباب طریقت علیہم الرحمہ اپنی عاشقانہ و عارفانہ زبان تصوف میں اس شہادت عظمیٰ کا ذکر خیر اس طرح کرتے رہتے ہیں۔

ذوقے دگر بجام شہادت از و رسید　　　شوقے دگر بمستی عرفان اولیا

(حضرت شاہ نیاز احمد رح قطب بریلی)

حضرت خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کا بیان ابھی ہمارے ناظرین نے ملاحظہ فرمایا مورخین کے متفقہ بیانات کا مختصر مگر جامع خلاصہ جناب شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کتنی عمدگی سے درج فرما دیا ہے جس سے بخوبی ثابت ہے کہ معرکہ کربلا میں ان کی حیثیت کس فریق کی تھی مگر ہمارے مخاطب عالی مقام کے نزدیک ایک نامعلوم یورپین مقالہ نگار کا بیان بلا اظہار ماخذ و سند صحت کے اعتبار میں وحی آسمانی سے کم نہیں ہے۔ تمام دنیا تسلیم کرتی ہے کہ حسینؓ کی حیثیت اس جنگ میں مدافعانہ ہی تھی مگر چونکہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے گم نام مقالہ نگار نے اس کے خلاف بلا سند لکھ مارا ہے ہمارے مخاطب کے نزدیک یہی سب سے بڑی سند ہے۔ کیوں جناب کیا اکابر مصنفین مسلمین کے کسی بیان سے آپ کے دعوے کی تائید نہ ہو سکتی تھی جو مجبوراً آپ کو اس گم نام و مجہول مقالہ نگار کا بے سند وسیلہ اثبات مدعا کے لئے اختیار کرنا پڑا مقصد اصلی یہی ہے کہ ہر سیاہ کو سفید۔ ہر

شرکو خیر اور ہر مظلوم کو ظالم ثابت کر دیا جائے اور بس۔

قال المخاطب: ۔ امام احمد حنبل جیسے بلند پایہ شخص نے امیرالمومنین یزید کو طبقہ تابعین سے بھی قبل طبقہ صحابہ میں سے زہاد امت میں شمار کیا ہے جو یزید کے علم و فضل اور عظیم المنزلت ہونے کی بین دلیل ہے۔ باوجود ان تمام مناقب و فضائل کے کذابین امیرالمومنین یزید کو فسق و فجور اور زنا و لہو و لعب کے الزامات لگا کر ناحق بدنام کرتے بلکہ ان کو کافر تک بھی کہتے ہیں اور مطلقاً شرم نہیں کرتے (انتہیٰ بطور خلاصہ)

الجواب: ۔ ممکن ہے کہ آنجناب کی تحقیق یہی ہو کہ امام احمد حنبل رح یزید کو طبقہ صحابہ کرام رضا اور زہاد امت میں سے شمار کرتے ہیں۔ ہم تو اب تک یہی سنتے اور پڑھتے آتے ہیں کہ امام احمد حنبل یزید کو کافر جانتے اور مجوزین لعنت بر یزید بخصوص اسمہ کی جماعت میں شامل ہیں۔ یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جواز اور حضرت امام احمد حنبل کے مسلک پر ہماری اس کتاب میں دیگر مقام پر بحث ملے گی۔ سردست صرف ایک ہی سند یہاں پیش کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اہلسنت کے مشہور و معروف عالم جلیل القدر صاحب منتہی الکلام علامہ حیدر علی طاب ثراہ جو سند المتکلمین کے قابل صد فخر لقب سے ملقب ہیں تحریر فرماتے ہیں :۔

"امام احمد حنبل و ابن جوزی و من یتوجہم مقاہم کہ از ائمہ فقہ و حدیث اند مرتکب تکفیر یزید می کنند و ہرکس ازیں بزرگاں بر دعوی مختار خویش ادلہ شرعیہ قائم کردہ گفتہ اند کہ چوں امام حسینؑ از گوشت و پوست آنحضرتؐ پرورده شده دریکاں آنجنابؐ بودہ قتل او مانند قتل پیغمبر است صلے اللہ علیہ وسلم۔ حال قاتلش

با قاتل احادِ امت برابر نیست پس یزید بلکہ تمامی اعوان وانصارش کہ در قتل جناب سید الشہدا شریک گردیدند و در تذلیل اہل بیت العیاذ باللہ کوشیدند در لعن وطعن حکم کفار دارند (ازالۃ الغین صفحہ ۱۷۱) یعنی امام احمد حنبل وابن جوزیؒ اور ان کے متبعین جن کا شمار ائمہ فقہ و حدیث میں ہے صریح طور پر یزید کو کافر مانتے ہیں اور یہ تمام بزرگ اپنے اس دعوے اور عقیدے پر شرعی دلائل رکھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حسینؑ کی پرورش رسول اللہؐ کے گوشت پوست سے ہوئی تھی اور حسینؑ رسول کے پھول ہی تھے لہذا حسینؑ کا قتل مثل رسولؐ کے قتل کے ہے اور حسینؑ کا قاتل امت کے کسی دوسرے قاتل کے برابر نہیں ہو سکتا (یعنی حسینؑ کا قاتل شقاوت میں بہت زیادہ ہے) پس یزید اور اس کے تمام اعوان وانصار جو قتل جناب سید الشہدا میں شریک ہوئے اور معاذ اللہ انہوں نے اہل بیت رسولؐ کی تذلیل میں کوشش کی وہ سب مثل کفار لعنت کے مستحق ہیں (ختم)

کیوں جناب کہیں گروہ کذابین وو ضاعین ہیں سے تو کسی نے یہ بیان نہیں تحریر فرمادیا ہے۔ کیا ایسے مسلمہ عالم جلیل القدر اہلسنت اور سند المتکلمین کو بھی آپ وضاعین وکذابین ہیں شمار کریں گے۔ اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت امام احمد حنبل رح جو اکابر ائمہ فقہ وحدیث میں سے ہیں یزید کا نام لے کر لعنت کرنے کے جواز کا فتوٰی دیتے اور امام حسینؑ کے قتل کو خود رسول مقبولؐ کا قتل قرار دیتے ہیں۔ کیا ایسے ہی قاتلین کا شمار زہاد امت میں ہوا کرتا ہے۔ آپ کتنی ہی کوشش کئے جائیں اور ابوبکر ابن عربی مالکی کی تقلید میں حسینؑ کو خطا کار اور یزید کو نیکوکار ثابت کرنے کی سعی مردود کرتے رہیں مگر اس کوشش میں آپ جہاں

بھی جائیں گے یزید کے حق میں سوائے تفسیق وتکفیر ولعنت کے اور کچھ بھی نہ پائینگے
اہلسنت کے محدث شہیر وجلیل شیخ الاسلام حضرت قندوزی حنفی علیہ الرحمہ اپنی مشہور
ومعروف ومقبول کتاب ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں :- ان ابن
الجوزی رح قال فی کتابہ المسمّی بالرد علی المتعصب العنید
المانع من لعن یزید سئلنی سائل عن یزید بن معاویہ
فقلت یکفیہ مابہ فقال ایجوز لعنہ قلت قد اجازہ العلماءُ
الوارعون منہم احمد بن حنبل ..... فہل یکون فسادا اعظم
من القتل (ص۲۷۱) یعنی ابن جوزی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رد علی المتعصب
العنید المانع من لعن یزید میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک سائل نے مجھ
سے سوال کیا کہ یزید کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی اس کے
لئے ہے وہ کافی ہے ؛ پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے
میں نے کہا کہ اس کی اجازت تو اکابر علما نے دی ہے اور انہیں علماء میں امام
احمد بن حنبل بھی شامل ہیں بلکہ لعنت سے بھی کچھ بیش انہوں نے کہا ہے پھر
ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ابو یعلی نے اپنی کتاب المعتمد میں صالح بن احمد بن حنبل
سے روایت لکھی ہے کہ میں نے (صالح نے) اپنے والد (امام احمد رح) سے کہا کہ لوگ
ہمیں یزید کے تولا سے منسوب کرتے ہیں۔ امام احمد رح نے فرمایا کہ اے بیٹے کوئی بھی
ایسا نہ ہوگا کہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یزید سے محبت رکھے اور اس پر لعنت نہ
کرے جس پر اللہ نے خود اپنی کتاب میں لعنت بھیجی ہے میں نے پوچھا وہ کون سی
آیت ہے جواب میں فرمایا کہ وہ آیت یہ ہے - (ترجمہ) کیا تم بادشاہ ہو کر زمین پر

فساد کروگے اور قطع رحم کروگے ایسے ہی انسان ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا اور اندھا کردیا ہے پس بتاؤ کہ کوئی فساد قتل سے بھی بڑھ کر ہے (ختم)

یہ واقعہ دیگر معتبر کتب میں بھی درج ہے اور اہل نظر بخوبی واقف ہیں کہ اہلسنت کے فقہائے اربعہ علیہم الرحمہ بالاتفاق یزید پر بخصوص اسمہ لعنت کرنا جائز بیان کرتے ہیں مگر بعض موالی یزید اب بھی ایسے موجود ہیں کہ ان ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے نام سے یزید کی فرضی منقبت ثابت کرنے کی سعی ناواجب کرتے رہتے ہیں۔ حضرت العلامہ ملک العلما شہاب الدین عمر دولت آبادی علیہ الرحمہ اپنی مشہور کتاب مناقب السادات میں تحریر فرما گئے ہیں کہ مذاہب اربعہ مقبولا اہل تسنن میں یزید پر لعنت کرنے کی ممانعت نظر سے نہیں گذری۔ صاحب سعادۃ الکونین علامہ محمد اکرام الدین علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :- نزد ارباب تحقیق از اہلسنت وجماعت فقط از امر بہ قتل نمودن امام ہمام یزید کافر شدہ۔ قطع نظر از دیگر معاصی بالجملہ وے مبغوض ترین مردم ومقبوح ترین خلائق نزد علمائے سنت وجماعت است واں کار ناشائستہ کہ وے ملعون کردہ، ہیچ کس دریں امت نہ کردہ لعنت خدا باد بروے وبر یاران ومددگاران وے ولشکر وے از خدا و فرشتہ ہا وسائر مردمان ہر زماں وہر لحہ باد وآنچہ کہ علمائے ما ذکر لعن وطعن براں ملعون ومطعون (یزید) در کتب خود کردہ اند اگر دریں جا مذکور نماید ایں مختصر بطول انجامد وصاحب کتاب مناقب السادات گفتہ کہ از مذاہب اربعہ اہل تسنن منع در لعن یزید دیدہ نشدہ (ختم)

کیا ایسے اشخاص بھی اخیار امت و زہاد ملت میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں جن

پر ہا اتفاق مذاہب اربعہ اہلسنت میں لعنت کرنے کی کوئی ممانعت نہ ہو اور اکابر اساطین امت نام لے کر یزید پر لعنت کرنا عین صواب (بلکہ عین ثواب) سمجھتے ہوں۔ حضرت العلامہ شیخ شہاب الدین عمر رح مذکور کی مشہور کتاب مندرجہ بالا کی عبارت ایک مقام پر یہ ہے:- "الامۃ اجتمعت والائمۃ اتفقت علی الکفر واللعن قاتل الحسین" یعنی امت کا اجماع اور ائمہ کا اتفاق ہے اس پر کہ:- حسین کا قاتل کافر ہے اور اس پر لعنت کرنا جائز ہے (ختم) اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یزید امام حسین کا قاتل ہے جس کی بحث مستقل طور پر پہلے گزر چکی ہے۔

سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا پر بغاوت کا الزام

قاضی ابوبکر ابن عربی کا مسلک

قال المخاطب:- قاضی ابوبکر ابن عربی مالکی نے تو صریح تمام تحریر فرمادیا ہے۔ کہ حسین ابن علی اپنے نانا کی تلوار ہی سے قتل کئے گئے ہیں یعنی شریعت محمدی نے خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی جو سزا تجویز کی ہے وہ حسین کو دی گئی، اس قتل کا الزام خلیفہ وقت (یزید) پر لگانا ناجائز ہے الخ (خلاصہ کلام طویل)

الجواب:- یہ بحث ہماری اس کتاب کے ایک دوسرے مقالے میں بھی لکھی جائے گی جس میں یہ بحث کی گئی ہے کہ باغی دراصل امام حسین ہیں (معاذاللہ) یا یزید بن معاویہ مختصر طور پر اور خصوصاً قاضی ابوبکر مذکور کے تعلق سے یہاں بھی یہ ظاہر کردینا ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ علماء و اساطین اہل سنت نے قاضی مذکور کے اس قول کو جا بجا بلکہ ہر جگہ مردود ہی قرار دیا ہے بلکہ اس قسم کا خیال و عقیدہ ظاہر کرنے کی پاداش میں قاضی صاحب پر لعن تک تحریر کر دیا ہے اپنے اس خیال و عقیدے میں قاضی صاحب منفرد نظر آتے ہیں البتہ جس طرح سرزمین ہند میں مقامی طور پر منفرد خیال کے اظہار کے باعث ایک زمانے میں مرزا حیرت نے شہرت حاصل کر لی تھی اسی طرح قاضی ابوبکر مذکور نے بھی اس منفرد و مردود عقیدے کے اظہار کے باعث بدنامی کی شہرت عالم اسلام میں ضرور حاصل کر لی ہو اور ان کے چند ہم خیال ناصبی مشرب کے اشخاص ان کے اس قول مردود کو کبھی کبھی استدلال میں پیش کرنے کی جرأت مجنونانہ کر لیتے ہیں۔

مخاطب عالی مقام کے مقبولہ امام المورخین علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں
"قاضی ابوبکر ابن عربی نے اس مسئلے میں سخت غلطی کی ہو کہ اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھ گیا کہ حضرت امام اپنے نانا کی شریعت پر قتل کئے گئے۔ قاضی نے اس لئے غلطی کی کہ اسے معلوم نہ تھا کہ باغیوں سے لڑنے کے لئے امام عادل کا ہونا شرط ہے۔ اور حضرت امام حسینؓ سے زیادہ آپ کے زمانے میں لڑنے کے لئے اہل الرائے ہونے اور امامت و عدالت کے بارے میں کون سا شخص احق تھا۔ یا احق ہو سکتا تھا پھر محض ایک فاسق و فاجر کی رائے سے آپ کے قتل ہونے کو کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ آپ شریعت محمدی پر قتل کئے گئے (مقدمہ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۷۶)
دیکھا جناب والا آپ نے آپ کے مقبولہ امام المورخین آپ کے مزعومہ خلیفہ راشد امیر المومنین یزید کو فاسق و فاجر لکھ کر کفر کے الزام سے اسے بری کر رہے ہیں اور قاضی ابوبکر کے بیان کردہ مسلک کا مقدوح و مردود ہونا کس قدر توضیح سے بیان

فرما رہے ہیں اور یہ بھی تصریح فرما رہے ہیں کہ آپ کے یہ خلیفہ راشد ہرگز امام عادل نہیں ہیں۔ خلافت راشدہ تو ایک طرف یہ خلافت عادلہ بھی نہیں ہے اور مسند خلافتِ راشدہ کے لئے دوسرا ہی ایک شخص احق تھا جس کا نام ہے "حسین بن علی" (علیہما السلام)

ایک بیان تو علامہ ابن خلدون کا ابھی ناظرین نے ملاحظہ فرمایا۔ اسی بیان سے چند سطور اوپر کی طرف مورخ مذکور و مشہور کی یہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔ "حضرت امام کے قتل کی بابت یہ خیال کرنا کہ آپ جائز اجتہادی حکم سے قتل یا شہید ہوئے سخت غلطی ہے کیوں کہ آنجناب کا قتل ہرگز ان صحابہ کے اجتہاد سے نہیں ہوا ہے جو آپ کے اجتہاد کے خلاف رائے رکھتے تھے، آپ کو بلا اجتہاد مجتہد یزید اور اس کے ساتھیوں نے قتل کر دیا۔ (ختم) اب تو آپ کے امام المورخین نے بھی تسلیم کر لیا کہ قاتل حسین در اصل یزید ہی ہے جو نہ تو مجتہد ہی تھا اور نہ خلیفہ برحق اور نہ کسی دوسرے مجتہد کا اجتہاد ہی قتل حسینؑ کا باعث کہا جا سکتا ہے۔

صدہا دیگر مورخین نے بھی سید الشہدا علیہ السلام کی اس شہادت کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں، طول کلام کے خیال سے ہم ان اکابر کی تحریرات یہاں نقل نہیں کر سکتے، اسی طرح اکابر فقہا و محدثین و مفسرین اہلسنت نے بھی قاضی ابوبکر کے اس قول مردود زیر بحث کی حد تک جا بجا مقالات تحریر فرمائے ہیں:۔ بطور نمونہ چند مقامات سے ہم بعض ایسے مقالات یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔ عقیدۂ اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ ایک مقام پر بغاوت

حسینؓ کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں :- واسا تفوہ بعض الجھلہ من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اهل السنۃ والجماعۃ الخ (شرح فقہ اکبر) مطلب یہ ہے کہ بعض جہلا نے جو یہ افواہ مشہور کر رکھی ہے کہ حسین باغی تھے تو یہ اہلسنت کے عقیدہ میں قطعاً باطل ہے۔ اور ازاں جملہ ملاحظہ ہو اہلسنت کی مشہور و معروف تفسیر "روح المعانی" جو ممالک عربیہ وغیرہ میں داخل درس بھی ہے اس کی مندرجہ عبارت قاضی ابوبکر کے مسلک کے متعلق ملاحظہ فرمائی جائے جو یہ ہے :- "وابو بکر ابن العربی المالکی علیہ من اللہ تعالی ما یستحق فزعم ان الحسین علیہ السلام قتل بسیف جدہ ولہ من الجھال موافقون علی ذلک و کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ قال ابن الجوزی فی کتابہ سر المصون من الاعتقادات العامہ...... یظن بہ انہ یغیظ بذلک الرافضہ (یعنی ابوبکر ابن العربی نے جس پر خدا کی طرف وہ نازل ہو جس کا وہ مستحق ہو سخت بہتان و افترا کیا ہے جو اس نے یہ گمان کیا کہ حسین علیہ السلام اپنے نانا کی تلوار سے قتل کر دئے گئے اور بعض جہلا اس میں ابوبکر مذکور کے ہم خیال ہیں لیکن یہ بڑی مکروہ بات ہے۔ جو کچھ بھی یہ بیان کرتے ہیں سراسر کذب ہی ہے۔ علامہ ابن جوزی اپنی کتاب سر المصون میں لکھتے ہیں ایک عام خیال ایک فرقے میں جو سنی کہلایا جاتا ہے یہ ہے کہ یزید حق پر تھا اور امام حسین نے خروج کرنے میں غلطی کی تھی لیکن اگر لوگ کتب سیر پر نظر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یزید کی بیعت کس طرح حاصل کی گئی اور کن کن مجبوریوں کے تحت لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اس میں کیسی کیسی ناروا اور قبیح کارروائیاں کی گئیں اور اگر

بالفرض ہم اس کی بیعت کے انعقاد کو صحیح تسلیم بھی کر لیں تو اس سے ایسی ایسی برائیاں سرزد ہوتی ہیں کہ لوگوں پر اس کی بیعت کا فسخ کر دینا واجب ہو گیا تھا۔ اس غلط خیال کی طرف کوئی بھی مائل نہیں ہو سکتا۔ سوائے ان عامی المذہب جاہلوں کے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اس قسم کی باتوں سے رافضیوں کو غیظ میں لاتے ہیں۔ (ختم)

صاحب منتہی الکلام جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ نے قاضی ابوبکر کے اس فاسد عقیدے پر ایک طویل مقالہ اپنی مشہور و معروف کتاب ازالۃ الغین میں تحریر فرمایا ہے۔ جن حضرات کو قاضی ابوبکر مذکور کے اس مسلک کی تحقیقات سے زیادہ دلچسپی ہو وہ اس مشہور و معروف و مقبول کتاب المسنت کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ بنظر اختصار اس طویل مقالے کی بعض عبارات ہم یہاں بھی بغرض توضیح مقال نقل کئے دیتے ہیں حضرت علامہ ممدوح الشان اپنے مخاطب مخالف کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔ "واگر مقصود این است کہ ابوبکر مالکی کہ از علمائے اہلسنت است امام حسین را معاذ اللہ باغی دانستہ پس ضرور است کہ یزید را خلیفہ برحق و امام مطلق اعتقاد کردہ باشد۔ گوئیم تحتمل کہ ایراد لفظ نقل بصیغہ مجہول برائے تضعیف و تمریض باشد و معاضد این احتمال است آنچہ بعضے از علمائے مغرب در افادات خود از بعض تصانیف قاضی ابوبکر کہ غایت البیان نام آنست محصلش نقل فرمودہ ...... تا آنکہ امام حسین را با تمامی عشیرت و اہلبیت در نفائش بانواع بے داد و ستم شہید کردند و برین روایت آنجناب در شہداء و قتلاء فی سبیل اللہ داخل است پس معلوم شد کہ مذہب قاضی ابوبکر

بشہادت امام حسین نیست بلکہ گفتگو بر روایات نمودہ یعنی شہادت امام حسین بر روایات شانیہ است نہ بر مقالات متقنین کہ راہ تعصب می پیمایند و قریب این معنی است آنچہ بعضے از اکابر محدثین فرمودہ اند کہ شیخ از علمائے اہلسنت بودہ پس چگونہ بامرے تفوہ خواہد نمود کہ نزد تمامی اہل حق باطل و مجہول باشد و ہو ظاہر جداً بل کاد ان یکون من البدیہیات الاولیہ بالجملہ از نقل مذکور کہ در شرح قصیدہ ہمزیہ بصیغہ مجہول وارد است ثبوت حقیقت خلافت و امامت یزید و لبطلان شہادت امام حسین نزد قاضی ابوبکر نیز باثبات نمی رسد۔ و بر فرض و تقدیر گرفتم کہ یکے از علمائے اہلسنت کثرہم اللہ تعالیٰ فی الامت کہ اگر در ہر طبقہ بتعداد ایشاں قصد کنی از جمیع خواص و عوام فرق اسلامیہ زیادہ تر باشند در باب امام حسین رضی اللہ عنہ چنیں گفتہ باشد با وجود شذوذ و مردود بودن ایں قول لعن و تشنیع بملاحظاں بعلمائے کرام نمودن ...... الخ (صفحہ ۲۱)

مختصر یہ کہ حضرت علامہ ممدوح جناب سند المتکلمین طاب ثراہ نے قاضی ابوبکر کے اس قول پر بہت طویل مناظرانہ کلام فرمایا ہے اور متعدد دلائل منقول و معقول سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ بذات خود قاضی ابوبکر کا یہ مسلک نہ تھا جیسا کہ غایت البیان مصنفہ قاضی ابوبکر مذکور کی عبارات سے ظاہر ہے اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ قاضی کا یہی مسلک تھا تو یہ قول اس قدر مردود و شاذ ہے کہ جمیع علمائے اہلسنت کے مقابل اس سے استدلال کیا ہی نہیں جا سکتا (ختم) مکرر عرض ہے کہ جن حضرات کو اس مبحث میں زیادہ دلچسپی ہو وہ کتاب ازالۃ الغین ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مخاطب عالی مقام بتائید بیان قاضی ابوبکر یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ حسینؓ کی حیثیت باغی کی تھی اور یزید نے ان کے مقابل جو کارروائی کی وہ سراسر جائز اور شریعت اسلام کے حکم سے پسندیدہ بھی تھی مگر قاضی ابوبکر کے اس قول مردود پر علمائے عظام اہلسنت نے صدہا مقامات بلکہ ہر مقام پر شدید اعتراضات کئے ہیں۔ ایسے کلام مغشوش و مردود و مجروح سے استدلال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اس الزام بغاوت کی تردید حضرت مخاطب کے مسلمات کی بنا پر ایک دوسرے ہی طرز سے کرنا چاہتے ہیں۔ مصنف غنیۃ الطالبین سے جناب مخاطب کو خصوصی عقیدت ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی جناب غوث الثقلین علیہ الرحمۃ کے نام نامی سے منسوب ہے۔ بلکہ خاص اسی وجہ سے آپ کے نزدیک یہ کتاب لاجواب سمجھی گئی ہو کہ اس میں خلافت راشدۂ حقۂ امیر معاویہ کے لئے ایک سند موجود ہے جسے آپ نے اپنے ایک مقالہ میں اس مقصد کے لئے بڑے طمطراق سے پیش بھی فرمایا ہے۔ یہ بحث ہمارے ناظرین نے اوراق ہذا میں ملاحظہ فرمالی ہوگی اب آیئے دیکھیں کہ صاحب غنیۃ امام حسینؓ کی مبینہ بغاوت کے متعلق بھی کچھ تحریر فرماتے ہیں یا نہیں۔ صاحب غنیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ یوم عاشورا کو بجائے یوم غم کے یوم فرح و سرور سمجھنا چاہیئے۔ یہی بحث لکھتے ہوئے اپنے اس بیان کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔ ان اللہ اختار لسبط نبیہ محمد الشہادۃ فی اشرف الایام واعظمہا واجلہا وارفعہا عندہ لیزیدہ بذلک رفعۃ

غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ [illegible]

فی درجاته وکراماته مضافة الی کرامته ویبلغه منازل الخلفاء الراشدین الشهداء بالشهادة (غنیۃ الطالبین صفحہ ۴۳) یعنی یوم عاشورہ اشرف الایام اور مبارک ترین یوم ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے فرزند کی شہادت کے لئے منتخب فرمایا تاکہ اس شہادت کے باعث جناب حسین کا درجہ شہدائے خلفائے راشدین کے مرتبے تک بلند ہو جائے (ختم)

نفس بیان زیر بحث سے تو اس وقت کوئی بحث نہیں۔ ہم جناب مخاطب سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیوں جناب اس شہادت کے باعث حسینؑ کے رفع درجات کا جو ذکر صاحب غنیہ نے اس مقام پر کیا ہے کیا وہ اسی مبینہ بغاوت کے جرم کی پاداش میں ان مدارج عالیہ پر پہنچائے گئے۔ کیا ایسا بھی ممکن ہو کہ کسی باغی گردن زنی کے لئے اس کی بغاوت بارگاہِ خداوندی میں موجب رفع درجات بن جائے۔ کیا خلیفہ برحق کے خلاف بھی کوئی بغاوت مستلزم ترقی مدارج تسلیم کی جاسکتی ہے۔ کیا صاحب غنیہ کی بیان کردہ یہ توجیہ جناب کے نزدیک صحیح ہے اور یہ تو بالکل ہی ظاہر ہے کہ آنجناب غنیۃ الطالبین کو حضور غوث اعظم کی تصنیف تسلیم کرتے اور بطور حجت اپنے مقالات میں پیش کرتے ہیں پس یہ عقدہ حل فرمایا جائے کہ حسین علیہ السلام کی یہ مبینہ بغاوت خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت امیر المومنین یزید رضہ (!) کے خلاف حسینؑ کی ترقی درجات کا باعث کیونکر ہو گئی

دوسرے مقام پر صاحب غنیہ تحریر کرتے ہیں:- وهبط علی قبر الحسین بن علی سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامة (صفحہ ۵۸۵) خلیفہ برحق (یزید) کے خلاف بغاوت کرنے اور اس

میں قتل ہو جانے پر ستر ہزار ملائکہ معصومین کا قیامت تک گریہ و بکا میں مصروف رہنا
آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا خوب۔ باغی تو بحکم خدا و رسول و بحکم خلیفہ راشد خود رسول
کی تلوار ہی سے قتل کیا جائے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے (معاذ اللہ) اور ستر ہزار
فرشتے اس کے قتل پر تا بقیامت گریہ کرتے رہیں۔ ان ھذا الشئی عجاب۔
معلوم ہوا کہ صاحب غنیہ کے نزدیک بھی قاضی ابوبکر کا یہ قول مثل دیگر اکابر علماء
کے قطعاً مردود ہی تھا (غنیۃ الطالبین کی بحث اس کتاب میں دوسرے مقام
پر درج ہو چکی ہے)

چودھویں صدی ہجری کے محدث شہیر اہلسنت ومفسر اعظم و رئیس جماعت
اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ ہی یہ ثراہ ایک مقام پر تحریر فرماتے
ہیں:۔ حدیث میں ہے لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق
اور بڑا بے وقوف ہے وہ شخص جو ہر کام میں خواہ وہ خلاف شرع ہو حکام کی
اطاعت لازم جانتا ہو انہیں بے وقوفوں نے تو امام حسینؑ کو باغی قرار دیا ہے۔
وہ کہتے ہیں یزید حاکم اور خلیفہ وقت تھا۔ اس کی اطاعت امام حسین پر لازم تھی
یہ لوگ کہتے ہیں انما قتل الحسین بسیف جدہٖ اور سب سے بڑا احمق اور
جاہل وہ شخص ہے جو بادشاہی قوانین کو رعایا کے حق میں شریعت سمجھتا ہے۔ گو
وہ قانون شرع کے خلاف ہوں۔ معاذ اللہ ایسا شخص بالاتفاق کافر اور
زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہے (انوار اللغۃ صفحہ ۸۴) پھر یہی مصنف علام دوسرے
مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "امام حسینؓ نے اول تو یزید پلید سے بیعت ہی نہیں
کی تھی۔ دوسرے اس مردود نے استبداد بداہتہً اختیار کیا تھا یعنی شخصی حکومت

تیسرے اس مردود نے فسق وفجور شرب خمر زنا وغیرہ اختیار کیا تھا چوتھے بیت المال
کو اپنی ذاتی خواہشات میں اُڑا رہا تھا۔ پانچویں اس نے خلاف معاہدہ جو اس کے
باپ کے ساتھ ہوا تھا کیا تھا۔ مستحق خلافت کا حق تلف کر کے خود خلیفہ بن بیٹھا۔
چھٹے امام حسنؓ کو ان کی بیوی سے سازش کر کے ناحق زہر دلوا دیا۔ اس ڈر سے کہ
معاویہ کے بعد از روئے معاہدہ خلافت ان کی طرف جانے والی تھی۔ بھلا ایسا
نالائق شخص کیسے خلیفہ شرعی اور امیر المومنین ہو سکتا ہے۔ اسی لئے امام از روئے
قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لئے اس کے خلاف گئے۔ اور شہادت کا درجہ
حاصل کیا۔ اب جو کوئی امام حسین علیہ السلام کو باغی وطاغی قرار دیتا ہے۔ اس
کا حشر یزید پلید ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور ہم منتظر ہیں کہ وہ قیامت کے دن
آنحضرت صلعم کو اپنا منہ کیسے دکھائیگا (انوار اللغة صفحہ ۱۹/۵) دوسرے ایک مقام
پر محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں :۔ "بعضے خارجیوں اور ناصبیوں
اور دشمنان اہل بیت نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام حسین اپنے نانا ہی کی تلوار سے
قتل کئے گئے اس لئے کہ یزید امام ہو چکا تھا اور لوگ اس سے بیعت کر چکے تھے۔
پھر امامؓ نے اس کو معزول کرنا چاہا۔ آخر اسی حدیث کی رو سے قتل کئے گئے تو ان کا
قتل بجا تھا، ان کا جواب یہ ہے کہ یزید پر ہرگز اہل حل وعقد کا یعنی رؤسا اور
عمائدین کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بلکہ معاویہ نے بدعہدی کر کے فریب اور جبر
سے یزید کی بیعت لوگوں سے کرائی تھی اور سب سے بڑا دین کا سردار اس وقت
امام حسینؓ ہی تھے آپ نے نیز عبداللہ بن زبیرؓ اور بہت سے اعیان بنی ہاشم نے اس
سے بیعت نہیں کی تھی دوسرے جن لوگوں نے اس سے بیعت کی تھی انہوں نے

بھی اس کا فسق وفجور دیکھ کر اس کی بیعت توڑ ڈالی تھی یعنی اہل مدینہ نے۔ اس کے علاوہ یزید نے نماز روزہ شریعت کے احکام کو معطل کر کے شراب خوری و مزغبازی وغیرہ اختیار کی تھی۔ اہم امورات ملکی میں صلاح و مشورہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ خودرائی اور خود پسندی اور استبداد کو اپنا شعار کر لیا تھا جیسے بے دین شخصی بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ بیت المال کو جو حق اہل اسلام ہے اپنے باپ کا مال سمجھ کر حظوظ نفسانی اور شہوت رانی میں خرچ کرنے لگا تھا جیسے.... ایسی حالت میں اس کی بیعت سے انکار کرنا اور اس پر خروج کرنا شریعت محمدی کا حکم تھا جیسے دوسری حدیث میں ہے پس امام نے حفظ شریعت و دین اور صیانت مسلمین کے لئے اس کی اطاعت اختیار نہ کی اور اس پر خروج کیا جو بالکل بجا اور درست تھا۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء وحشرنا مع النبی وآلہ الاصفیا (انوار اللغۃ صفحہ ۹۹/۱۲)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر حضرت محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں :- "بعضے مردود آپ کو (حسینؑ کو) باغی قرار دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم اہل حدیث تو دنیا و آخرت دونوں میں حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے ساتھ ہیں اور جو بھی ان کا دشمن ہو اس سے لڑنے مرنے کو تیار ہیں یا اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے غلاموں اور کفش برداروں میں کر اور یزید اور یزیدیوں کو ہم سے دور رکھ انوار اللغۃ صفحہ ۹/۱۲) حضرت ممدوح الشان نے جو دعا بارگاہ خداوندی میں اس مقام پر کی ہے اس پر ہم صد ہزار بار آمین بالجہر کہتے اور جناب علامہ موصوف کے لئے دعائے خیر کرتے ہوئے اپنی ایک برادرانہ اور نیاز مندانہ شکایت بھی آنجناب کی روح پُر فتوح کے سامنے

پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور وہ یہ کہ آنجناب نے اس مقام پر یہ عقیدہ مخصوص بجماعت اہل حدیث ہی کیوں ظاہر فرمایا ہے یہ تو وہ عقیدہ مسلمہ جمیع اہلسنت ہے جس میں کسی چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جمیع احناف وشوافع وحنابلہ و مالکیہ الغرض جمیع اہل سنت بفضلہ تعالےٰ اسی عقیدے پر قائم ہیں اور انشاء اللہ تا بقیام قیامت اہلبیت علیہم السلام کے غلاموں اور کفش برداروں کی جماعت میں بہزار عقیدت وفخر وافتخار شامل رہیں گے۔ پھر آنجناب نے اس تعمیم کی موجودگی میں اس قابل ہزاراں ہزار فخر غلامی وکفش برداری کے لئے صرف جماعت اہل حدیث ہی کا نام کیوں لیا ہے۔ کیا ارشاد نبوی انی تارک فیکم الخ میں فیکم میں خطاب صرف افراد اہل حدیث ہی سے ہے سوائے معدودے چند نواصب وخوارج کے عالم اسلام کے تمام افراد بقول جامی رح غلام غلامان آل محمدؐ ہونے پر اپنا سر افتخار اونچا کئے ہوئے ہیں اور اس فیکم کے خطاب مستطاب میں اپنے اپنے طرز پر بحیثیت مساوی شرکت کے مدعی ہیں والحمد للہ علےٰ ذلک۔ عارف اسرار سمائی سید لطائف حکیم سنائی علیہ الرحمہ فرما گئے ہیں

جز کتاب اللہ و عترت ز احمد مرسل نماند
یادگارے کو تواں تا روز محشر داشتن

امام حسینؓ باغی تھے یا یزید بن معاویہ باغی تھا

اس بحث میں مذہبی نقطہ نظر سے سب سے اول یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یزید کی بیعت ولی عہدی و بیعت حکومت شرعاً درست تھی یا نہیں اور

کتاب وسنت کی روشنی میں افاضل صحابہ موجودین واہل حل وعقد اور دیگر اکابر نے یزید کی بیعت ولی عہدی اور بعد میں بیعت حکومت کی بنا پر بطیب خاطر اسے علی وجہ الشرع حاکم تسلیم کر لیا تھا یا نہیں اور اس کی فرماں روائی بلامنازع دفراحسم عالم اسلام میں تسلیم ہو چکی تھی یا نہیں - ان سوالات کے جوابات کی یکسوئی ہونے کے بعد ہی بغاوت کے سوال پر غور کیا جا سکتا ہے۔

سب سے اول بیعت کے چند مناظر ملاحظہ فرمائیے۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یزید کی امارت زیر بحث سے اکابر صحابہ موجودین وعامۂ مسلمین ابتدا ہی سے راضی نہ تھے۔ امیر معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کے لئے کیا کیا کارروائیاں نہ کیں اور اس کی تکمیل کے لئے کیسی کیسی داد ودہش نہ کی گئی۔ طرح طرح کی خفیہ وعلانیہ کارروائیاں عمل میں لائی گئیں الغرض ہر ناجائز کارروائی سے حصول مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دریغ نہیں کیا گیا۔ اکابر وافاضل صحابہ موجودین پر بھی طرح طرح کے اثرات ڈالے گئے۔ گراں بہار قوم اس غرض سے پیش کی گئیں کہ یزید کی بیعت ولی عہدی کی تکمیل ہو جائے ازانجملہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی ہے کہ آپ کو ایک لاکھ کی رقم پیش کی گئی۔ مگر جب بیعت کا سوال آنجناب سے کیا گیا تو آپنے غایت کراہت سے جواب دیا کہ کیا میرا ایمان اس قدر ارزاں ہے کہ ایک لاکھ میں فروخت ہونے کے قابل ہو (تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۹۹)

صاحب منتہی الکلام جو جماعت اہلسنت میں سند المتکلمین رح کے لقب سے ملقب ہیں اور جن کے علم وفضل کا شہرہ چاردانگ عالم اسلام میں ہے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :- "(معاویہ) بجہت عبداللہ بن عمر رض صد ہزار درم فرستاد

چوں قاصد بمدینہ رسید آں مال را نزد ابن عمرؓ بردند۔ عبداللہؓ نخست اموال را قبول نمود و چوں نام بیعت (یزید) شنید مال ہا را رد کردہ گفت کہ من پیر شدہ ام و دین من بصد ہزار درم بغایت ارزاں است و مروان بمعاویہ پیغام داد کہ مردم مدینہ معتقد عبداللہ بن عمرؓ اند (ازالۃ الغین صفحہ) مطلب یہ کہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس بھیجے اور آپ نے قبول فرمائے لیکن جب ہی آپ نے بیعت یزید کا نام سنا تو اس مال کو چھوڑ دیا اور فرمانے لگے کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا دین ایک لاکھ درہم میں بہت سستا ہے اس پر مروان نے امیر معاویہ کو لکھ دیا کہ مدینے کے باشندے ابن عمر کے بہت معتقد ہیں (ختم)

علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:۔ والمبایعون لہ مکرھون علی البیعۃ شرح قصیدہ ہمزیہ صفحہ ۲۲۳)

ہمارے مخاطب کے پسندیدہ امام المورخین فی الہند علامہ اکبر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں:۔ امیر معاویہ مدینہ پہنچے ان کی آمد کی خبر سن کر عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس اور حسین علیہ السلام مدینے سے مکے چلے گئے امیر معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر لوگوں کو خوب انعام و اکرام دئے اور ان کے دلوں پر قبضہ پا کر اپنا ہمخیال بنایا اور مروان بن حکم کو سمجھایا کہ مدینہ والوں کے روزینے بڑھا دو۔ ان کو قرض کی ضرورت ہو تو بلا دریغ بیت المال سے قرض دو اور قرض کی وصولی کا تقاضہ نہ کرو جس سے مخالفت کا زیادہ اندیشہ ہو اسے زیادہ زیر بار احسان بناؤ۔ اس کے بعد امیر معاویہ مکہ کو روانہ

ہوئے (وہاں پہنچے تو عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں) (چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ) اہل مکہ سے یزید کی بیعت لی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو یزید کے معاملہ میں اپنا ہم خیال و ہم نوا بنانے میں حضرت امیر معاویہ نے مال و دولت سے زیادہ کام لیا۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۲۳) الغرض جن جن خفیہ و علانیہ کارروائیوں سے یزید کی بیعت ولی عہدی لی گئی اور جس قدر جبر و زور کو کام میں لایا گیا ان سب کی تفصیل ہمارے اس مختصر مقالے میں نہیں سما سکتی۔ کتب تواریخ وغیرہ میں جا بجا ان کا بیان موجود ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ایک طرف یزید کی بیعت خلافت کا غلغلہ بلند ہے اور دوسری طرف جناب امام ہمام ؑ اس کی حکومت ظلم و جور کے خلاف ہو کر برآمد ہوتے ہیں۔ غایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت امام سے بڑھ کر کوئی ہستی امت مرحومہ کے لئے ہر اعتبار سے امامت و قیادت کی حد تک موزوں نہیں تھی۔ آپ کی ذاتی وجاہت آپ کا ریحان رسول ہونا آپ کا سید شباب اہل الجنۃ ہونا، آپ کا اعزاز تخصوصہ حسین منی وانا من الحسین سے سرفراز ہونا آپ کا ابن رسول و ابن امیر المومنین ہونا۔ آپ کا ثقلین میں شمول آپ کی ذاتی صلاحیت و قابلیت امور دین و خلافت میں۔ یہ سب امور ایسے تھے جن سے جمیع اعیان و اکابر صحابہ رض اور دیگر عامۂ مسلمین کو ہرگز ہرگز اختلاف نہ تھا۔ تمامی صاحبان بصیرت کی نگاہ میں جو وقعت آپ کو آپ کے مخصوص ذاتی و صفاتی حالات و مناقب عالیہ کی بنا پر حاصل تھی وہ کسی دوسرے کو اس

وقت کہاں حاصل تھی۔ بنی ہاشم میں سے اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بقید حیات موجود تھے اور عمر میں حضرت حسینؑ سے کچھ زیادہ بھی تھے اور اکابر صحابہ رضؓ میں بھی آپ کا شمول تھا اور جناب امیرؑ کے تلمذ کا بھی آپ کو شرف حاصل تھا۔ مگر ان دونوں کے مراتب فضل اہل عقیدت سے مخفی نہیں ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن عم رسول اللہ تو ضرور تھے مگر ابن رسول اللہ نہ تھے نہ ان کے لئے جوانان جنت کی سرداری کی بشارت تھی نہ ان میں کوئی خصوصیت حسین منی وانا من الحسینؑ کی سی تھی نہ ان کا داخلہ ثقلین کی منقبت میں تھا نہ ان کا تعلق آیہ تطہیر سے تسلیم تھا نہ انہیں شریک مباہلہ ہونے کا مخصوص اعزاز حاصل ہوا تھا نہ یہ ابن امیر المومنین و امام الاشجعین وشبل اسد اللہ الغالب تھے نہ ان کے لئے سید الشہداء کا شرف عظیم وجلیل مقسوم تھا نہ ان کی ذاتی صلاحیت امور خلافت میں بمقابل جناب سید الشہداء علیہ السلام بالاتر تھی۔ بلکہ بصرہ کے بیت المال کا محاسبہ ہونے کے بعد سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلط یا صحیح طور پر آنجناب رضؓ کی انتظامی صلاحیت میں کلام کرنے کی گنجائش پیدا ہو چکی تھی۔ الغرض ان تمام وجوہ اور بعض دیگر وجوہ کی موجودگی میں تمامی افاضل صحابہ کرام رضؓ کی انظار حقیقت بیں میں سوائے جناب سید الشہداء علیہ السلام کی ذات اقدس کے اور کوئی ہستی اس وقت احق بامامت نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔ مورخ شہیر علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "باغیوں سے لڑنے کے لئے امام عادل کا ہونا شرط ہے اور حضرت امام حسینؑ سے زیادہ آپ کے زمانہ میں امامت و عدالت کے بارہ میں کونسا شخص

زیادہ احق ہے یا احق ہو سکتا ہے" (صفحہ ۳۴) الغرض اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ جمیع افاضل صحابہ و عامۂ مسلمین کی تمام ہمدردیاں جناب امام ہمام کے ساتھ تھیں مگر رعایا کے پاس وہ ذرائع نہ تھے کہ سلطان جائر و ظالم سے مقابلہ و مقاتلہ کرنے کے لئے فوراً آمادہ ہو کر سیف و سنان ہاتھ میں لے لیتے۔

صاحب منتہی الکلام جناب سند المتکلمین طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں :—

"بباید دانست کہ تمامی اہل حل و عقد از بیعت یزید و امارت او مستنکف بودند از ہم در وقت معاویہ و ہم در وقتے کہ او از جہان فانی درگذشت و آں حق و اہلیت جناب امام حسین دراں وقت متعین است زیرا کہ خلافت بعد ذی النورین رضؓ باتفاق مہاجرین و انصار در زمرۂ اہلبیت اطہار بود (اس کے چند سطر بعد تحریر فرماتے ہیں) ہر چند ثم خلافت بسوئے معاویہ بن ابی سفیان واقع شد و لیکن حکم وثیقہ کہ بہ گواہی سران در لشکر عظیم موسس و مشید و موثق و موکد گردیدہ بود بر بعضے از روایات صراحتاً این است کہ خلافت بعد از معاویہ بسوئے اہلبیت نبوی صلعم باز گردد پس خلافت و امامت حضرت امام حسین متعین شد و بر روایت دیگر ہم حکم وثیقہ بود ہمیں معنی می کند کہ حضرت امام حسین باشند زیرا کہ جمیع شروط کہ در حقیقت معنی امامت است و در انجا باتفاق اہل حل و عقد موجود بودکسے منکر آں نبود و بیعت مردم شرط نیست بلکہ کاشف است کما ثبت فی الکتب الکلامیہ مثل شرح المواقف و آں ہم فی الجملہ یافتہ شد خصوصاً نظر باین معنی کہ اکابر اہل مکہ و مدینہ نیز اہل

باانجناب بودند چنانچہ در تواریخ است پس قوت قریب من الفعل کہ از سابق حاصل بود گویا عیاناً وجہرۃً بمرتبہ ظہور رسید فکیف کہ در احادیث شریف ایں ہم موجود باشد کہ حضرت پیغمبر صلعم واقعہ کربلا را یاد فرمودند و مقاتلین امام حسین را بہ بغاوت تعبیر نمودند و بر عقلا مخفی نیست کہ انتظام ذاتیات امامت موقوف بر مہلت است و امام حسین در اثنائے راہ محصور شدند لاجرم نفی انتظام مستلزم ایں معنی نہ باشد کہ تقریرش بر طبق بعضے از کتب کلامیہ بعمل آید پس دیدیم کہ کلامش از کجا بہ کجا رسید بر اصول اہلسنت جگر نہ امام تواند شد (انتہی کلامہ علیہ الرحمہ - ازالۃ العین صفحہ)

خلاصہ مطلب حضرت سند المتکلمین کی عبارت منقولہ کا یہ ہے کہ امیر معاویہ کے زمانے میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی تمامی اہل حل وعقد یزید کی بیعت اور اس کی امارت سے نفرت کرتے تھے اور امام حسینؑ کا اس زمانے میں استحقاق و اہلیت مسلّم ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت باتفاق مہاجرین وانصار اہل بیت کی جماعت ہی میں تھی اور اگرچہ صلح حکومت معاویہ بن ابی سفیان کے حق میں ہوا تھا لیکن جس وثیقہ کو دونوں عظیم لشکروں کے سرداروں نے مرتب کیا تھا اس میں بربنائے بعض روایات بصراحت یہ شرط موجود تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت اہلبیت نبوی کی طرف پلٹے گی پس اس واقعہ سے امام حسینؑ کی خلافت متعین ہوگئی اور اگر دوسری روایت پر غور کیا جائے تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسینؑ ہی بر خلافت کا تعین ہوگیا کیوں کہ تمامی شروط جو درحقیقت نہی امامت ہیں امام حسینؑ میں باتفاق اہل حل وعقد موجود تھے اور کسی

کو بھی اس سے انکار نہ تھا۔ صرف لوگوں کی بیعت مثبت (خلافت) نہیں ہوتی ہے بلکہ (بیعت) کاشف حالات ہی ہوتی ہے جیسا کہ کتب کلامیہ مثل شرح مواقف وغیرہ میں درج ہے اور یہ مقصد بھی فی الجملہ حاصل ہو گیا، اور وہ خصوصاً ان حالات میں کہ اکابر اہل مکہ بلکہ اکابر اہل مدینہ بھی امام حسین کی طرف مائل تھے اور یہی کتب تواریخ میں بھی درج ہے اس لحاظ سے ایک امر جو بالقوۃ مگر قریب بفعل تھا بالفعل ہو کر عیاناً نادر جہرۃً ظاہر ہو گیا اور خصوصاً ان حالات میں کہ احادیث نبوی صلعم میں یہ ذکر ہوا ہے کہ حضور نے واقعہ کربلا کا ذکر فرمایا اور امام حسینؑ سے قتال کرنے والوں کو حضورؐ نے باغی قرار دیا۔ عقلا خوب جانتے ہیں کہ کسی فرد کی ذات پر خلافت کا منتظم ہونا مہلت پر موقوف ہے اور امام حسینؑ اثنائے راہ میں محصور ہو گئے۔ محقق نفی انتظام سے اس نتیجہ کا لزوم پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ بعض کتب کلامیہ سے بھی لکھ دیا گیا ہے۔ پس یزید لئیم جس کا ظلم کہاں کہاں پہنچا ہوا تھا اہلسنت کے اصول پر کس طرح امام مانا جا سکتا ہے (انتہی)

جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ کے اس کلام صداقت التیام سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے کہ:۔

(۱) امیر معاویہ کے عہد سلطنت میں اور اس کے بعد بھی جمیع اہل حل وعقد یزید کی امارت سے نفرت کرتے تھے۔

(۲) امام حسین کی اہلیت واستحقاق امامت مسلمہ اہلسنت ہے۔

(۳) معاہدہ نامہ تفویض حکومت بحق امیر معاویہ کی رو سے خلافت اہلبیت اطہار کی طرف پلٹنے والی تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ خلافت امام حسینؑ پر متعین

ہو گئی۔

(۴) اگر دوسری روایت زیر غور ہو تب بھی امام حسینؑ پر ہی خلافت کا تعین ہوتا ہے کیونکہ تمامی اہل حل وعقد آپ کے جامع الصفات ہونے پر متفق تھے اور کوئی بھی منکر نہ تھا۔

(۵) بیعت ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ تعین خلافت کا انکشاف ہو گیا ورنہ بذات خود بیعت مثبت حق خلافت نہیں ہوتی۔

(۶) چونکہ تمامی اہل مکہ واہل مدینہ کا اصلی اور حقیقی میلان جناب امامؑ کی جانب تھا اس لئے بیعت کا اصلی اور حقیقی مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ ان تمام حالات میں جناب امام کا حق امامت وحکومت جو پہلے سے بالقوۃ مگر قریب لفعل تھا اب عیاناً بالفعل ہو کر ظاہر ہو گیا۔

(۷) آنحضرتؐ نے واقعہ کربلا کا ذکر فرماتے ہوئے مخالفین امام حسینؑ کو باغی بیان فرمایا ہے۔

(۸) چونکہ جناب امام حسینؑ کو کربلا میں محصور ہو جانے کے باعث مہلت نہ مل سکی اس لئے خلافت کا انتظام نہ ہو سکا مگر یہ عدم انتظام قادح نفس امامت وامارت نہیں ہو سکتا۔

(۹) یزید کے ظلم کی کوئی حد وانتہا نہیں کہ از روئے قواعد وعقائد مسلمہ اہلسنت یزید کسی طرح بھی امام برحق تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے

یہ ہے اصلی اور حقیقی نقطۂ نظر اہلسنت کا جناب امام حسینؑ سید الشہدا اور یزید کی امامت وحکومت کے مناقشات کی حد تک جیسے ہمارے سند المتکلمین علیہ

الرحمہ نے اپنے اس بیان میں واضح فرمایا ہے اور اس کی موجودگی میں ہمارے ناظرین بطور خود یہ رائے قائم فرما سکتے ہیں کہ امام حسینؑ باغی تھے یا یزید باغی تھا۔

اس بحث میں ہمارے مخاطب عالی مقام نے ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خلیفہ کے مقرر ہو جانے کے بعد اگر کوئی دوسرا مدعی خلافت پیدا ہو جائے تو اسے قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو مگر اس حدیث سے استدلال کرتے وقت آنجناب کو مطلقاً یہ خیال نہ رہا کہ سب سے پہلے اس حدیث کے مضمون کی زد میں خود امیر معاویہ آتے ہیں جو باتفاق جمیع اہلسنت اور بقول جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ قاطبتاً باغی قرار پا چکے ہیں اور جو طلب قصاص حضرت عثمانؓ کی آڑ لے کر حکومت و سلطنت خلیفہ راشد برحق سے چھیننے کے لئے برآمد ہوئے تھے اور بالآخر بعد از خرابی بسیار ہزارہا مسلمانوں کا خون کرا دینے کے بعد اور بغاوت کی ابدی سند لے کر اپنے اس مقصد میں کئی سال کے بعد بلطائف الحیل کامیاب بھی ہو گئے اور سریر سلطنت جائرہ پر سالہا سال تک جلوس فرما کر بالآخر اس ملک عضوض کی فرمانروائی بخلاف منشائے جمہور مسلمین اپنے لائق فرزند کی سپرد کر گئے۔

اب رہا حدیث زیر بحث کا تعلق حضرت امام ہمام علیہ السلام کی حد تک۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ جمیع علمائے اہلسنت اس پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے مضمون کا کوئی ادنیٰ تعلق بھی جناب امام ہمامؑ کی ذات والا صفات سے قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جناب خاتم المحدثین علیہ الرحمہ کی عبارت قبل ازیں نقل ہو چکی ہے کہ امام حسینؑ کا یہ اقدام دفع تسلط یزید کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط

یزید کے لئے مطلب یہ کہ یزید کی حکومت حقیقی معنی میں قائم ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے قرار و قیام میں مزاحمت کی جا رہی تھی۔ متعدد دیگر مقامات پر بھی ہماری اس کتاب میں اس بحث کے اجزا ملیں گے اور عقیدتاً بھی اہلِ سنت کا کوئی فرد اس حدیث کے مضمون کے تحت جناب امام حسین ع کو کشتنی و گردن زدنی تسلیم نہیں کر سکتا۔ جائے غور ہے کہ جس ہستی کو زبان وحی ترجمان نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سرداری جوانان جنت کی بشارت مل چکی ہو ہم عقیدہ مسلمہ اہلسنت کی بنا پر کسی طرح کشتنی و گردن زدنی نہیں قرار دے سکتے۔ اللہ اکبر جس ہستی کے لئے حضور سرور کائنات فرمائیں کہ حسین منی و انا من الحسین اسی ہستی کو ہمارے یہ یاران طریقت کشتنی و گردن زدنی ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

دیگر تمام ذاتی و صفاتی فضائل حسین علیہ السلام سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے اور صرف یہی ایک منقبت عظمیٰ جوانان جنت کی سرداری کی پیش نظر رکھی جائے۔ تو جناب امام ہمام کا مضمون حدیث زیر بحث کے تحت کشتنی و گردن زدنی قرار پانا ہمارے لئے عقیدتاً محال قرار پاتا ہے۔ یہ منقبت حسنین علیہما السلام شہرت و تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے اور مساجد مقدسہ مسلمین میں بھی ہر خطبہ جمعہ و عیدین میں سامعہ نواز و ایمان فروز جماعت مومنین ہوتی رہتی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کے علاوہ امام احمد و طبرانی و ابو نعیم و دیلمی و ابن عساکر و ابو یعلی وغیرہم من المحدثین والمورخین نے اپنی اپنی صحیح و سنن و مسانید و معاجم و دیگر کتب میں اسے باسانید حسنہ نقل فرمایا ہے اور

اس میں کیا شک ہے کہ حسنین علیہما السلام کی یہ سرداری سراسر باعث خنکی چشم و
راحت قلوب اہلسنت ہے۔

ایہا المسلمین! جائے غور ہے کہ اصحاب عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جو
عزت و وقعت عام مسلمین کے نزدیک عقائد میں داخل ہے اس کی خاص وجہ کیا ہے
وہ خاص وجہ یہی ہے کہ بعقیدۂ اہلسنت ان مقدس ہستیوں کو جناب سید الانبیاؑ
نے ان کے جیتے جی ہی داخل بہشت ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ ایسی ہی ایک
بشارت نہ صرف داخل بہشت ہونے کی بلکہ بہشت کے جوانوں کی سرداری کی بھی
حسنین علیہما السلام کو دی گئی۔ الغرض یہ نہ صرف بہشتی ہی قرار دیئے گئے بلکہ جوانان
جنت کی سیادت و قیادت کا سہرا بھی ان کے سر باندھا گیا۔ کس طرح ہم باور
کر لیں کہ یہ سردار جوانان بہشت ہمارے مخاطب کے امیر المومنین یزید کے خلاف
اقدام کرنے کی پاداش میں بموجب مضمون زیر بحث کشتنی و گردن زدنی قرار پائے ہیں
اعاذنا اللہ عن الوساوس والخیالات و نجانا من ظلمات الھوا
جس و کدورۃ الخرافات۔

قال المخاطب:۔ یہ غلط ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یزید
کی بیعت ولیعہدی لینے میں ناجائز ذرائع استعمال کئے اور اس دوادوش میں زمین
آسمان ایک کر دیا تھا اور زور و زر کو کام میں لا کر یزید کے لئے بیعت ولیعہدی
حاصل کی تھی۔ تمام صحابہ کرامؓ نے بطیب خاطر اولاً بیعت ولی عہدی اور بعد میں
بیعت خلافت امیر المومنین یزید کی تھی جن کی صلاحیت و قابلیت کا سکہ تمامی
افاضل اصحاب و عامۃ المسلمین کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا.... الخ (انتہی بطور خلاصہ)

الجواب:- ان تمام امور کے جوابات ہمارے ان اوراق میں مختلف مقامات پر بیان ہوئے اور بعض دیگر جوابات بھی اپنے اپنے مقامات پر ملیں گے۔ البتہ ہم اس جگہ یہ ضرور ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ فی الواقع امیر معاویہ نے حصول بیعت ولی عہدی یزید کے لئے کوئی امکانی کوشش باقی نہ چھوڑی تھی اور ناجائز ذرائع کام میں لاتے ہوئے ترغیباً و ترہیباً زمین و آسمان کو ایک کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس سلسلے میں خاص طور پر شہرت یافتہ ہے۔ اس بحث کے سلسلے میں صاحب منتہی الکلام جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ ایک مقام پر اپنے مخالف مناظر کو خطاب فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:- چرا نم کہ صدور صفقہ بیعت داں ہم برضا و خوشنودی از عبداللہ بن عمر رضہ در کدام وقت رو دادہ۔ زمانے کہ معاویہ لبقید حیات بودہ انواع حیلہ ہا اقسام تدابیر برائے اخذ بیعت از عبداللہ مذکور و امثالش ترغیباً و ترہیباً در خلوت و جلوت علے ما صرح بہ علماء الفریقین بعمل آورد و زمین را با آسمان دوخت ہیچ تدبیر ازاں سودمند نگردید و وقتے کہ معاویہ جان بجان آفریں سپرد و یزید پلید حاکم مدینہ را از اں اعلام نمود و بیعت از عبداللہ بن عمر رضہ و امام حسین رضہ وغیرہما درخواست و بتاکید بلیغ نوشت کہ اگر بیعت نکنند سرہائے شاں باید فرستاد و نوبت بہ ہجرت و تغلیق ابواب رسیدہ و ہرگز عبداللہ مذکور بیعت نکردہ ..... معلوم نمی شود کہ بیعت و رضائے عبداللہ بن عمر رضہ در کدام زمان است (ازالۃ الغین صفحہ ۳۶۸)

دیکھا جناب والا آپ نے اس عبارت سند المتکلمین رح سے یہ امور ثابت ہیں

کہ امیر معاویہ نے یزید کی بیعت ولی عہدی حاصل کرنے میں کوئی ذریعہ از قسم ترغیب و ترہیب وغیرہ باقی نہ چھوڑا۔ اور بیعت کے حصول کی سعی ناجائز میں زمین آسمان ہی ایک کر دیا تھا۔ پھر ہم نے کیا غلط تحریر کر دیا تھا جو آپ معترض ہوئے۔

اب رہی بحث یزید کی صلاحیت و قابلیت خلافت کی۔ ہم حیران ہیں کہ اجلہ صحابہ کرام موجود ہیں جب خود یزید کے بیعت سے نفرت کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی حضرت عبداللہ بن عمر کی کراہت و استنکاف کا ذکر ہوا تو اس سے بڑھ کر اور کون سی معتبر شہادت یزید کی عدم صلاحیت و عدم قابلیت کی ہو سکتی ہے اگر آنجناب کے نزدیک ایسے ایسے گرامی قدر صحابہ رسول کی شہادت کا پایہ اعتبار سے ساقط ہے تو بہت خوب۔ ہم آپ ہی کے مقبول امام المورخین فی الہند جناب علامہ اکبر شاہ خان مرحوم کی شہادت یزید کی قابلیت و صلاحیت کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ یہ وہی بزرگ مورخ ہیں جن کی مدح و ثنا ہمارے مخاطب عالی مقام نے تین سطروں میں تحریر فرما کر ان کو امام المورخین فی الہند کے گراں قدر خطاب سے ملقب فرمایا ہے اور کیوں نہ یہ اعزاز بخشا جاتا کہ جناب مورخ مذکور نے امیر معاویہ کی مدح و منقبت میں عمدہ مورخ سے تجاوز فرما کر کئی اوراق اپنی تاریخ کے نذر فرما دئے ہیں اور معذرت بھی لکھی ہے کہ میں بحیثیت ایک مسلمان اور نہ بحیثیت ایک مورخ کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ثنا و منقبت نویسی پر مامور و مجبور رہوں وغیرہ۔ جناب مورخ ممدوح اپنی تاریخ میں حضرت مخاطب کے امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین حضرت یزید رض کے محامد جلیلہ و مناقب جلیلہ کا بیان اس طرح رقم فرماتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیے اور ان امیر المومنین

کی قابلیت و صلاحیت خلافت کی داد دیجیے۔ فرماتے ہیں آپ کے امام المورخین فی الہند :- ہاں اس میں شک نہیں کہ یزید لہو لعب میں بھی مصروف رہتا تھا سیر شکار میں بھی اپنا وقت ضائع کرتا تھا۔ مدینہ منورہ پر بھی اس نے فوج بھیجی۔ خانہ کعبہ پر بھی اس نے سنگباری کی ابن زیاد اور شمر کو بھی اس نے ایسی سخت سزائیں دی جس کے وہ مستحق تھے۔ خواجہ سراؤں کو بھی اس نے خدمتگذاری پر مامور کیا۔ رقص و سرود کی محفل میں بھی اس نے شرکت کی۔ یہ اور اسی قسم کے عیوب اگر اس میں تھے تو یقیناً وہ اس قابل نہیں تھا کہ اسے ایک منٹ کے لئے بھی مسلمانوں کا بادشاہ اور سردار تسلیم کیا جائے اور ہمارا حق ہے کہ ہم اسے بُرا سمجھیں اور ہرگز اس کے لئے کوئی رعایت روا نہ رکھیں لیکن ان عیوب میں وہ منفرد نہیں ہے بلکہ ایسے نالائق بادشاہوں کی ایک طویل فہرست ہے اسی فہرست میں یزید کا بھی ایک نام شامل ہے (تاریخ اسلام صفحہ ۲/۲۵)

ہم حیران ہیں کہ جناب محقق و مورخ ممدوح کے اس قصیدہ منثور کی داد دیں جو شاید انہوں نے تاکید المدح بما یشبہ الذم کے طور پر اس خلیفہ راشد کی شان میں تحریر کیا ہے یا جناب مخاطب والاحتشام کے اس دعوے پر ماتم کریں کہ حضرت امیرالمومنین یزید کی صلاحیت و قابلیت خلافت کا سکہ بشمول افاضل صحابہ کرام تمام عالم اسلام پر بیٹھا ہوا تھا اور بطیب خاطر تمام افاضل صحابہ و کافہ انام نے یزید کی بیعت کی تھی اور ان کی بیعت کی غرض سے عالم اسلام سے اس کثرت سے وفود آئے تھے جس کی نظیر خلافت راشدہ میں سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ ان حالات میں ہم کیا کہیں بجز اس کے کہ :-

"اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی"

(وفو ذانے کی بحث دوسرے مقام پر ملاحظہ ہو)

اب رہی یہ شرعی بحث کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا عویدار خلافت اگر پیدا ہو جائے تو اس کا قتل کر دینا واجب ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس کا کوئی تعلق جناب امام ہمام ؑ کی ذات والا صفات سے ہرگز ثابت نہیں ہے کیونکہ آپ دفع تسلط یزید کے لئے ہی برآمد ہوتے تھے نہ کہ رفع تسلط یزید کے لئے جس کی وضاحت علمائے کرام اہلسنت نے جابجا کر دی ہے اور ایک دو مقام پر ہماری اس کتاب میں بھی نقل ہوئی ہے۔ البتہ اس حکم شرعی کے تحت امیر معاویہ کا واجب التعزیر ہونا ہی قابل غور ہو سکتا ہے کیونکہ بعقیدہ مسلمہ اہلسنت (قاطبۃً) دو برحق خلیفوں کے خلاف جرم بغاوت کا ارتکاب انہوں نے کیا ہے۔ ان کا باغی ہونا بلا خلاف اہلسنت میں تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مدیر انجم جن کا نام نامی زمانۂ حال کے موافقین و مداحین امیر معاویہ میں غالباً سرفہرست ہے عقیدۂ اہلسنت کی تشریح کرتے ہوئے عقیدہ نمبر ۱ کے ذیل میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:- "اس لڑائی (صفین) کے متعلق اہلسنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضا اور انکے ساتھی باغی اور خاطی مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں..... الخ (سیرت خلفائے راشدین صفحہ مصنفہ جناب ممدوح)

یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ جرم بغاوت کے لئے ان کو برا کہنا چاہیئے یا بھلا کہنا چاہیئے یہاں مقصود صرف یہ ہی ظاہر کرنا تھا کہ بڑے سے بڑے مداحین امیر معاویہ کو بعقیدۂ اہلسنت ان کے اس جرم میں بجز اقبال جرم کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس بحث کی تفصیلات میں ہم قصداً اس مقام پر جانا نہیں چاہتے اور اقبال جرم کے بعد کی شہادت صفائی کی اس بحث کو دوسرے مقام پر تحریر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

باب چہارم

صحیح بخاری شریف میں یزید کی منقبت

مغفرتِ یزید پر حدیث جہاد قسطنطنیہ کی بحث

مخاطب عالی مقام نے بخاری شریف سے دو حدیثیں اس امر کے اثبات کے لئے نقل فرمائی ہیں کہ امیر المومنین یزید خلیفہ راشد برحق مومن کامل اور مغفور ہیں۔ ان دو میں سے پہلی حدیث جہاد قسطنطنیہ کے تعلق سے ہے۔ الفاظ حدیث ملاحظہ ہوں:- قال النبیؐ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (بخاری شریف کتاب الجہاد) یعنی نبیؐ نے فرمایا کہ میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر جہاد کریگی اس کے لئے مغفرت ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ قیصر جس کا ذکر متن حدیث میں ہے قسطنطنیہ ہے اور چونکہ اس شہر پر پہلی بار لشکر کشی یزید کی قیادت میں کی گئی ہے اس لئے یزید کی مغفرت کے لئے یہ ایک نص صریح ہے اور مغفرت کے لئے صاحب ایمان یعنی مومن ہونا ضروری ہے اور کوئی شخص جو مومن بھی ہو اور خلیفہ بھی ہو اس کی خلافت برحق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یزید مومن بھی ہے مغفور بھی ہے اور اس کی خلافت بھی برحق ہے یہ ہے طرز استدلال ہمارے مخاطب عالی مقام کا۔

اس بحث میں سب سے پہلا امر قابل غور یہ ہے کہ متن حدیث کے الفاظ

میں کسی شہر کا مشہور نام بطور علم درج نہیں ہے بلکہ مدینہ قیصر ظاہر کیا گیا ہے جس سے غالباً یہ مطلب ہو گا کہ جس شہر میں بعہد نبوی قیصر کی آمرانہ سکونت مستقل طور پر رہی ہو گی اسی طرف آنحضرت صلعم نے اشارہ فرمایا ہو گا۔ سلطنت رومۃ الکبریٰ کا مستقل دار السلطنت تو روم تھا۔ اس طویل وعریض سلطنت میں انتظامی اغراض کے لئے چند ذیلی دار الحکومت بھی قائم تھے جن میں نائبان سلطان منجانب قیصر متعین رکھے جاتے تھے ازانجملہ سلطنت رومۃ الکبریٰ کا ذیلی اور مشرقی دار الحکومت کسی ایک زمانے میں قسطنطنیہ بھی رہا تھا جہاں نائب السلطنت متعین رہتا تھا۔ ان تمام حالات میں جب تک کہ کسی مخصوص شہادت سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ بزمانہ رسالتمآب صلعم قسطنطنیہ اور صرف قسطنطنیہ ہی "مدینہ قیصر" بطور علم بولا جاتا تھا ہم محض کسی شخص کی ذاتی رائے کی بناء پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدینہ قیصر سے آنحضرت کی مراد خاص قسطنطنیہ ہی سے تھی۔ اگر قیصر کی آمرانہ سکونت کی شرط کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہر وہ شہر جو اس وسیع سلطنت میں واقع ہو مدینہ قیصر کہا جا سکتا تھا۔

ہمارے مخاطب نے اپنے بیان کی تائید میں محدث مہلب کی رائے پیش کی ہے کہ مدینہ قیصر سے مراد شہر قسطنطنیہ سے ہے مگر یہ ایک شخص کی رائے ہی ہے جس کی تائید میں لغت و محاورات عرب سے زمانہ رسالتمآب صلعم کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی جس سے یہ تسلیم کر لینا لازم ہو جائے کہ مدینہ قیصر سے سوائے قسطنطنیہ کے اور کوئی شہر مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایک طرف محدث مہلب کی رائے یہ ہے کہ مدینہ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ سے ہے تو فتح الباری ہی میں ابن التین اور ابن المنیر کے بیانات موجود ہیں جن میں محدث مہلب کی اس رائے کی تغلیط و تردید کرتے ہوئے بیان کر دیا گیا ہے کہ مدینہ قیصر سے مراد شہر حمص سے ہے۔ شمس العلماء حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور و معروف تصنیف الفاروق میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "بعد از معاملہ حلب حضرت

ابو عبیدہ رضؓ بہ انطاکیہ آمد واز جہت کہ ایں شہر دار السلطنت قیصر بود اکثری از روم و نصاریٰ درآنجا پناہ گزیں بودند (الفاروق فارسی ... مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور ترجمہ عفت مآب علیا جناب خواہر پاکیزہ گوہر اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ بادشاہ افغانستان)۔

جناب مولانا عبد الشکور لکھنوی مدیر النجم تحریر فرماتے ہیں:۔ یرموک کی لڑائی میں شکست پانے کے بعد بادشاہ روم اپنے دار السلطنت حمص سے بھاگ گیا الخ (سیرت خلفائے راشدین صفحہ ۳۹) علامہ اکبر شاہ خاں اپنی مشہور تاریخ میں فرماتے ہیں: "انطاکیہ قیصر ہرقل کا ایشیائی دار السلطنت تھا (تاریخ اسلام صفحہ ۲۳۹ ا)

ہمارے ناظرین نے اندازہ فرما لیا ہوگا کہ مدینہ قیصر کے بیان میں ابہام صریح موجود ہے اور اس کے تعین میں احتمالات و اختلافات ہیں۔ کسی کی رائے ہے کہ مدینہ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ سے ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بزمانہ آنحضرت قیصر کا دار السلطنت حمص تھا بعض کا بیان یہ ہے کہ دار السلطنت قیصر انطاکیہ تھا جیسا کہ الفاروق وغیرہ کی منقولہ عبارات سے ابھی واضح ہوا۔ ان مختلف اقوال و تشریحات سے جو ابہام صریح و جلی پیدا ہو رہا ہے اسے کس طرح رفع کیا جا سکتا ہے بلکہ ہم باطمینان تمام یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مدینہ قیصر سے مراد دار الحکومت قیصر ہی سے ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مدینہ قیصر بیان فرماتے وقت حضور اقدس کی مراد کس شہر سے تھی۔ جب تک یہ ابہام و احتمال رفع نہ ہو لے۔ بہر صورت و بہر حال اس حدیث شریف زیر بحث سے منقبت یزید کا کوئی دور کا تعلق بھی قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ایسا استدلال جس میں متعدد احتمالات و امکانات و قیاسات و عندیات کا دخل ہو سراسر باطل ہی سمجھا جائے گا۔

حدیث شریف کے الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ مدینہ قیصر پر خواہ وہ کوئی

شہر بھی ہو سب سے پہلی مہم کی منقبت بیان کی جا رہی ہے جہاں تک قسطنطنیہ کا سوال ہے یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یہ لشکر جو قسطنطنیہ پر بھیجا گیا ہے اور جس میں یزید کی شرکت ظاہر کی جا رہی ہو سب سے پہلا لشکر تھا اور اس سے قبل کسی اسلامی لشکر کو اس طرف نہیں بھیجا گیا تھا کوئی تاریخی شہادت خاص اس امر کے اثبات کے لئے بیان میں نہیں آئی۔ بخلاف اس کے بعض کتب تاریخ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ اس سے قبل بھی عساکر اسلامیہ اس طرف گئی ہیں مگر یہاں چونکہ مدینہ قیصر کے تعین ہی میں ابہام موجود ہے اس بحث کی تفصیلات میں جانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پائی جاتی۔

اگر باغراض بحث تنزلاً یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مدینہ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ ہی سے ہے اور یہ سب سے پہلا جہاد بھی ہو جو اس شہر پر یزید ہی کی قیادت میں ہوا تھا تو اس بحث کا دوسرا پہلو بھی سامنے آ جانا لازمی ہے اور وہ یہ کہ حدیث زیر بحث میں کسی ایک فرد لشکر مثلاً یزید ہی کے نام سے مغفرت کی بشارت نہیں ہے بلکہ مغفرت کی بشارت لشکر کے لئے مجموعی طور پر بیان ہوئی ہے۔ اور جب یہ صورت ہے تو مستثنیات عقلیہ کا وجود اس مقام پر تسلیم کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص بیان کرے کہ اس درخت کے پھل تمام باغوں کے پھلوں سے بہتر ہیں اس شخص کا یہ بیان اس لحاظ سے تو بالکل ہی اور درست خیال کیا جائیگا کہ علی الاکثر اس درخت کے پھل تمام باغوں کے پھلوں سے بہتر اور اعلیٰ ہوتے ہیں مگر اسی درخت کے وہ پھل کبھی بہتر اور اعلیٰ نہیں سمجھے جا سکتے جو کسی وجہ سے نقصان رسیدہ ہو گئے ہوں۔ مثلاً

ژالہ باری یا موسمی ہوا کے اثر سے یا کرم خوردگی یا اور کسی اندرونی یا بیرونی صدمے کے اثر سے خراب ہو گئے ہوں وہ اس عام حکم سے بغیر خاص طور پر بیان کئے ہوتے ہی مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ اس قسم کے مستثنیات عقلیہ کی تخصیص و تعیین و تفصیل و تشریح دوران کلام اکثر و بیشتر غیر ضروری بلکہ حشو قبیح میں داخل سمجھی جاتی ہے اور محض اکثریت کے اعتبار پر ہی کلیہ بیان کر دیا جاتا ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ اس جائز الوقوع اور کثیر الوقوع شکل کو خاص اس مسئلہ زیر بحث کی حد تک مستبعد اور قطعاً غیر متعلق قرار دے دیا جائے خصوصاً جب کہ کثیر تعداد میں اس کے خلاف شواہد بھی موجود ہوں اور عالم اسلام کے در و دیوار و کوچہ و بازار سے اس کے خلاف متواتر صدا بھی بلند ہو رہی ہو۔

حدیث نبوی اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صحابی رسول کی بھی پیروی کی جائے موجب ہدایت ہے لیکن سب تسلیم کرتے ہیں کہ تمام وہ اصحاب رسول جن کا ذکر حدیث مذکور میں ہوا ہے یا بعض صحابہ کے قدم کسی وجہ سے جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے ہوں ان کی پیروی سے حصول ہدایت نہیں حاصل کی جا سکتی ہے الغرض صدہا مقامات سے ان مستثنیات عقلیہ کا وجود و جواز ثابت کیا جا سکتا ہے جو بغیر کسی مخصوص صراحت و تشریح کے ہر ایک جامع بیان میں از خود ہی موجود سمجھ لیے جاتے ہیں کہ وما من عام الا وقد خص۔

ان خاص حالات میں یہاں تک بھی بیان کر دینا بے محل نہیں ہو سکتا کہ خدائے کارساز نے کبھی کبھی دین حق کی تائید و نصرت و تقویت کا سامان رجال

فاجرین سے بھی کرا دیا ہے بفحوائے مضمون حدیث شریف ان اللہ یوید ھذا الدین بالرجل فاجر پس دراں حالے کہ ہم نے بر سبیل تنزل تمامی بیانات حضرت مخاطب تسلیم کر لئے ہیں کسی منقبت کا اثبات یزید کی حد تک کس طرح مانا جا سکتا ہے مخاطب عالی مقام نے اپنے تمام استدلال کو محدث مہلب کی ایک منفرد رائے پر قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فی ھٰذا الحدیث منقبتہ لمعاویہ لانہ من غزا البحر ومنقبتہ لولدہ لانہ من غزا مدینۃ قیصر۔" یعنی حدیث سے معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ انہوں نے دریا میں جنگ کی اور ان کے فرزند کی منقبت ثابت ہوتی ہے کہ اس نے مدینہ قیصر پر جنگ کی (ختم) امیر معاویہ کی منقبت زیر بحث ہے تو اس وقت کوئی بحث نہیں البتہ ان کے فرزند و ولی عہد سلطنت کی منقبت ہی زیر بحث ہے۔ حضرت مخاطب نے محدث مہلب کی ایک رائے تو بتقاضائے ولائے امیر المومنین یزید غایت عقیدت سے نقل فرما دی مگر اس کے بعد کی عبارت نقل کرنا خلاف مصلحت خیال فرمایا بہت خوب۔ اب ہم وہ عبارت یہاں نقل کئے دیتے ہیں جس سے بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ آنجناب نے اس عبارت کو کس خاص مصلحت کی بنا پر نقل کرنا مناسب خیال نہ فرمایا تھا اور وہ یہ ہے۔ وتعقبہ ابن التین وابن المنیر ما حاصلہ انہ لایلزم من دخولہ فی ذلک العموم ان لایخرج بدلیل خاص اذلا یختلف اھل العلم ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور لہم مشروط بان یکون من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا

فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منہم (فتح الباری صفحہ ۱۰۲) یعنی ابن التین اور ابن المنیر نے بیان کیا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں ہو جاتا کہ وہ کسی خاص دلیل سے بھی اس عموم سے خارج نہ ہو سکے کیونکہ اہل علم اس پر متفق ہیں کہ رسول مقبول کا یہ فرمانا کہ وہ بخشے جائیں گے اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ مغفرت کے اہل بھی ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی جہاد کرنے والوں میں سے بعد میں مرتد بھی ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس عموم میں داخل نہ ہو گا پس یہ دلیل ہے۔ اس بات کی کہ مغفور ان میں سے وہی ہو گا جس میں شرط مغفرت پائی جائے (ختم)

اب ہمارے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ مخاطب والا مقام نے یہ عبارت کیوں نہ نقل فرمائی تھی اور محدث مہلب کی منفرد رائے کو اپنا محور نہ استدلال کیوں قرار دیا تھا۔ یہی قول ابن المنیر کا دوسرے شارح بخاری قسطلانی نے اپنی کتاب میں نقل کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ محدث مہلب نے بنی امیہ کی حمایت (بے جا) میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے (ملاحظہ ہو قسطلانی صفحہ ۱۰۴/۵) اور یہی خیال عمدۃ القاری میں بوضاحت تمام ظاہر کر دیا گیا ہے اور اسی عبارت میں یہ بھی توضیح کر دی گئی ہے کہ قسطنطنیہ کا یہ لشکر حضرت سفیان بن عوف کی سیادت و قیادت میں روانہ کیا گیا تھا ورنہ یزید اس قابل کہاں تھا کہ یہ اکابر اس کے ماتحت روانہ کئے جاتے (صفحہ ۲۴۹/۶) قسطلانی اور عمدۃ القاری کا اصل متن ہم نے یہاں قلت گنجائش کے باعث نقل نہیں کیا جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ اصل کتاب ملاحظہ فرمالیں۔ الغرض شارحین بخاری شریف نے یہ امر اچھی طرح

واضح کردیا ہے کہ جب تک شرائط مغفرت کسی شخص میں موجود نہوں کوئی شخص بھی محض کسی لشکر میں شریک ہوجانے سے مغفور نہیں ہوسکتا۔

اب رہا یہ امر کہ یزید تو اس مہم کا سپہ سالار ہی تھا اور جس لشکر کے مغفور ہونے کا مژدہ سنایا گیا ہے اس کے سپہ سالار کی مغفرت بدرجہ اولیٰ فرض کرلینا جائز بلکہ واجب ہے۔ ہرگز صحیح نہیں ہو کیوں کہ مستثنیاتِ عقلیہ کا جواز وامکان بہر حال موجود ہے۔ جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ پھر شارحین حدیث نے بھی توضیح کردی کہ شرط مغفرت کا پایا جانا مغفور ہونے کے لئے مقدم ہے الغرض لشکر کا آمر اور جملہ مامورین ان شرائط مغفرت کے پابند ہیں۔

یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا۔ عمدۃ القاری کی جس عبارت کا حوالہ ابھی دیا گیا اس کا ایک حصّہ یہ ہے۔ قلت الاظہران ھولاء السادات من الصحابہ کانوا مع سفیان الخ۔" یعنی صاحب المراۃ کا بیان یہ ہے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ اکابر صحابہ تو حضرت سفیان کی ماتحتی میں روانہ ہوتے تھے نہ کہ نااہل یزید کی الخ۔ اگر عمدۃ القاری اور صاحب المراۃ وغیرہما کے ان بیانات سے بھی ہمارے مخاطب مطمئن نہوں تو اپنے مقبول امام المورخین فی الہند علامہ اکبر شاہ خاں کا بیان تو یقیناً قبول فرمالینا چاہئے جو تحریر فرماتے ہیں:۔ "جب عظیم الشان لشکر مرتب ہوگیا تو سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا اور سفیان بن عوف کی ماتحتی اپنے بیٹے یزید کو بھی جو ساقہ فوج کا افسر تھا ایک حصہ فوج .... الخ"

(تاریخ اسلام صفحہ ۳۶۲) اس کے بعد صفحہ ۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ قسطنطنیہ کے حملے اور محاصرے میں یزید ایک حصہ فوج کا سردار تھا (ختم) دیگر کتب مقبولہ سے بھی یزید کی اس مبینہ سیادت وقیادت لشکر کی تردید وتغلیط بخوبی ممکن ہے بخوف اطالت ہم نظرانداز کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو یہ سیادت وقیادت کی بحث ہی بے کار ہے بقول شارحین حدیث شرط مغفرت کا موجود ہونا آمر و مامور دونوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔

ایک بحث اس حدیث کی صحت و عدم صحت کی عدم تک بھی ہے بعض اصحاب فکر ونظر نے اس حدیث کی بحث میں یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ ہزارہا احادیث موضوعہ جو خاص منقبت سلاطین بنی امیہ کے لئے وضع کرائی گئی تھیں انہیں میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے اور اس روایت کے چاروں راویان آخر اسحق و یحیی وثور وخالد بن معدان مجروح ومقدوح اور علمائے رجال کے نزدیک ضعیف ہیں ان میں سے تین تو قدری ہیں اور ناصبی بھی ہیں اور وارسال سے بھی کام لیا گیا ہے اور یہ سب دمشقی اور حمصی بھی ہیں جہاں بنی امیہ کی پروردہ نسلیں آباد تھیں اور ان کی رگوں میں بنی امیہ کا کھلایا ہوا نمک دوڑ رہا تھا۔ مگر ہم اس بحث میں پڑنا پسند نہیں کرتے۔ روایت زیر بحث بہرحال بخاری شریف کی ہے اور بخاری شریف کی روایات عام طور پر بلا لحاظ نقد رجال بھی قابل تسلیم سمجھی جاتی ہیں اس لحاظ سے محدثانہ حیثیت بیں انتقاد روایت غیر ضروری اور بے محل سمجھنا چاہیے خصوصاً جب کہ بحث کے دیگر مواقع اور مختلف گوشے ایسے موجود ہیں جن سے یزید کی کسی منقبت کا اثبات حدیث زیر بحث سے ممکن ہی

نہیں ہے پس رجال کی بحث آغاز کردینا غیر ضروری اور بے محل ہے اور مقصد بغیر انتقادِ رجال بھی حاصل ہے۔

بحث کے اس تمام نشیب و فراز سے اگر قطع نظر بھی کرلیا جائے اور بطریق تنزل بلکہ محض بغرض غلط یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید کی مغفرت کا اثبات اس حدیث سے ہوتا ہے تب بھی یہ کوئی دلیل یزید کی خلافت حقہ کے منصوص ہونے کی ہرگز نہیں سمجھی جاسکتی کیوں کہ ہر مغفور کا خلیفہ علیٰ منہاج النبوت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ خلیفہ جامع الشرائط ہونے کے لئے علیحدہ شرائط اہلسنت کے علمائے مقبولین نے بیان فرمائی ہیں جن کی تفصیل کی یہاں نہ تو گنجائش ہے اور نہ کوئی خاص ضرورت۔

ایک مضحکہ خیز پہلو اس حدیث کی بحث میں ابھی اور باقی ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین یزید قسطنطنیہ کی اس مہم میں بطیب خاطر شرکت کرنے پر رضامند ہی نہ تھے اور اپنے شبستان عیش سے باہر نکل کر خارزار کارزار میں جانا ہرگز پسند نہ فرماتے تھے۔ علامہ ابن خلدون وابن اثیر وغیرہما نے اپنی اپنی کتب میں ان واقعات کو بتفصیل بیان کیا ہے ان بیانات کا خلاصہ ہمارے لفظوں میں یہ ہے کہ لشکر روانہ ہوگیا مگر ولی عہد سلطنت امیرالمومنین یزید ہمراہ نہ تشریف لے گئے۔ اتفاقاً لشکر میں قحط پڑ گیا، اور بخار کی وبا پھیل گئی تو ولیعہد سلطنت نے بمصداق "جان بچی لاکھوں پائے" شادیانہ مسرت بجایا اور اپنے سر سے اس بلا کے ٹل جانے پر نعرۂ شکر بلند کیا اور دلی جذبات نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا جو اس طرح شروع ہوتی ہے "ما ان ابالی بما لاقت جموعہم الخ

یعنی مجھے اس سے کیا مطلب کہ فرقدونہ وغیرہ میں فوجوں پر کیا گزر رہی ہے اور فتنار کی مصیبت آئے میں تو اپنی زوجہ محبوبہ ام کلثوم کو دیر مران میں اونچی مسند پہ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہوں۔ الغرض روایت تو یہ ہے کہ ہمارے مخاطب کے ولی عہد خلافت راشدہ امیر المومنین یزید کو ہمراسیران کی منشا کے خلاف بلکہ تادیباً اس مہم پر روانہ کیا گیا تاکہ انہیں معلوم تو ہو جائے کہ "عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد" اور بالآخر یہ پا بہ دست دگرے دست بدست دگرے بمصداق "طفل بمکتب نمی رود و لے برندش" مرد میدان وغا و شیر بیشۂ ہیجا بننے اور قیادت جیوش قاہرہ کا عہدہ سنبھالنے کے لئے بکمال جلادت و شہامت عرصہ جنگ میں رونق فزائے دیدۂ مردان کارزار و ہمت افزائے غازیان تہور شعار رہتے اور پھر ہوا جو کچھ بھی ہونا تھا۔

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یزید کو تادیباً اور ہمراسیران کی منشا کے خلاف قسطنطنیہ کی مہم پر بھیج دیا گیا تھا تب تو اس مفروضہ منقبت کا قصر خیالی یکایک ہی منہدم ہو جاتا ہے کسی مزید بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ابن اثیر نے وضاحت کردی ہے۔ لکنہ غزا ھا مکرھا یعنی یزید نے اپنی منشا کے خلاف مجبوراً اس مہم میں شرکت کی پس فرمایئے اس جذبہ محمودۂ جہاد فی سبیل اللہ و جوش غزا و آرزوئے شہادت عظمٰی کی تعریف ہم کن الفاظ میں کریں اور حدیث منقبت بخاری زیر بحث کی اس شرح کی داد کن الفاظ میں دیں جو مہلب کی ہمارے مخاطب نے نقل فرمائی ہے اور جس کی تردید علاوہ دیگر شارحین محدثین کے ابن التین وابن المنیر کی اس مقام پر لکھ دی گئی ہے۔

اب ہم مغفرت یزید کی مبینہ بشارت کی اس بحث کو صدی سیزدہم ہجری کے محدث رفیع الشان حضرت قاسم العلوم والخیرات عارف باللہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دارالعلوم دیوبند کے کلام ہدایت القیام پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک اس مبحث میں حرف آخر ہے ملاحظہ ہو:۔

"غایت ما فی الباب بسبب خرابی ہائے پنہانی کہ داشت ہمچو منافقان کہ در بیعت الرضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب ادشان نشد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند" (انتہیٰ کلامہ علیہ الرحمہ) یعنی جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور اپنے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہ کر سکے۔ یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کے باعث اس بشارت کی فضیلت سے محروم رہا (قاسم العلوم نمبر۴ صفحہ ۱۳۔ منقول از مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۷۰)

منقبت یزید بخاری شریف کی دوسری حدیث کی بحث

اب بخاری شریف کی دوسری حدیث پر بحث شروع کی جاتی ہے جسے ذی علم مخاطب نے منقبت یزید کے اثبات میں پیش کرنے کی سعی بے جا فرمائی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:۔ حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع قال لما خلع اهل المدینة یزید بن معاویه جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انی سمعت النبی ﷺ

یقول ینصب لکلّ غادر لواء یوم القیامہ وانا قد بایعنا ھٰذا
الرجل علیٰ بیعۃ اللّٰہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم
احدا منکم خلعہ ولا تابع فی ھٰذا الامر الا کانت الفصیل
بینی وبینہ (بخاری شریف کتاب الفتن) یعنی نافع راوی ہیں کہ جب اہل
مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت شکست کردی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عنہما نے اپنے متعلقین اور اولاد کو جمع کرکے کہا کہ میں نے نبیؐ کو یہ کہتے ہوئے
سنا تھا کہ "ہر غدر کرنے والے کے لئے بروز قیامت ایک جھنڈا
ہوگا" اور ہم نے خدا ورسول کے لئے اس شخص (یزید) سے بیعت کی تھی اور
(اللہ ورسول کی بیعت درمیان آجانے کے بعد) اس شخص سے قتال کرنا
میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی غدر ہے اور جس نے بیعت شکست
کرنے کی تحریک میں حصہ لیا تو اس کے اور میرے درمیان جدائی ہو جائیگی۔

(ختم)

چونکہ روایت زیر بحث بخاری شریف کی ہے بلا لحاظ انتقاد رجال بھی
ہمارے نزدیک واجب التعظیم ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت میں یزید کی بیعت
شکست کرنے کے متعلق جو عندیہ حضرت ابن عمرؓ نے ظاہر فرمایا ہے وہ درحقیقت
مسئلہ شکست بیعت پر آپ کا ایک فتویٰ بحیثیت ایک مجتہد کے ہے اور بس اور
وہ یہ کہ عمل بیعت میں خدا ورسول کا نام درمیان آجانے کے بعد بیعت شکست
کردینا (عام حالات میں) ممنوع ہے کیونکہ رسول مقبولؐ سے آپ نے سنا تھا کہ
ہر غادر کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا۔ الغرض اس

روایت میں حدیث نبوی اس قدر اور صرف اسی قدر ہے کہ بروز قیامت ہر غدر کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا۔ باقی حصہ عبارت خاص حالات کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ ایک واجب الاحترام مجتہد کی رائے ہی سمجھی جاسکتی ہے جس میں صحت و عدم صحت کا امکان و جواز موجود ہے لان المجتہد یخطی و یصیب۔ اگر ایک طرف حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ذاتی دینی اجتہاد کی بنا پر یہ رائے قائم فرماتے ہیں تو دوسری طرف صحابہ اخیار و موجود نامدار اس کے خلاف یزید کے مقابل خروج کو نہ صرف جائز ہی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ سلطان جائر یعنی یزید کے خلاف عملاً اقدام بھی کرتے ہیں جس کے نتیجے میں واقعہ خونیں حرہ ظہور پذیر ہوا۔ یہ اپنا اپنا اجتہاد اور اپنی اپنی رائے ہے۔ اب اس کا تصفیہ کرنا کہ حضرت ابن عمرؓ کا اجتہاد جو عبارت حدیث زیر بحث سے ظاہر ہوتا ہے درست ہے یا اس کے خلاف دیگر اصحاب رسول و اعیان مدینۃ الرسول کا اجتہاد و اجماع درست ہے ہمارا کام نہیں۔ ہم تو صرف اسی قدر ہی اس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ نیک نیتی اور صفائے قلب سے بغیر کسی شائبہ نفسانیت وغیرہ کے کسی مجتہد العصر کی رائے پر اگر عمل کیا جائے اور وہ اجتہادی رائے صائب بھی نہ ہو تو یہ عمل قابل مواخذہ نہ ہوگا۔ مشہور واقعہ ہے جو اسد الغابۃ اور الاستیعاب میں بھی درج ہے۔ عن عبد اللہ بن حبیب قال اخبرنی قال ابن عمر حین حضرۃ الموت ما اجد فی نفسی من الدنیا الا لما اقاتل الفئۃ الباغیۃ (ختم) یعنی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی وفات کے قریب بیان فرمایا کہ فئہ باغیہ یعنی امیر معاویہ کے گروہ سے

جنگ نہ کرنے کی حسرت دل میں لئے جا رہا ہوں اور کوئی حسرت باقی نہیں ہے.
جیسے حضرت خاتم المحدثین علیہ الرحمہ نے بھی اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-
" و عبد اللہ بن عمر کہ خلف رشید پدر بزرگوار خود است و صحابی است بالاستقلال و از عمدۂ اصحاب ہمیشہ تاسف می کرد کہ چرا ہمراہ حضرت امیرؓ در حروب بغاۃ شریک نشدم و رفاقت نکردم (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۶۶۹) یعنی حضرت ابن عمرؓ جناب امیرؓ کی رفاقت میں باغیان شام سے جنگ نہ کرنے پر ہمیشہ افسوس کرتے رہے (ختم) مقصد اس واقعہ کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جنگ صفین میں باغیوں کے مقابل ہو کر جنگ نہ کرنے کی ایک اجتہادی غلطی کی تھی جس کا آپ کو تمام عمر بشدت افسوس رہا اور مرتے مرتے اس غلطی پر افسوس کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہ آپ کے حسن نیت و صفائے طینت کی ایک روشن دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ باغی گروہ کے مقابل ہو کر جنگ نہ کرنے میں آپ سے اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔ اب آپ کی یہ دوسری اجتہادی رائے خلع بیعت یزید کی حد تک بخاری شریف کی اس حدیث کے تعلق سے زیر بحث ہے جس پر یہاں ہم بر سبیل اختصار اظہار خیال کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ علیٰ بیع اللہ و رسولہ اس حدیث میں خاص طور پر توجہ طلب ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے خدا اور رسول کے احکام سے استدلال فرماتے ہوئے اپنے موقف کی تائید فرمائی ہے لیکن نظر تعمق سے دیکھا جائے تو اس کے یہ معنی بیان کئے جا سکتے ہیں کہ ضرورت شدید اور ناموافق حالات کے اوقات میں بیعت کر لی جائے۔ عام

ازیں کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو یا نہو اور ناموافق حالات میں ایسی بیعت کا خلع نہ کیا جائے اور ہم لوگوں نے انہیں احکام خدا و رسول کے تحت بیعت کی ہے جسے شکست نہ کرنا چاہیے۔ اس طرح قتل عام و سفک دماء و فساد فی الارض کے منظر خونیں سے بچنے کے لئے تاکید فرمائی گئی اور چونکہ یہ بیعت خدا و رسول کے اسی حکم کے تحت کی گئی تھی کہ خوں ریزی و فساد نہ ہونے پائے اسے حضرت ابن عمر رضؓ نے ببیع اللہ و رسولہٗ سے تعبیر فرمایا، دوسرے طور پر اس عبارت سے یہ سمجھ لینا بھی جائز ہو سکتا ہے کہ یہ بیعت اللہ اور رسولؐ کے دئے ہوئے احکام کی تعمیل کی حد تک ہی کی گئی ہے اور جو امور یا احکام مخالف احکام خدا و رسول ہوں گے وہ اس بیعت کی حدود و اثر سے خارج رہیں گے۔

اس حد تک جو بحث لکھی گئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی حدیث زیر بحث میں حدیث نبوی تو صرف اس قدر ہے کہ ہر غادر کے لئے بروز قیامت ایک جھنڈا ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی صراحت یزید کی کسی منقبت کی ہرگز موجود نہیں ہے اس کے بعد حضرت ابن عمر کی ایک ذاتی رائے خلع بیعت یزید کی حد تک درج ہے جس کی توضیح منقبت یزید کے تعلق سے ابھی کردی گئی۔ حضرت ابن عمر رضؓ کے اس بیان سے حامیان یزید یہ غلط نتیجہ نکالنے کی کوشش بے جا میں اپنا تمام زور لگا رہے ہیں کہ ایسے جلیل القدر صحابی نے جب یزید سے حسن عقیدت کا اظہار علیٰ بیع اللہ و رسولہ کے الفاظ میں کردیا ہے تو ہم یزید اور اس کی حکومت سے بیزاری کا اظہار کس طرح کر سکتے ہیں مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے اور ہمارے علمائے اعلام کثرہم اللہ تعالےٰ نے بسیط مضامین تحریر فرما کر بخوبی

واضح کر دیا ہے کہ حضرت ابن عمر یزید سے ہرگز کوئی عقیدت نہ رکھتے تھے یہ بحث تفصیل طلب ہے مگر ہم مختصر طور پر اپنے اس بیان کی توضیح و تائید میں ایک دو مقامات سے چند اقوال اکابر علماء نقل کرتے ہیں جن سے واضح ہو گا کہ حضرت ابن عمر ہرگز کوئی عقیدت یزید سے نہ رکھتے تھے۔ اہلسنت کے مسلمہ بزرگ راس المناظرین و سند المتکلمین صاحب منتہی الکلام علیہ الرحمہ اپنی مشہور و مقبول کتاب میں بسیط تقریر تحریر فرما کر یہ نتیجہ بیان فرماتے ہیں :۔ اعتقاد عبداللہ بن عمر بہ حقیت امامت یزید بد خصال مستبعد بلکہ محال است" (ازالۃ الغین صفحہ ۱۳۶۶) یعنی حضرت ابن عمر کی عقیدت یزید بد خصال کی امامت کی حد تک بعید از عقل بلکہ محال ہے (ختم) مطلب یہ کہ حضرت ابن عمر ایسے بد خصال کی امامت کی صحت کے کس طرح معترف و معتقد ہو سکتے ہیں جن حضرات کو اس بحث میں زیادہ دلچسپی ہو وہ جناب سند المتکلمین علیہ الرحمہ کی ازالۃ الغین و منتہی الکلام اور جناب خاتم المحدثین کی تحفہ اثنا عشریہ اور دیگر علمائے کرام کی کتب کلامیہ ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ بحث غایت تفصیل سے مل سکے گی۔

حضرت ابن عمر جیسے صحابی کی نسبت ہم یہ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ آپ کا شمار موالی یزید میں تھا یا ہو سکتا تھا زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے خلع بیعت یزید کی ممانعت اس لئے فرمائی تھی کہ مسلمانوں کا قیمتی خون حلال کرنے کے لئے حاکم متغلب و سلطان جائر یزید بن معاویہ کو کوئی بنا بہانہ ہاتھ نہ آ جاتے۔ اہلسنت کے یہی متکلم عزیز و جلیل صاحب منتہی الکلام تحریر فرماتے ہیں :۔ "عبداللہ بن عمر رضہ نظر بہمیں سفک دماء

وتخریب مدینۂ سید الانبیاء م بعد از وقوع کربلا خالعین بیعت وناکثین صفقہ را را منع کردہ بود برحق بودن یزید پلید وصلاحیت وحقیت اں عنید از اں لازم نمی آید الخ (ازالۃ الغین صفحہ ۱۵۲) اس کے بعد کچھ فصل سے تحریر فرماتے ہیں:۔

" عبداللہ بن عمر نیز برائے حفظ جان وناموس خود وتمامی اہل مدینہ مراتب خیر خواہی بجا آورد وحدیث مذکور را روایت کرد تا از خلع باز مانند ودر امن وامان باشند۔ لبطلان واقعی وحرمت خلع اہل مدینہ وحقیت امامت یزید باعتقاد عبد اللہ بن عمر رض لازم نمی آید.... الخ (ازالۃ الغین صفحہ ۱۵۵) ان عبارات منقولہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضا نے خوں ریزی سے بچنے کے لئے بعد واقعۂ کربلا خالعین بیعت کو بیعت شکست کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ اپنی اور اپنے ناموس کی اور تمام اہل مدینہ کی جان ومال محفوظ رہے اور یہ خیر خواہی اس لئے تھی کہ سب لوگ امن وامان میں رہیں اس سے یزید کی حکومت کا برحق ہونا کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے نہ یہی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یزید پلید وعنید میں حکومت کی صلاحیت تھی (ختم)

ہمارے مخاطب کے امام المورخین' علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں:۔

" جب یزید کبائر کا مرتکب ہوا اور مسلمانوں کو عام طور پر اس کا علم ہوگیا تو صحابہ کی رائے اس کے متعلق مختلف ہوگئی بعض نے اس پر خروج کرنے اور نقض بیعت کو واجب سمجھا جیسا کہ امام حسین رض اور عبداللہ ابن زبیر رضا اور ان کے متبعین نے کیا اور بعض صحابہ نے یہ خیال کر کے کہ خروج ونقض بیعت سے فتنہ برپا ہوگا اور مسلمانوں میں تلوار چلے گی اور پھر بھی یزید سے عہدہ برآنہ ہوسکیں گے۔

خروج و نقض بیعت کو پسند نہ کیا (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۷۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار بھی اسی موخر الذکر جماعت میں ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا جا سکتا ہے کہ آپ کا شمار موالی یزید میں ہے یا ہو سکتا ہے محدث عظیم و جلیل و رئیس جماعت اہل حدیث علامہ نواب وقار نواز جنگ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں :۔ "عبداللہ بن عمر رضہ نے یزید پلید سے کہا اے خدا کے دشمن تو نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کے سینے اور گردن کے درمیان آنحضرت صلعم بوسہ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں بہشت کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

(انوار اللغت صفحہ ۱۴۶/۱۲)

الغرض حدیث نبوی زیر بحث کے بیان کرنے سے حضرت ابن عمر رضہ کا مقصد یہی اور صرف یہی معلوم ہوا کہ نقض امن کی صورت پیدا ہو کر عامہ مسلمین کا خون بحکم سلطان جائز نہ بہنے پائے۔ یزید سے موالات حقیقی و واقعی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سیدھا اور صاف مطلب حضرت ابن عمر رضہ کے اس کلام کا یہ ہے کہ خدا و رسول کے اس حکم کے تحت یزید کی بیعت کی گئی تھی کہ اگر حاکم جابر سے مقابلہ و مقاتلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہو تو مقاتلہ نہ کرو۔ خاص اسی حکم خدا و رسول کے تحت یہ بیعت کی گئی تھی پس اگر تم نقض عہد کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مقصد بیعت فوت ہو جائے گا اور تم قتل بھی کر دیے جاؤ گے۔ خون کی ندیاں بھی بہہ جائیں گی اور تم پر خدا و رسول کے اس حکم کی خلاف ورزی اور غدر کا الزام بھی قائم ہوگا۔ یہ تھی اجتہادی رائے حضرت ابن عمر رضہ کی جسے تمامی اعیان صحابہ موجودین و اہل مدینہ نے تسلیم نہ کیا تھا اور یزید کا مقا

صف جنگ میں کیا تھا جو تاریخ اسلام میں وقعۃ الحرہ سے موسوم ہے۔

ایک مناظرانہ بحث اس حدیث میں بایعنا کی بھی ہے جو صیغہ متکلم مع الغیر ہے اور ازروئے محاورۂ عربی دیگر السنہ یہ جائز ہے کہ خود متکلم اس کے اثر و شمول سے خارج ہو۔ اس لحاظ سے حضرت سند المتکلمین طاب ثراہ نے بسیط مضمون تحریر فرما کر بحوالہ کتب معتبرہ یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ نے یزید کی بیعت ازاول تا آخر کی ہی نہیں تھی۔ حضرت ممدوح رحؒ تحریر فرماتے ہیں :۔ الغرض اکنوں معین شد کہ صیغہ متکلم مع الغیر را اطلاق می کنند و خود متکلمین دراں شریک نمی باشند پس مجرد لفظ بایعنا در کلام عبداللہ ابن عمر رضؓ مفید ادعائے شیعہ (یعنی فریق مخاطب) نخواہد بود و ہو المطلوب فکیف کہ در کتب تواریخ بلکہ در شروح کتب حدیث مثل صحیح بخاری وغیرہ علمائے متبحرین نص صریح کردہ باشند کہ عبداللہ بن عمر زینہار بیعت یزید نہ کردہ نہ در ابتدا نہ در انتہا آرے بیعتش با عبدالملک مسلم است و ہیچ غبارے ندارد کما لا یخفی علی من طالع ہذہ الاوراق (ازالۃ الغین صفحہ ۱۶۴) مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ جب متکلم مع الغیر کا صیغہ بولا جائے تو خود متکلم کا شمول اس میں مان لینا لازمی نہیں پس بایعنا کے بیان میں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ابن عمر رضؓ کی بیعت یزید کو بطور امر واقع تسلیم ہی کریں اور وہ بھی خصوصاً ان حالات میں کہ کتب تواریخ و شروح حدیث مثل صحیح بخاری وغیرہ میں علمائے متبحرین نے غایت صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ ابتدا و انتہا میں ابن عمر رضؓ نے یزید کی بیعت کبھی کی ہی نہیں تھی البتہ عبدالملک سے بیعت کر لی تھی الخ (ختم)

ان حالات میں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بخاری شریف کی حدیث زیر بحث

سے منقبت یزید پر استدلال کس طرح جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ نہ تو ارشاد نبوی ہی میں کوئی منقبت یزید کی موجود ہے۔ نہ حضرت عبداللہ ابن عمر ہی نے کوئی منقبت بیان فرمائی نہ ابن عمر رضؓ کا یزید سے بیعت کرنا ہی ثابت ہے۔ بلکہ جیسا ابھی بیان ہوا شارحین بخاری اور مورخین نے صراحت کردی ہے کہ ابتدا میں اور انتہا میں ابن عمر رضؓ نے یزید کی بیعت کبھی کی ہی نہ تھی اور اس کے علاوہ یہ کہ جو مسئلہ اجتہادی طور پر آپ نے بیان فرمایا ہے وہ خود بھی محل بحث و نظر ہے کیوں کہ صدہا نہیں بلکہ ہزارہا صحابہ و اکابر اہل مدینہ نے خود صحابہ رضؓ کی عینی شہادتیں یزید کی بے دینی اور بداعمالی کی فراہم ہو جانے کے بعد حجت شرعی کے تحت ہی یہ بیعت شکست کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس جم غفیر کے اجتہاد میں بیعت یزید کی شکست واجب ہو چکی تھی۔

اب رہی یہ بحث کہ اس اجتہاد ابن عمر سے دیگر صحابہ و جماعت مسلمین نے کیا اثر لیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس اجتہاد کی کیا وقعت قرار پائی۔ اور جناب سید الشہداؑ نے افواج یزید کا جو مقابلہ کیا وہ اس اجتہاد سے کس طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس بحث کی حد تک ہم جناب سند المتکلمین رح کی تحریر توضیحاً و سنداً پیش کرتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ کا تمام کلام اور عندیات اہلسنت کے نقطۂ نظر کے بہترین ترجمان ہیں۔ آنجناب رح تحریر فرماتے ہیں:۔

"پر ظاہر است۔ کہ فہم ابن عمر رضؓ بر حضرت امام حسین کہ مرتبہ اجتہاد دون مرتبہ اوست حجت نیست بلکہ بر دیگراں ہم و ازیں جاست کہ عبداللہ بن مطیع کہ نسبتے بمنزلت امام حسینؑ نداشت از منع ابن عمر رضؓ ممتنع نشد و خلع بیعت نمود

بر مکنون خاطر شاں دل نہ نہاد و بمقا ومت لشکر یزید بجنگ برخاست فلیف کہ حدیث عبد اللہ بن عمر رض در بارۂ خلع کردن و غدر نمودن باشد کہ دامن حضرت امام حسین ازاں پاک و پاکیزہ تراست کہ ہرگز بیعت شقی (یزید) نہ نمودند و غالب کہ عبد اللہ بن مطیع حدیث مذکورا کہ در نکث بیعت است نظر بہ بعضے از قرائن والفاظ چناں کہ در شروح احادیث مبسوط است در بارۂ متجمع شرائط دانستہ باشند کما ھو مذہب بعض اجلہ من العلما الغرض ضرور نیست کہ مجتہد مر مجتہد دیگر را تقلید کند پس ہر کسے ازیں بزرگان بر طبق فہم خود کہ تعلق بہ کتاب وسنت داشت عمل کردہ۔

(ازالۃ الغین صفحہ ۵۵) مطلب یہ کہ عبد اللہ بن عمر رض کے اس اجتہاد سے عبد اللہ بن مطیع تک نے کوئی اثر نہیں لیا۔ حالانکہ وہ یزید سے بیعت بھی کر چکے تھے اور بیعت شکست کر کے لشکر یزید سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے اور چونکہ ابن عمر کی حدیث صرف خلع بیعت اور غدر کی حد تک ہے۔ لہذا اس کا کوئی اثر امام ہمام کے عمل پر مرتب نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ نے از اول تا آخر کسی وقت بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید لازم نہیں ہے۔ پس ہر بزرگ نے اپنی اپنی فہم کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں عمل کیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ عبد اللہ بن مطیع نے اس قیاس پر عمل کیا کہ حدیث نکث بیعت ایسے خلیفہ سے متعلق ہے جو جامع شرائط ہو۔ اور یزید ہرگز جامع شرائط نہ تھا۔ اور یہ ہی عقیدہ بعض اجلہ علماء کا ہے۔

ان تمام تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ صحابہ موجودین رض نے ابن عمر رض کے اجتہاد کے خلاف اپنے ذاتی اجتہاد پر ہی عمل کیا۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث

کے مضمون سے جناب امام ہمام کے اقدام کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ نے کسی وقت بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی لہذا غدر و نکث بیعت کا کوئی سوال ہی جناب امام ہمام کے اقدام و عمل سے نہیں پیدا ہوتا۔ نیز اس امر کی بھی بخوبی وضاحت ہو گئی کہ کثیر تعداد صحابہ کرام رضہ کے اجتہاد میں اس حدیث کا تعلق اسی خلیفہ کی بیعت کے نکث سے ہو سکتا ہے جو جامع شرائط ہو نہ کہ ایسے سلطان جائر سے جیسا کہ یزید تھا اور یہی خیال بعض اجلہ علما کا بھی ہے۔ اور یہی مسلک اقرب بصواب ثابت ہوتا ہے۔

حضرت سند المتکلمین رح دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "و محتمل است کہ معنی لفظ بیع اللّٰہ و رسولہ محمول بر توریہ باشد کہ بیعت در حال اضطرار و ملاحظہ جور و جفائے ال سیہ کار (یزید) بحکم خدا و رسول درباب حفظ جان است نہ چیز دیگر از صلاحیت و استعداد خلافت ال بے ہنر (ازالتہ الغین صفحہ ۶۰) یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ بیع اللّٰہ و رسولہ اس مقام پر بطور توریہ کہا گیا ہو اس امر کے اظہار کے لئے کہ یزید سیہ کار کی جور و جفا سے مجبور ہو کر محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے بحکم خدا و رسول بیعت کی جا رہی ہے جس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ یزید کو مرد صالح و صاحب استعداد جان کر بیعت کی جا رہی ہے (ختم)

اجلہ علمائے اہل سنت ابن عمر رضہ کے اس بیان کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں مگر موالی یزید کی رگ ناصبیت اب تک بھی پھڑکنے سے باز نہیں آتی۔ تاریخی مباحث تو ایک طرف بخاری شریف ہی سے یزید کا ممدوح

صحابہ و مدح خدا و رسول ثابت کر دینے کا خبط بے ربط ان کے دماغوں میں سمایا ہوا ہے۔ اب شاید اگلا قدم یہ ہوگا کہ کوئی نص صریح، اس مبغوض ترین عالم و مقبوح ترین خلائق کی منقبت کے لئے کلام اللہ سے پیش کر دی جائے گی کہ۔ امیر المومنین یزید تو کرام بررۃ میں داخل ہیں اور حسینؑ کے قتل کا حکم تو جرم بغاوت کے ارتکاب کی وجہ سے دیا تھا اور بہت خوب ہوا جو حسین قتل کر دئے گئے۔ اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے (اعاذنا اللہ من ذلک) شاید ایسے ہی حالات کے لئے خواجہ حافظ شیرازی تحریر فرما گئے ہیں:۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

الغرض یہی دو حدیثیں ہیں جن پر بعض سنی نما نواصب نے منقبت یزید پر اپنے وہم کاسد و فاسد کی بنا پر استدلال کیا ہے۔ پہلی حدیث قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی ہے جس کی بحث لکھ دی گئی اور دوسری ابن عمرؓ کی بیعت شکست ذکر نے کے لئے چوں کہ یہ دونوں حدیثیں اعلیٰ پایہ کی کتاب حدیث یعنی بخاری شریف کی ہیں۔ بلحاظ اہمیت ہم نے ان پر کسی قدر تفصیل سے اظہار خیال کر دیا۔ ورنہ یزید کے حقیقی مناقب منفیہ یعنی معائب و مثالب باعتبار کمیت و کیفیت اس قدر اور ایسے عجیب و غریب ہیں کہ اگر ان کو یک جا جمع کر دیا جائے تو بلا شبہ ایک کتاب مرتب ہو جائے گی۔

اب ایک یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا فی الواقع حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ قتل حسینؑ پر رضامندی کا اظہار کرتے تھے اور وہ حسینؑ کو معاذ اللہ جرم بغاوت کے

باعث کشتنی و گردن زدنی سمجھتے تھے اور ان کو کوئی تاسف قتل حسینؓ پر تھا ہی نہیں.
حاشا کہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ابن عمرؓ اہلسنت کے نقطۂ نظر سے مسلمہ طور پر ایک جلیل
القدر صحابی اور رتبہ شناس شخص تھے وہ حسین علیہ السلام کے رتبہ عالیہ و مناقب متعالیہ
سے بخوبی واقف اور جناب امام ہمامؑ کے منصب عظیم و جلیل کے شناسا تھے۔ ہم یہاں
ایک روایت بخاری شریف کی اور دوسری ترمذی شریف کی جو قریب قریب
ایک ہی مضمون کی ہیں نقل کرتے ہیں جن سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا نقطۂ نظر
اور اس کے ساتھ ہی دیگر ذرائع سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما
کا نقطۂ نظر بھی بخوبی واضح ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد الرحمٰن بن نعم قال سمعت عبد اللّٰہ ابن عمر سالہ
رجل من المحرم قال شعبہ احسبہ یقتل الذباب قال اهل
العراق یسالونی عن الذباب قد قتلو ابن بنت رسول اللّٰہ
وقال رسول اللّٰہ هما ریحانتای من الدنیا۔ بخاری شریف) ان رجل
من اهل العراق سئل ابن عمر عن دم البعوض یصیب الثوب فقال
ابن عمر انظروا الی هذا السائل عن دم البعوض وقد قتلوا ابن
رسول اللّٰہ وسمعت رسول اللّٰہ یقول ان الحسن والحسین
هما ریحانتای من الدنیا۔ (ترمذی شریف) مطلب اور مفاد ان دونوں
صحاح کی حدیثوں کا ایک ہی ہے۔ بروایت بخاری مکھی مارنے
کے متعلق اور بروایت ترمذی مچھر کا خون کپڑوں پر لگ جانے
کا سوال حضرت ابن عمرؓ سے عراقی نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سائل پر سخت

حیرت ہے کہ اہل عراق نے ابن رسول اللہ کا تو خون کر دیا اور مکھی اور مچھر کے خون کے لئے یہ عراقی سوال کرتے ہیں حال آں کہ میں نے رسول ؐ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ حسنینؓ میرے دو پھول ہیں۔

ان دونوں روایتوں سے جو صحاح کی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا نقطہ نظر حضرت حسینؓ کے متعلق واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی دانست میں اہل عراق کا یہ فعل نہایت ہی بہیمانہ اور غایت قساوت پر مبنی تھا۔ جو کسی طرح بھی ریحان رسول کے خلاف جائز نہ تھا اور اس عمل کے کرنے والے حضرت ابن عمر رضؓ کے نزدیک مورد لعن تھے کہ آپ نے حسینؓ کی منزلت ریحانیت اور قرابت رسول کا خاص طور پر ذکر فرماتے ہوئے اہل عراق کی قساوت قلب کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا والاشارۃ ابلغ من التصریح۔ ممکن ہے کہ اس مقام پر یہ کہہ دیا جائے کہ ابن عمر رضؓ نے تو اس حدیث میں صرف اہل عراق پر ہی طعن کیا ہے۔ یزید سے اس کا کیا تعلق ہے مگر اہل بصیرت خوب جانتے ہیں کہ اہل عراق نے یہ جو کچھ کیا کس کے اشارے پر کس کے حکم سے اور کس کی حمایت و نصرت کے لئے کیا۔ اس تمام خوں ریزی اور تاراجی کی ذمہ داری اسی سلطان جائر و ظالم پر ہے۔ جسے تمام دنیا جانتی اور خدا جانے کن کن الفاظ سے یاد کرتی ہے۔

گرچہ تیر از کماں ہمی گذرد ❊ از کماں دار بیند اہلِ خرد

چونکہ ہمارے مخاطب نے حضرت ابن عمر رضؓ کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر بھی قتل حسینؓ کی حد تک ایسا ہی ظاہر فرمایا ہے۔ لہٰذا یہاں ہم اس امر کی صراحت کر دینے پر مجبور رہیں کہ حضرت ابن عباس رضؓ کا نقطۂ نظر

قتل حسینؓ کے بحث میں ہرگز ہرگز وہ نہیں تھا جیسے ہمارے مخاطب ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضؓ نے تو اس سلطان جائر یعنی یزید کو براہ راست مخاطب فرماکر بھی قتل حسینؓ کا مجرم خود اسے ہی قرار دیا۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے ابن زبیر رضؓ کی بیعت سے جب انکار کردیا تو یزید نے اس انکار پر اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک فرمان خسروی بنام ابن عباس رضؓ اپنی رضامندی اور خوشنودی کا روانہ کیا۔ ان حالات میں حضرت ابن عباسؓ کی رگِ غیرت کیوں نہ جوش میں آتی چنانچہ آپ نے جو مکتوب یزید کے نام اس فرمان کے جواب میں روانہ کیا۔ اس میں یہ عبارت بھی تھی۔" ان احب الناس الیک دا بغضہم واخذ لہم لا بن الزبیر فلا ولا سرور ولا کرامۃ کیف وقد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب مصابیح الھدیٰ ونجوم الاعلام غادرتھم خیولک بامرک فی صعید واحد (کامل صفحہ ۵۰ج ۴) مطلب یہ ہے کہ تیری طرفداری کرنے اور ابن زبیر کی مخالفت پر میں لوگوں کو کیوں ترغیب دوں۔ اور میں کس طرح خوش ہو سکتا ہوں جب کہ تو نے جوانان عبد المطلب اور حسینؓ کو قتل کیا ہے۔ جو چراغ ہدایت اور نجوم اعلام تھے جن کو تیرے حکم سے ایک ہی جگہ قتل کردیا گیا۔ یہ روایت بکثرت دیگر کتب میں بھی نقل ہوتی ہے۔

ایسی واضح تاریخی شہادت کی روشنی میں کیا کوئی شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ کسی طرح بھی قتل حسینؓ کے متعلق وہ نقطہ نظر رکھتے تھے جیسے ہمارے مخاطب ظاہر کرنے کی سعی بے سود کررہے ہیں۔ حاشا کہ حضرت

ابن عباس رضہ یزید کے افعال و کردار سے قتل حسینؑ کی حد تک راضی ہوں۔ روایت مذکورہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں وہ تو مثل دیگر صحابہ کرام کے قتل حسین کی تمام ذمہ داری خاص یزید کی ذات پر ڈال رہے ہیں اور اسے قاتل حسینؑ کہہ رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی عقل و فہم کی حد تک جناب حسین کی ہمدردی میں کوفہ جانے کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا تھا کہ بجائے کوفہ جانے کے یمن جاؤ اور وہاں یزید کے مقابلے کے لئے تیاری کر دیکیوں کہ وہاں بہتر طریقے پر اس مقابلے کے لئے تیاری کی جا سکتی ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ نے شہادت حسین اور اس کے نتائج الیمہ میں گاہے ہم نوائی یزید کی نہیں کی بلکہ غایت جرأت و ہمت سے براہ راست یزید کو مخاطب فرما کر اس کے ظلم و عدوان سے اسے آگاہ کر دیا۔ ایسی جرأت و ہمت تو کوئی ایسے سلطان جائر و جابر کے مقابل دکھائے۔ یہ حضرت ابن عباس رضہ ہی کا ظرف عالی تھا جو یزید کو اس کے اعمال جور پر اس طرح سرزنش کر دی۔ اگر کوئی دوسرا کم ظرف موقع شناس بجائے حضرت ابن عباس رضہ ہوتا تو اسے اس مقام پر جلب منفعت دنیوی کا عمدہ موقع حاصل ہو سکتا تھا مگر نہیں حضرت ابن عباس رضہ کی زبان حق ترجمان پر کلمۃ الحق جاری ہو کر ہی رہا اور آپ نے یزید سے براہ راست عتاب فرما کر کہہ دیا کہ حسینؑ کا قاتل تو ہی ہے لہذا میں تیری تائید نہیں کر سکتا۔

قال المخاطب:- (خلاصہ کلام طویل) حضرت حسینؑ کے زمانہ میں کثیر تعداد اصحاب رسول کی موجود تھی مگر اس وقت کسی ایک نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا اور خلیفہ برحق امیر المومنین یزید کی بیعت سے اختلاف کرنا کسی نے بھی پسند نہیں

گیا یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کے برادران محمد و عمر ابنان علی بن ابی طالب بھی اس خروج میں آپ کے شریک نہیں ہوئے جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حسینؓ اس خروج میں برسر ناحق تھے اور خلیفہ برحق (یزید) کے کردار میں ایسی کوئی خرابی موجود نہ تھی جس سے اس خروج یا خلیفہ وقت کی بیعت شکست کر دینے کا جواز ثابت کیا جا سکے۔

الجواب:۔ سب سے پہلا امر قابل توجہ اس بیان میں یہ ہے کہ امام ہمامؓ نے کسی وقت بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی اس لئے غدر وغیرہ کا کوئی سوال امام حسینؓ کی حد تک زیر بحث آ ہی نہیں سکتا۔ اگر جناب امام ہمام کسی نوبت پر بھی یزید کی بیعت میں طوعاً و کرہاً داخل ہو جاتے۔ تب یہ سوال البتہ زیر بحث آ سکتا تھا کہ امام حسینؓ غدر کے مرتکب ہوئے یا نہیں اس کی بحث ہمارے ناظرین قبل ازیں جناب خاتم المحدثین رح کے بیان میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جناب امام ہمام ع کا یہ اقدام دفع تسلط یزید کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط یزید کے لئے اور اس اقدام کی غرض و غایت یہی تھی کہ ظالم کے پنجے سے مخلوق خدا کو رہائی دلائی جائے۔ یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ موجودین صحابہ رسول میں سے کسی نے یزید کی حکومت سے اختلاف ہی نہیں کیا تھا۔ اس اختلاف کا وجود تو یزید کی بیعت ولی عہدی کے وقت سے ہی ظاہر تھا اور یزید کی وفات کے وقت بھی ظاہر ہوتا رہا۔ ولی عہدی کی بیعت لینے میں جو جو چالیں چلی گئیں اور زر و زور سے خفیہ و علانیہ کام لیا گیا وہ مخفی نہیں ہے اس کے بعد بیعت حکومت لی گئی۔ اس میں بھی جبر و تشدد کے علاوہ طرح طرح کے ناجائز ذرائع کام

میں لائے گئے۔ یہ مضمون چونکہ ہماری اس کتاب میں متعدد مقامات پر اجمالاً و تفصیلاً لکھا گیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات میں جانا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں البتہ اجمالاً یہ ضرور دکھا دینا چاہتے ہیں کہ بیعتِ ولی عہدی یزید ہی سراسر ناجائز ذرائع سے ترغیباً و ترہیباً حاصل کی گئی تھی اور اس کا سلسلہ یزید کے مرنے کے وقت تک بھی جاری رہا۔ صاحب منتہی الکلام جناب سند المتکلمین طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔ زمانے کہ معاویہ بقید حیات بود انواع حیلہ ہا و اقسام تدابیر برائے اخذ بیعت از عبداللہ (ابن عمر) و امثالش ترغیباً و ترہیباً در خلوت و جلوت علی ما صرح بہ العلماء الفریقین بعمل آورد و زمین را با آسمان دوخت و ہیچ تدبیر ازاں سودمند نہ گردید وقتے کہ معاویہ جان بجان آفریں سپرد و یزید پلید حاکم مدینہ را ازاں اعلام نمود بیعت از عبداللہ بن عمر رضؓ و امام حسینؑ وغیرہما درخواست و بتاکید بلیغ نوشت کہ اگر بیعت نکنند سرہائے شاں باید فرستاد و نوبت بہ ہجرت و تغلیق ابواب رسیدہ و ہرگز عبداللہ (ابن عمر) بیعت نکردہ (ازالۃ الغین صفحہ ۳۶۸) یعنی امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں حضرت عبداللہ بن عمر اور آپ کی مثل دیگر صحابہ کو ترغیب دے دے کر اور ڈرا دھمکا کر بھی اور خلوت و جلوت میں اور طرح طرح کے حیلے حوالے اور دیگر تدابیر کر کے بھی یزید کی بیعت ولی عہدی لینے کا اہتمام کیا یہاں تک کہ اس کوشش میں زمین آسمان ایک کر دیا ان واقعات کی صراحت علمائے فریقین کر چکے ہیں۔ مگر امیر معاویہ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور جب معاویہ کی موت کی اطلاع یزید پلید نے حاکم مدینہ کو دی اور عبداللہ بن عمر رضؓ اور امام حسینؑ

سے طالب بیعت ہوا تو شدید تاکید یزید نے لکھ بھیجی کہ اگر یہ بیعت نہ کریں تو ان لوگوں کے سر کاٹ کر بھیج دیئے جائیں (اس تشدد کے باعث) ہجرت کرنے اور اپنے اپنے دروازے تک بند کر لینے کی نوبت آگئی (ختم)

اب فرمائیے۔ یہ تو اس وقت کے خواص وافاضل صحابہ کا حال تھا کہ اس تشدد وقہر واستیلائے شدید کی تاب نہ لاکر اپنے اپنے دروازے بند کر لیئے اور قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگے اور جن جن کو موقع مل سکا ہجرت کر کے دیگر مقامات کو منتقل ہونے لگے۔ باقی رہ گئے عوام صحابہ اور دیگر عوام الناس، ان کا جو حال اس جبر وقہر کی حالت میں ہوا ہوگا اس کا اندازہ ہر صاحب بصیرت بآسانی کر سکتا ہے۔ سلطان جائر وظالم کے بندگان عقیدت کیش و غلامان اخلاص اندیش اپنی شمشیریں برہنہ کیے ہوئے یزید کی غلامی کی بیعت کے طالب بن کر کوچہ وبازار میں پھر رہے تھے کس کی مجال تھی کہ دم مار سکے اور سلطان جابر کی قوت قاہرہ کے مقابل ایک لمحے کے لئے بھی لب کشائی کر سکے اس کا نتیجہ قدرتی طور پر جو کچھ بھی نکل سکتا تھا وہ نکل کر رہا اور ترغیباً وترہیباً یزید کی غلامی کی بیعت عوام الناس سے لی جاتی رہی (یزید کی بیعت غلامی کی بیعت ہوتی تھی یہ مضمون ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر ملاحظہ ہو۔)

اب ہم اپنے مخاطب والا مقام سے بطور جائز یہ دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر آپ کے مزعومہ خلیفہ راشد امیر المومنین یزید کے کردار میں کوئی خرابی موجود نہ تھی تو آخر بیعت ولیعہدی اور بیعت حکومت کے وقت یہ استکراہ واستنکار کے مظاہرے افاضل واکابر واصاغر صحابہ موجودین اور دیگر تابعین اخیار و

عوام الناس کی طرف سے کیوں ہوئے۔ رشوت کی رقمیں صحابہ نے کیوں واپس کر دیں اور ہجرت اور دروازے بند کر کے بیٹھ رہنے کی نوبت کیوں آگئی۔ اور درہماً دیناراً جبراً وقہراً اس خلیفہ نیک کردار تقویٰ شعار کی بیعت ولیعہدی وبیعت غلامی کیوں لی گئی۔ حیرت ہوتی ہے۔ مخاطب عالی مقام کے اس بلند بانگ دعوے پر کہ خلیفہ برحق امیر المومنین یزید کی بیعت سے اختلاف کرنا کسی صحابی نے بھی پسند نہیں کیا گیا اسی کا نام پسندیدگی ہے کہ بیعت ولیعہدی کے وقت توڑ دا دھمکا کر اور سیم و طلا کے قناطیر مقنطرہ خالی کر کے بلکہ زمین آسمان ایک کر کے بیعت لی گئی اور بیعت حکومت کے وقت بھی یہ سب ذرائع کام میں لائے جاتے رہے یہاں تک کہ افاضل صحابہ موجودین بھی یا تو اپنے اپنے مکانوں میں مقید در روپوش ہو کر بیٹھ رہے اور یا دیگر مقامات کو ہجرت ہی کر گئے۔ کیا تعریف کی جائے ایسے سلطان وقت کی نیک کرداری کی۔

بعض لوگوں نے اس خیال سے کہ اگر بیعت یزید نہ کی گئی تو سخت کشت وخون بلکہ قتل عام ہو گا یزید کی بیعت کرھاً کرلی بعض نے بیعت نہ کی اور ادھر ادھر چلے گئے مگر بالآخر وقت آیا کہ اپنے عینی مشاہدات کی بنا پر بھی صحابہ رسول وتابعین اور دیگر اعیان نے یہ بیعت شکست ہی کر دی اور وہ تلخ و ناگوار واقعات پیش آئے کہ مدینۃ الرسول، ام القریٰ وحرم کعبہ تک کو یزید نے تاراج کر دیا اور امام حسینؓ اور آپ کے رفقا علیہم الرحمہ پر گذری جو کچھ گذری اور عبد اللہ ابن زبیرؓ نے یزید کے مقابل جو کچھ عمل کیا وہ کیا۔ الغرض بیعت ولی عہدی وبیعت حکومت یزید کے وقت جو مخالفت ایک حد تک بالقوۃ ہی تھی وہ بطور جلی بالفعل

سامنے آ گئی اور قیامت تک کے لیے یزید کا نام جس طرح روشن کر گئی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے یہ تھی حقیقت ہمارے مخاطب کے امیرالمومنین وخلیفۃ المسلمین یزید کی بیعت کی۔

اب رہا یہ امر کہ امام حسین کے دو برادران محمد (ابن الحنفیہ) و عمر بن علیؑ نے آپ کا ساتھ نہیں دیا، اس کا جواب بتفصیل دوسرے ایک عنوان کے ضمن میں لکھنے کا ارادہ ہے البتہ مختصر طور پر یہاں بھی اس قدر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ معرکہ کربلا میں ان دونوں برادران حسین کے شریک نہ ہونے سے یہ نتیجہ قطعی طور پر ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ معاذ اللہ جناب سید الشہدا کو اس اقدام میں برسر ناحق جانتے تھے یا یزید کو برسر حق جانتے تھے۔ اگر بفرض غلط ہم یہ مان لیں کہ انہوں نے شریک معرکہ کربلا نہ ہو کر غلطی کی تب بھی اس کا کوئی اثر جناب امام ہمام کے اس برحق اقدام پر مرتب نہیں ہو سکتا۔ محمد و عمر برادران نہ تو اہلسنت ہی کے نقطۂ نظر سے محفوظ سمجھے جاتے ہیں اور نہ شیعی نقطۂ نظر ہی سے معصوم سمجھے جاتے ہیں اور نہ ان کا شمار صحابہ رسول میں ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں برادران کا کوئی قول یا فعل شرعاً کسی فریق کے مقابل بھی کس طرح حجت قوی سمجھا جا سکتا ہے۔ مکرر یہ کہ ہمارا یہ بیان محض تنزلاً اور بفرض غلط کے اصول پر ہی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ عدم شرکت کے متعدد جائز اسباب بھی ہو سکتے ہیں اور فی الواقع ایسے ہی متعدد جائز اسباب عدم شرکت کے لئے اس وقت موجود بھی تھے جو بتفصیل آئندہ بیان ہوں گے مثلاً حضرت محمد (ابن الحنفیہ) کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں آپ ایک ہاتھ کے مفلوج ہو جانے کے باعث معذور و مجبور ہو گئے تھے اور بعض دیگر عوارض

میں بھی مبتلا تھا اور جناب امام ہمامؑ نے اپنا ایک وصیت نامہ تحریر فرما کر بعض ہدایات دی تھیں جن کی انجام دہی آپ کے متعلق کردی گئی تھی وغیرہ وغیرہ۔

ہم اگر بفرض غلط یہ بھی مان لیں کہ ان دونوں برادران نے جناب امام ہمامؑ کے اس اقدام کو معاذ اللہ غلط اور بے محل سمجھا تھا اور اسی لئے رفاقت امام نہ کی تھی۔ تب بھی ان دونوں کی رائے سے جناب امام کا برحق اقدام ہرگز متاثر نہیں ہوسکتا کہ بالاتفاق یہ دونوں ہستیاں نہ تو محفوظ ہی ہیں اور نہ معصوم ہی ہیں اور نہ ان سے کسی قسم کی خطا کا صادر ہوجانا کسی مذہب کے نقطۂ خیال سے بھی امکان سے خارج تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ مثال میں محمد ابن الحنفیہ کا وہ ادّعا بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے امامت کی حد تک بمقابل جناب سیدنا امام زین العابدین پیش کر دیا تھا اور بالآخر اس سے رجوع کرلیا تھا۔ (شواہد النبوۃ جامی صفحہ ۱۷۹) علامہ طبری و ابن کثیر وغیرہما نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ محمد ابن الحنفیہ نے جناب امام کو رائے دی تھی کہ آپ مکہ تشریف لے جائیں قال فانزل مکۃ فان اطمانت بک الدار فسبیل ذلک وان نبت بک لحقت بالرمال و شعف الجبال (طبری جلد ششم) مفصل بحث آئندہ لکھی جائیگی۔

کیا حسینؑ بیعتِ یزید پر بالآخر رضامند ہوگئے تھے

قال المخاطب:۔ امام حسین نے اپنے موقف کی غلطی کا احساس بالآخر کرلیا اور ان پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اس خروج میں ہم نے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے پس آپ نے اپنے اس خروج پر نادم ہوکر تین شرطیں امیر المومنین یزید کے

لشکر کے حکام کے سامنے پیش کر دیں اور وہ یہ ہیں :- (۱) مجھے مدینہ منورہ واپس جانے دیا جائے یا (۲) مجھے کسی سرحد کی طرف جانے دیا جائے یا (۳) مجھے امیر المومنین یزید کے پاس دمشق جانے دیا جائے تاکہ میں امیر المومنین کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں ۔ تمام کتب تواریخ میں یہ روایت درج ہوتی چلی آرہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین کو بھی مثل اپنے برادر بزرگ امام حسنؓ کے بالآخر کتاب وسنت کی روشنی میں عمل کرنے اور امیر المومنین سے شرعی طور پر بیعت کر لینے کا خیال پیدا ہوا اور بعد از خرابی بسیار مسلم بن عقیل وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد آپ پر واضح ہو گیا کہ شیعیان علی وحسین جنھوں نے آپ کو حکومت کے سبز باغ دکھا کر کوفہ آنے اور امیر المومنین کے خلاف بغاوت کرنے کی فاسد ترغیب دی تھی سب کے سب غدار تھے ..... امام حسین جب امیر المومنین یزید کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے اور شرف بیعت حاصل کرنے کے لئے بہمہ جہت آمادہ ہو گئے تو کسی کو کیا حق ہے کہ ان کی خلافت حقہ پر معترض ہو۔ امام حسینؓ کے نزدیک تو یہ بیعت سراسر برحق ہے۔ مگر ان کے نام نہاد شیعہ و متبعین نے اس صاف و صریح مسئلے کو پیچ در پیچ افسانہ و چیستاں بنا کر ایک غوغائے عام کی شکل دیدی ہے جس پر " پیراں نمی پرند مریداں می پرانند " کا مضمون صادق آتا ہے..... الخ

الجواب :- اس مقالے میں تاریخی بحث یہ در پیش ہے کہ شرائط سہ گانہ مذکورۂ بالا امام حسینؓ نے پیش کی تھیں یا نہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کتب تواریخ میں ان شرائط کا ذکر موجود ہے ۔ مگر کتب تواریخ ہی سے

ان شرائط کے پیش نہ کئے جانے کی شہادت بھی ملتی ہے پس ہم اس روایت کے صحیح وغلط ہونے کی دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہلسنت کے مقبولہ مسلک پر اس اعتراضی عبارت کا جواب پیش کرتے ہیں۔ اہم بحث اس وقت تیسری شرط پر ہے کہ کیا امام حسین نے بیعت یزید پر بالآخر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا اور کیا امام حسینؓ کے اعمال واقوال و دیگر قرائن حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے ہم قطعی طور پر بھی ایک نتیجہ نکالنے کے لئے مجبور ہیں کہ امام حسین بیعت یزید پر قطعاً راضی تھے اور اگر فی الواقع وہ راضی تھے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ یزید کی خلافت پر معترض ہو سکے۔

تمام دنیا نے تسلیم کیا ہے کہ تاریخ عالم کا عموماً اور اسلامی تاریخ کا بہترین مخزن وماخذ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی تاریخ الامم والملوک ہے۔ علامہ شیخ عزالدین علی المعروف بہ ابن اثیر الجزری اپنی مشہور کتاب تاریخ کامل میں (جو بقول شبلی نعمانی من خیار التواریخ ہے) علامہ طبری کی اس مشہور اور لاجواب تاریخ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :- "میں نے دنیا کے مورخین میں علامہ طبری پر خاص طور پر بھروسہ اس لئے کیا ہے کہ وہ فن تاریخ کے واقعی امام۔ جامع العلوم اور صحیح اعتقاد والے اور صادق القول تھے (ختم) اور علامہ یافعی مراۃ الجنان میں علامہ طبری کی تاریخ کو "اصح التواریخ" ظاہر کرتے ہیں اسی طرح آپ کی تحریر کردہ تفسیر قرآن کو "ام التفاسیر" کا لقب جمیع علمائے اہل سنت میں دیا گیا ہے۔ طبقات المفسرین میں آپ کے متعلق درج ہے۔

الطبری ابو جعفر راس المفسرین علی الاطلاق......... ولہ

له التصانيف العظيمه منها تفسير القرآن وهو اجل التفاسير لم يولف مثله كما ذكره العلماء قاطبةً.... الخ الغرض علامہ طبری کی مشہور و مقبول شخصیت اہلسنت اور دیگر اسلامی جماعتوں میں کسی تعریف و توثیق کی محتاج ہرگز نہیں ہے۔ علامہ طبری کے بعد میں آنے والے جملہ مشاہیر مورخین مثلاً جزری و ابن کثیر و ابن خلدون و ابوالفدا وغیرہم کی معلومات اور بیانات کا پچاسی بلکہ نوّے فی صد حصہ علامہ طبری ہی کے جمع کردہ ذخیرہ اخبار کا ممنوں ہے۔ روایت زیر بحث کی حد تک ہم بھی علامہ طبری ہی کی اس مشہور و مقبول تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے پاس تاریخ طبری الطبعة الاولیٰ بالمطبعة الحسینیة المصریہ“ ہے اس کی جلد ششم کے صفحہ ۲۳۵ پر جناب جناب امام حسینؑ اور عمر ابن سعد کی ملاقات کا حال درج ہے جس میں بیان کیا ہے کہ شرائط زیر بحث پر ان دونوں میں باہم گفتگو ہوئی تھی۔ خلاصہ اخبار مندرجہ یہ ہے کہ ابومخنف نے ابوجناب سے اور اس نے ہانی بن ثبیت حاضر معرکہ کربلا سے یوں روایت کیا ہے کہ امام حسینؑ نے قرظہ بن کعب انصاری کو عمر بن سعد کے پاس شب میں دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات کرنے کا پیغام بھیجا۔ اس کے بعد عمر بن سعد اور حسین میں تخلیہ میں ملاقات ہوئی اس طرح کہ ان کی آوازیں نہ سنی جاسکیں اور یہ دونوں بعد ملاقات تخلیہ اپنے اپنے لشکر کو واپس ہوگئے۔“ وتحدث الناس فيما بينهما ظنا يظنونه ان حسينا قال لعمرو بن سعد اخرج معي الى يزيد...... قال فتحدث الناس بذلك وشاع فيهم من غير ان يكونوا

سمعوا من ذلک شیئا ولا علموه (وقال ابو مخنف) واما ما
حدثنا به المجالد بن سعید والثقب بن زهیر الازدی
وغیرهما من المحدثین فهو ما علیہ جماعت المحدثین قالوا
انہ قال اختاروا منی خصالاً ثلاثا امّا ان ارجع الی المکان
الذی اقبلت منہ واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ
فیری فیما بینی و بینہ رایہ واما ان تسیرونی الی ای
ثغر من ثغور المسلمین شئتم فاکون رجلا من اھلہ لی
مالھم وعلیّ ماعلیھم (ختم)

الغرض تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر بن سعد اور امام حسینؓ
کے تخلیہ کی کوئی آواز تو سُنی نہ جاسکی اس پر لوگوں میں بغیر سنے ہوتے ہی
محض ظن و قیاس پر یہ شہرت ہوگئی کہ یزید کے پاس چلنے کی تجویز پیش ہوئی ہے
وغیرہ۔ اس کے بعد ہی دوسری روایت ابو مخنف ہی نے مجالد بن سعید اور
ثقب بن زہیر الازدی محدثین سے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت محدثین
کا بیان ہے کہ امام حسین نے تین شرطیں پیش کیں وہ یہ کہ جہاں سے میں آیا ہوں
مجھے وہیں واپس جانے دو یا پھر میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں۔ اور
پھر دیکھا جائے کہ کیا رائے قرار پاتی ہے یا مجھے کسی سرحد کی طرف چلا جانے دو
وغیرہ۔ اس روایت کے بعد ہی بلا فصل ابو مخنف سے علامہ طبری یہ روایت نقل
کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن جندب نے عقبہ بن سمعان سے یہ روایت بیان
کی ہے کہ عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں حسین کے ہمراہ مدینہ سے مکہ آیا اور مکہ

سے امام کے ہمراہ عراق آیا اور آپ کے قتل ہونے تک آپکے ساتھ رہا۔ ولیس من مخاطبة الناس کلمة بالمدینة ولا بمکة ولا بالعراق ولا فی عسکرانی یوم مقتلہ الا وقد سمعتہا الا واللہ ما اعطاھم ما یتذاکر الناس وما یزعمون من ان یضع یدہ فی یزید بن معاویہ ولا ان یسیروہ الی ثغر من ثغور المسلمین ولکنہ قال دعونی فلاذھب فی ھذہ الارض العریضة حتی ننظر ما یسیر امر الناس۔ پھر اس کے بعد ہی علامہ طبری نے مجالد بن سعید و صقعب بن زہیر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا مکتوب لکھا کہ معاملات درست ہوگئے ہیں اور امام حسینؑ سے مذکورہ شرائط کا طے پانا اس مکتوب میں لکھا جس سے ابن زیاد نے بھی رضامندی ظاہر کی مگر شمر نے اسے برگشتہ کر دیا۔ وغیرہ۔

انہیں شرائط زیر بحث کے سلسلے میں علامہ ابن اثیر الجزری رہ کا بیان بھی قابل غور ہے تحریر فرماتے ہیں:۔ عن عقبہ بن سمعان انہ قال صحبت الحسین من المدینة الی المکة ومن مکة الی العراق ولم افارقہ حتی قتل وسمعت جمیع مخاطباتہ الناس الی یوم مقتلہ فواللہ ما اعطاھم ما یتذاکر الناس من انہ یضع یدہ فی ید یزید ولا ان یسیروہ الی ثغر من ثغور المسلمین (تاریخ کامل) یعنی عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک آپ کی ہمراہی سے بالکل جدا نہیں

ہوا۔ اور آپ کے قتل کے دن تک آپ کی تمام باتیں سنتا رہا۔ مگر قسم ہے خدا کی امام حسینؑ نے کبھی وہ باتیں نہیں بیاں کیں جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ:۔ آپنے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو کہا تھا یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے کا خیال ظاہر کیا تھا (ختم) دیگر کتب تواریخ میں بھی یہ حالات درج ہیں جو تاریخ طبری و تاریخ کامل سے یہاں نقل ہوئے۔

منقولات مندرجہ بالا سے یہ امور ظاہر ہوئے کہ:۔ (۱) امام حسینؑ اور ابن سعد میں شب کے وقت تخلیہ میں باتیں ہوئیں جن کو کسی تیسرے شخص نے نہیں سُنا (۲) لوگوں نے اصل گفتگو سُنے بغیر محض قیاس آرائی کر کے یزید کے پاس جانے کی خبر کو شہرت دیدی (۳) کوئی راوی یہ بیان نہیں کرتا کہ اس نے اس تخلیہ کی مجلس کے علاوہ کہیں دوسرے مقام پر جلوت یا خلوت میں کسی شخص سے اِن شرائط کا قرار پانا دیکھا یا اپنے کان سے سُنا تھا (۴) ان شرائط کے پیش اور قرار پاجانے کی حد تک عقبہ بن سمعان کی تردیدی حلفی شہادت موجود ہے جو خدا کی قسم کھاکر بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے بعد امامؑ کے قتل تک بھی میں جناب امامؑ سے علیحدہ نہیں ہوا۔ اور ایسی کسی شرط کو آخر وقت تک بھی میں نے نہیں سنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی قرارداد ہوتی تو بلحاظ ہمہ وقتی مصاحبت حسینؑ کے مجھے اس کا علم ہونا لازمی تھا۔ نتیجہ اِس بحث کا یہ برآمد ہوتا ہے کہ بلا سماعت گفتگو نے قرارداد محض ظن دنیا میں پر ایک خبر مشہور کردی گئی کہ حسینؑ یزید کے پاس جانے کے لئے آمادہ ہیں۔ ایسی بے سر دپا افواہ دنیا کی کسی عدالت میں شہادت میں قابل پذیرائی نہیں

ہوسکتی۔ بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اعدائے حسین علیہ السلام نے یزید کی حکومت جائزہ کو خلافتِ حقہ ثابت کرنے کے خبط بے ربط میں واقعہ کربلا کے بعد اس خبر کو مشتہر کرنے کی سعی نامحمود کی ہے تاکہ یہ دکھانے کا موقع مل سکے کہ امام حسین علیہ السلام تو خود ہی یزید سے بیعت کرنے کے لئے رضامند تھے۔ الغرض شہادت اثباتی کی تو یہ حالت ہے کہ ایک افواہ سے زیادہ اس کی کوئی خاص وقعت نہیں ہے اور عقبہ بن سمعان کی حلفی تردیدی شہادت متواتر نقل ہوتی آرہی ہے کہ یزید کے پاس جانے یا سرحد کی طرف چلے جانے کی شرط محض بے اصل ہے۔ ان جملہ حالات کی موجودگی میں ایک لمحے کے واسطے بھی یزید کے پاس جانے۔ اور اس سے بیعت کرنے کی روایت کو باور نہیں کیا جا سکتا یہ تو جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات والا صفات پر ایک اتہام ہی اتہام ہے کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف کی غلطی کا احساس کر لیا اور یزید کی بیعت پر رضامند ہو گئے۔

یہاں تک تو بحث کا منقولی پہلو روایت زیر بحث کی حد تک واضح ہوا اور اتنا بھی اگر دیکھا جائے تو یزید کی بیعت سے رضامندی کی روایت محض بے اصل پائی جاتی ہے۔ اگر فی الواقع امام حسین بیعت یزید پر رضامند ہو گئے تھے تو آپ بآسانی ابن زیاد بلکہ ابن سعد کے ہاتھ پر ہی علی الاعلان یزید کے نائب کی حیثیت سے بیعت کر سکتے اور اپنی اور اپنے رفقا کی جانیں بچا سکتے تھے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر نائبانہ یزید کی بیعت ہو جانے میں کوئی امر مانع نہ ہو سکتا تھا۔ تاریخ کی متفقہ اور ناقابل تردید شہادت موجود ہے کہ یزید کی فوج کا واحد مطالبہ "بیعت ورنہ جنگ" ہی تھا اور جب کہ اس

روایت کے بموجب امامؑ آمادۂ بیعت یزید ہو چکے تھے تو ان دونوں سواروں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے میں کوئی کراہت ہی نہ ہو سکتی تھی کیوں کہ بقول ان کے بیان کے یہ بیعت خاص یزید ہی کے لئے ہوتی اور کسی غیر کے لئے نہ ہوتی مختصر یہ کہ قتل ہونے کے لمحے تک بھی آپ کو یہ موقع حاصل تھا کہ اطاعتِ یزید کا اعلان کر دیتے اور اپنی جان بچا لیتے اور جب جان بچا لینے کا سوال ہی پیش نظر ہوتا تو آپ کو ذلیل سے ذلیل شرط منظور کر لینے میں بھی کوئی امر مانع نہ ہو سکتا۔ حاشا کہ ہم ایک لمحے کے واسطے بھی یہ باور نہیں کر سکتے کہ آپ کے دل میں کسی وقت بیعتِ یزید کا خیال تک بھی پیدا ہوا تھا اور ہم کس طرح اس بیان کو باور کر سکتے ہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آخر تک بھی آپ اس بیعت سے انکاری ہی رہے اور اپنی زبانِ صداقت ترجمان سے بیان فرماتے رہے کہ لا واللّٰہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر اقرار العبید (طبری صفحہ ۳ پ ۲ و تاریخ ابن کثیر وغیرہ) یہ جواب آپ نے کربلا کے ہنگامہ کارزار کے موقعہ پر قیس ابن اشعث کو دیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ذلیل ہونے والا اور غلاموں کی طرح ان کی اطاعت کا اقرار کر لینے والا نہیں ہوں۔

سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ۔ اس بلندی کردار کا کوئی دوسرا نمونہ پیش تو کیا جائے "قولِ مرداں جان دارد" کی جیسی عملی تصدیق امام حسینؑ کے اسوہ حسنہ سے ہوئی ہے تاریخ میں اس کی نظیر نہ مل سکے گی، اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں کہ موت کا فرشتہ سر پر سوار ہے اور اس غریب الوطنی اور عالم تشنگی و گرسنگی میں اپنی اور اپنے اہل بیت و رفقا کی موت و تاراجی کا بھیانک منظر پیش نظر ہے اور یہ بھی جانتے

ہیں کہ صرف ایک کلمۂ اطاعت یزید کہہ دینے سے مصائب کا یہ پہاڑ ٹل بھی سکتا ہے۔
مگر آفرین و صد ہزار آفرین اس صاحب عزم راسخ پر کہ سر داد و نداد دست
در دست یزید الخ۔

الغرض یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے ارادے کا افسانہ بے اصل روایتاً غلط اور درایتاً غلط در غلط ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے مخاطب فرماتے ہیں کہ امام حسینؓ نے اپنے موقف کے غلط ہونے کا احساس کر لیا۔ مگر ایسے زبردست تاریخی شواہد کی موجودگی میں کوئی ذی عقل بھی باور کر سکتا ہے کہ آپ نے اپنے موقف کے بے محل ہونے کا احساس کر لیا تھا۔ آغاز مطالبہ بیعت کے زمانے میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے "ومثلی لا یبایع مثلہ" اور آخر کار جو الفاظ نکلے وہ ابھی اوپر نقل ہوئے کہ "ولا اقر اقرار العبید" امام حسینؓ کا یہ موقف مثل آفتاب نیم روز تاباں و درخشاں ہے اور قیامت تک یہ موقف اسی طرح تاباں و درخشاں رہے گا۔ اب ذرا مخاطب عالی مقام اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ "امام حسینؓ کے نام نہاد شیعہ متبعین نے اس صاف و صریح مسئلے کو پیچ در پیچ افسانہ و چیستاں بنا کر ایک غوغائے عام کی شکل دیدی ہے جس پر "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند" کا مضمون صادق آتا ہے

(ختم)

اے کاش ہمیں خداوند عالم امام حسینؓ کے مریدوں کے غلاموں کے ادنٰی غلاموں میں محسوب و محشور ہونے کی سعادت عطا فرمائے اور ہم اسے ہفت اقلیم کی شہنشاہی پر ترجیح دیں۔ ع خوب گفت است عارف جامی قدس اللہ سرہ السامی

تا داغ غلامی تو داریم
ہر جا کہ رویم بادشاہیم

مخاطب صاحب ملامت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیعیانِ حسین نے اس صاف و صریح واقعہ کو تاریخی چیتیاں بنا کر غوغائے عام کی شکل دیدی ہے مگر اس ملامت و غوغا کی تمجید و تقدیس و تعظیم کے لئے عارف جامی علیہ الرحمہ اپنی صوفیانہ و عاشقانہ و عارفانہ زبان میں کیا خوب فرما گئے ہیں۔

غم عشق از ملامت تازہ گردد
وزیں غوغا بلند آوازہ گردد

نباشد عشق را کنج سلامت
خوشا رسوائی کوئے ملامت

ملامت شحنۂ بازار عشق است
ملامت صیقل زنگار عشق است

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جتنی جتنی ملامت و لعنت و سب و شتم دشمنان حسین خود حسین و اعوان و انصار و شیعیان حسین پر کرتے اور کراتے رہے اسی قدر بلکہ اس سے بہت زیادہ جذبات الفت و عقیدت عالم اسلام میں حسین و اعوان و انصار و شیعیان حسین کے لئے اُبھرتے رہے اور آج جو حالت ہے وہ عیاں را چہ بیاں کی مصدق ہے اور یہی وہ صداقت و حقیقت ہے جس کا ذکر عارف جامی نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے۔ کہ جتنی جتنی ملامت اس حقیقت و صداقت کی کی گئی اس سے یہ غم تازہ اور اس غوغا سے بلند آوازہ ہی ہوتا چلا گیا اور دوسری طرف دیکھئے تو یزید اور اعوان و انصار و شیعیان یزید پر جو بارش لعنت و لعنت کی ہو رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قیامت سے قبل تو ختم ہونے والی ہرگز نہیں ہے اور عاقبت کی خبر خدا جانے۔

سلسلہ نادنزلنا حسین نے یزید کے پاس جانے اور اس کے ہاتھ میں

اپنا ہاتھ دینے کی کوئی تجویز پیش کی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لشکر یزید نے اس تجویز کی پیش رفت میں امام حسین ؑ کو یزید کے پاس کیوں نہ جانے دیا۔ اور ہزار ہا لشکریان یزید نے اس مختصر جماعت حسین کو محاصرہ کر لینے اور دانہ پانی بند کر دینے کے بعد تشنہ دگرسنہ غارت سفاکی سے کیوں قتل کر دیا، آخر اس قتل عام کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اس مقام پر یہ بیان کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ حسینؓ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت یزید کرنے کے لئے رضامند نہ ہوئے اور اپنی اور اپنے رفقا کے قتل کا باعث بن گئے۔ یہ بیعت ابن سعد کے ہاتھ پر ہوتی یا ابن زیاد کے ہاتھ پر بہر حال یہ بیعت یزید ہی کے لئے ہوتی۔ معمولی سے معمولی عقل کا آدمی بھی اس صورت حال سے یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا، اور جب اپنی اور اپنے اہلبیت اور رفقا کی جان بچانا اور اس تہلکۂ عظیم سے محفوظ رہنا ہی مدنظر تھا تو اس بیعت کا منظور کر لینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہایت آسانی سے بلا لحاظ خودداری و حفظ مراتب اس پر اپنی اور اپنے اہلبیت و رفقا کی جان بخشی کے خیال سے عمل کیا جا سکتا تھا۔ اصل سوال تو بیعت سے انکار ہی کا تھا اور جب یہ اصل سوال درمیان سے ہٹ گیا، اور بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی گئی تو ہر شخص کے ہاتھ پر بنا بتاً یزید کی بیعت کی جا سکتی تھی۔ بلکہ بیعت کر لینا نہایت ضروری تھا اپنی اور اپنے تمام رفقا کی جان و مال کی سلامتی ایک طرف، اور ابن زیاد نائب یزید کے ہاتھ پر خود یزید کی بیعت ایک طرف، ان حالات میں عقل سلیم کا فتویٰ سب سے اہم ہے۔ اگر اپنی مختصر جماعت کی سلامتی کے خیال سے حسینؓ (بفرض غلط) بیعت یزید پر رضامند ہو ہی گئے تھے تو لشکریان یزید کا فرض اولین یہ تھا کہ حسینؓ کو یزید کے پاس پہنچا

دیا جاتا مگر جہاں مقصد اصلی ہی قتل و استیصال ہو وہاں بیعت و عدم بیعت کا سوال ہی کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت طلحہ رضؓ کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ جنگ جمل میں جب آپ کو اپنے برسر ناحق ہونے کا یقین ہو گیا تو آپ نادم ہو کر صفِ جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح اس ہنگامے میں بغرض عفو تقصیر و تجدید بیعت جناب امیرؑ تک پہنچ جائیں۔ یہ حال دیکھ کر مروان ابن الحکم نے سنرا آپ کو اپنے ایک زہر آلود تیر کا نشانہ بنا دیا اور زخم سے خون زیادہ نکل جانے کے باعث جب حضرت طلحہ پر بردا طراف کی کیفیت طاری ہو گئی اور یہ اندازہ ہو گیا کہ دمِ واپسیں تک آپ جناب امیر تک نہ پہنچ سکیں گے تو مجبوراً آپ نے جناب امیرعؑ کے ایک غلام (یا حضرت قوقلاع) کے ہاتھ پر ہی نیابتہً جناب امیرؑ کی بیعت عاجلانہ کر لی۔ تمامی علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے کہ حضرت طلحہ رضؓ کی یہ تجدید بیعت مقبول اور آپ کا انجام بخیر ہوا اور جناب امیرؑ نے بھی آپ کے قتل پر بے حد اظہار تاسف کرتے ہوئے اس تجدید بیعت کی تصدیق فرمائی اور تعریف کرتے ہوئے آپ کے لئے دعائے خیر بھی فرمائی۔

الغرض نیابتہً بیعت کر لینا نہ صرف جائز بلکہ بکثرت رائج رہا ہے اور سلاطین و خلفا کی بیعت، ان کے عمال و نائبین ہی نیابتہً ممالک محروسہ کے دور دراز مقامات میں عام طور پر لیا کرتے تھے۔ ان حالات میں جب کہ یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کی بیعت کا مطالبہ اپنے ہاتھ پر امام حسینؑ سے کیا تھا حسینؑ کو اس سے انکار کی کوئی وجہ ہی نہ ہو سکتی تھی خصوصاً ان حالات میں کہ اپنی جماعت کی سلامتی کے لئے اب صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی۔

دراصل یہ روایت ہی از سرتاپا غلط ہے۔ نہ حسینؓ نے بیعت یزید کا کوئی ارادہ
کیا اور نہ اس سلسلے میں ابن زیاد کی طرف سے بطور نائب یزید اپنے ہاتھ پر بیعت
کا کوئی مطالبہ ہی کیا گیا۔ اب اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ۹۹ ۳/۴ فی صدی تو اس
روایت میں صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن صرف ۱/۴ فی صد کی چھوٹی سی
کسر کا کوئی بعید امکان ہے تو قابل غور یہ امر قرار پاتا ہے کہ اپنی طرف سے
رجوع کرنے کی آخر کیا وجہ ہوئی ہوگی۔ اس کا جواب ہر عاقل بصیر پر روشن
ہے کہ حالات جائزہ کا پورے طور پر اندازہ کر لینے کے بعد یہ آخری شرط حسینؓ
نے دنیا پر یہ واضح کرنے کے لئے بغرض اتمام حجت پیش کی ہوگی کہ دیکھو ہم بیعت
پر بھی آمادہ ہو گئے مگر فرماں روائے شام کا حکم محکم ہمیں بہر حال و بہر صورت قتل
ہی کر دینے کا تھا اسی لئے ہم نے مدینہ چھوڑا پھر مکۂ معظمہ میں ہمارے قتل کا سامان
کیا جانے لگا۔ مکہ بھی ہم نے چھوڑ دیا تو یہاں ہمیں فوجوں میں گھیر لیا گیا اور بالآخر
ہم نے بیعت یزید پر بھی رضامندی ظاہر کر دی پھر بھی ہمیں معاف نہ کیا گیا۔
الغرض ایسے ہم موقف سے رجوع کر لینا کسی طرح نہیں کہہ سکتے بلکہ ان مظلومین
کی طرف سے اہل دنیا پر اپنی طرف سے اتمام حجت کا اظہار ہی کہہ سکتے ہیں۔
تاکہ ظالم اور مظلوم کا فرق خاص طور پر قیامت تک کے لئے واضح رہے اور بعد
میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اگر حسینؓ بیعت کر لیتے تو ہر گز قتل نہ ہوتے۔ اور حقیقت تو
یہ ہے کہ حسینؓ نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا اور اسی مقصد خاص کے لئے وہ
روانہ بھی ہوئے تھے۔ اگر یہ عظیم قربانی بشکل ذبح عظیم نہ دی جاتی تو شاید دنیا حسینؓ
کو اس قدر یاد بھی نہ کرتی جتنا انہیں شب و روز اب بجا طور پر یاد کیا جاتا ہے

اور یزید بھی اس ابدی لعنت سے بڑی حد تک بچ جاتا اور حق و ناحق و نور و ظلمت و خیر و شر اور عدل و جور میں تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا اہل نظر جانتے ہیں کہ قتل حسین کے واقعہ جاں گداز کو امت محمدی نے جس طرح زندہ رکھنے کا اہتمام کیا اس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی اور اس کی حکمت جناب خاتم المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنی مشہور و مقبول تصنیف سر الشہادتین میں بخوبی بیان کر دی ہے جس کا ایک حصہ ہماری اس کتاب میں دوسرے مقام پر نقل بھی کر دیا گیا ہے۔

کیا امام حسین صحابی رسولؐ نہ تھے

اس بحث کے لکھنے سے جناب مخاطب والا مقام کا مقصد اصلی یہ پایا جاتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ تو ایک طرف اوسط درجے کے صحابہ رسول سے بھی حسینؓ کا مرتبہ بدرجہا کم تھا۔ پس جلیل القدر صحابہ کے مقابل جناب حسینؓ کا کوئی قول یا فعل نہ تو قابل سند و باعث ترجیح ہی ہو سکتا ہے نہ امام حسینؓ ان صحابہ کے مدارج عالیہ ہی کو پہنچ سکتے ہیں بلکہ اس لحاظ سے تو تمام صحابہ کے مدارج امام حسین کے درجہ و منزلت سے بیش ہیں۔ امام حسین بوجہ کم عمری منصب صحابیت پر فائز نہ ہو سکے اس لئے وہ ہر بالغ صحابی سے مرتبہ و منزلت میں کم ہیں۔ بقول مخاطب امام حسین کو صحابۂ رسول میں شمار ہی نہیں کیا جا سکتا ہے زیادہ سے زیادہ تابعین کی جماعت ہی میں آپ کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے

جلیل القدر صحابہ کے مقابل آپ کا مرتبہ بہت کم سمجھنا واجب ہے۔ الغرض اس بیان سے ہمارے مخاطب کا مقصدِ حقیقی یہ معلوم ہوا کہ جہاں تک بھی ممکن ہو سکے حسنینؑ کے مدارج عالیہ کو کم از کم کر کے دکھایا جائے اور اس طرح دستاویز ناصبیت پر مُہر تصدیق ثبت کر دی جائے اب آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"ہم حسین کو صحابی رسول کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں جب کہ آپ کی عمر بوقت وفات رسول صرف پانچ سال تھی جس میں انسان کے قوائے عقلیہ کا بلوغ نہیں ہوتا ہے اور نہ نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ہم ان کو زیادہ سے زیادہ ایک تابعی ہی کہہ سکتے ہیں اور صحابہ اور تابعین کی جماعت کا فرق مدارج محتاج بیان نہیں ہے الخ۔"

بہت خوب۔ ہم بھی بطور تنزل تسلیم کئے لیتے ہیں کہ حسینؑ کا شمول صحابۂ رسول رسول میں نہیں ہو سکتا بلکہ اگر ارشاد عالی ہو تو یہ بھی تسلیم کر لیں کہ حسین کا شمار "والذین اتبعوھم باحسان" میں بھی نہیں ہو سکتا ہے مگر کیا اس تسلیم کر لینے سے حسینؑ (بلکہ حسنینؑ) کے مدارج عالیہ و مناقب متعالیہ میں جو قسام ازل نے ان کے لئے مخصوص کر دئے تھے کوئی کمی ہو سکتی ہے۔ جائے غور ہے کہ حسنینؑ صحابی رسول نہیں ہیں مگر سید اشباب اھل الجنۃ کی تشریف شریف سے مشرف ہیں کیا ہمارے مخاطب والا مقام بیان فرمائینگے کہ جلیل القدر صحابہ میں سے کتنے صحابہ اس منزلت علیا و مرتبت قصویٰ پر فائز نظر آتے ہیں۔ اصحاب عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مدارج صحابۂ کرام رضہ کی جماعت میں عام طور سے اہلسنت کی جماعت میں بیش تسلیم کئے جاتے ہیں اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے

ان کے اعمال حسنہ و خدماتِ جلیلہ پر نظر کرتے ہوئے ان کی حیات ہی میں ان کو مبشر بالجنہ کر دیا تھا بالکل یہی بشارت حسنینؓ کو بھی داخل جنت ہونے کی دی گئی البتہ اس بشارت عظمیٰ میں ایک مزیت کبریٰ جوانان بہشت کی سرداری کی بھی ان کے لئے مخصوص کردی گئی۔ مستثنےٰ حالات سے تو اس وقت بحث نہیں بیان فرمایئے کہ کتنے جلیل القدر صحابہ رضؓ کو اہل جنت کے مختلف طبقات کی سرداری کی بشارت آنحضرت صلعم نے دی تھی۔ کیا حسنین کی اس مزیت شرف و منزلت سے کسی طرح بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور کیا ان کی اس خداداد عزت و رفعت میں اہلسنت میں سے کسی کو بھی مجال چون و چرا ہو سکتی ہے۔ ہر خطبۂ جمعہ میں ہمیں حسنینؓ کی یہ منقبت عظیمہ مساجد مقدسہ اسلام میں سنائی جاتی ہے پس اگر ہم نے تنزلاً یہ تسلیم بھی کرلیا کہ حسنینؓ نہ تو والذین معہ کی بیان کردہ جماعت ہی میں شامل ہو سکتے ہیں اور نہ والذین اتبعوھم باحسان کی جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں بلکہ یہ بھی اگر مان لیں کہ یہ تبع تابعین کی جماعت میں بھی داخل نہیں ہو سکتے تو اس سے ان کے دیگر مراتب و مناقب مخصوصہ مقبولہ کس طرح متاثر ہو سکتے ہیں حسنینؓ باوجود عدم صحابیت رسول بھی جوانان جنت کے سردار ہی رہیں گے۔ پھر کیا شک ہے کہ تمام جوانان صحابہ اہل جنت کی سرداری کا استمراری پٹہ بارگاہ ایزدی سے حسب بیان حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنام حسنین لکھا جا چکا ہے۔ آپ ہزار بار بہ نظر استخفاف و تصغیر و تحقیر و توہین حسنین کو صحابہ رسول کی مقدس جماعت سے خارج فرما کر اپنے سرور قلب کا اہتمام بدانجام کئے جائیں مگر یہ اسی مقام پر نظر آتے رہیں گے جہاں انہیں نظر آنا چاہیئے۔

اب یہاں ہم حسنینؑ کے جلائل فضائل کے دفتر کی طویل بحث میں بنظر اختصار جانا نہیں چاہتے تمام عالم اسلام حسنین کے مراتب عالیہ ومقام ارفع سے بخوبی واقف ہے۔ انہیں صحابی رسول کہا جائے یا نہ کہا جائے ان کے تمام محامد ومناقب بہر حال وبہر صورت مسلمہ ومقبولہ ہیں۔ رسول مقبولؐ نے جو جو بشارتیں ان کے حق میں دیں اور جن جن شاندار الفاظ میں حسنینؑ کا مقام ارفع واعلیٰ بیان فرمایا ہے وہ تمام امت کے لئے علی الراس والعین ہی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کسی شخص کے اتنا کہنے دینے سے کہ حسنین تو صحابی بھی نہیں ہیں ان کی شان عالی میں کوئی کمی ہرگز نہیں تسلیم کی جا سکتی ہے اور کیا حسین منی وانا من الحسین کا ارشاد نبوی سماعت کر لینے کے بعد بھی کوئی شخص حسینؑ کی صحابیت زیر بحث کے عدم ووجود پر غور وخوض کرنا ضروری سمجھ سکتا ہے۔ بس اس وضاحت کے بعد اگرچہ یہ بحث چنداں اہم باقی نہیں رہتی کہ حسینؑ فی الواقع صحابی رسول ہیں یا نہیں۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ زیر بحث آ ہی گیا ہے غایت اختصار سے ہم یہاں اس پر بھی اظہار خیال کئے دیتے ہیں۔

سب سے پہلا سوال اس بحث میں یہ ہے کہ صحابی رسول کس شخص کو کہہ سکتے ہیں اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ (۱) الصحابی من لقی النبی مومنا بہ ومات علی الاسلام (نخبۃ الفکر) یعنی صحابی اسے کہتے ہیں جو رسول پر ایمان لا کر آپ سے ملاقات کر چکا ہو اور بحالت اسلام ہی فوت ہوا ہو (۲) الفصل الاول فی تعریف الصحابی واصح ما وقفت علیہ من ذلک ان الصحابی من لقی النبیؐ مومنا بہ ومات علی الاسلام

(الاصابہ فی تمیز معرفۃ الصحابہ) یعنی صحیح ترین تعریف صحابی کی ہمارے علم و یقین کی حد تک یہ ہے کہ صحابی رسول وہ ہے جس نے بحالت ایمان آنحضرت سے ملاقات کی ہو اور بحالت اسلام وفات پائی ہو۔ (۳) من صحب النبیؐ او رآہ من المومنین فھو صحابی (بخاری) یعنی جس شخص کو بھی حضورؐ کی صحبت حاصل ہوئی ہو یا آنحضرتؐ کو جماعت مومنین کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے جس شخص نے دیکھ لیا ہو وہ صحابی ہے۔

ان عبارات سے یہ امر واضح ہوا کہ صحابی ہونے کے لئے پہلی شرط ایمان کی ہے اور دوسری شرط بحالت ایمان آنحضرت کے دیدار و صحبت کی ہے۔ بعض دیگر علماء نے طول صحبت نبوی کی شرط بیان کی ہے اور بعض علماء نے طول صحبت نبوی کی شرط سے انکار کرتے ہوئے ولو لحظۃ ہی بیان کر دیا ہے بعض نے شرط ایمان کے ساتھ ہی ساتھ مومن کے بالغ ہونے کی شرط بھی بیان کی ہے۔ سب سے زیادہ جامع اور مختصر تعریف بخاریؒ ہی کی پائی جاتی ہے جو ابھی نقل ہوئی یعنی بحالت ایمان جس شخص کو بھی آنحضرتؐ کے دیدار کا شرف حاصل ہو گیا وہی صحابی ہے اور علامہ عسقلانی رح نے بھی فتح الباری میں ایک ہی مقام پر صراحت فرما دی ہے کہ بخاریؒ نے جو تعریف صحابی کی بیان فرمائی ہے وہ وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رح اور جمہور محدثین بیان کرتے ہیں "والذی جزم بہ البخاری وھو قول احمد والجمھور من المحدثین" اور وہیں یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ بعض اصحاب نے صحابیت رسولؐ کے لئے بلوغ کی جو شرط بیان کر دی ہے وہ مردود اور ناقابل تسلیم ہے "ومنھم اشترط

فی ذلک ان یکون حین اجتماعہ بالغا وھو مردود"

الغرض امام بخاری کی بیان کردہ صحابی کی تعریف کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس پر امام المحدثین حضرت احمد بن حنبل رح اور جمہور محدثین نے جزم کر لیا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جناب امام ہمام حضرت حسین علیہ السلام صحابی رسول قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ حضرت حسین ع کا مومن کامل ہونا محتاج ثبوت نہیں جسے ہمارے مخاطب بھی چار و ناچار تسلیم ہی کرتے ہیں۔ جناب حسین کی ملاقات رسول سے ہونا کسی طرح بھی محتاج ثبوت نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ حضور اقدس ص کی آغوش اطہر و مطہر ہی میں جناب حسین ع کی پرورش ہوئی۔ کیا خوب فرمایا ہے ترجمان حقیقت علامہ اقبال طاب ثراہ نے:-

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل

الغرض من لقی النبی یا من صحب النبی یا راٰہ من المومنین کا سوال حضرت حسین کی حد تک بالکل صاف بلکہ اجلی بدیہیات میں سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ امام احمد و امام بخاری و جمہور محدثین کی بیان کردہ تعریف صحابی کی شرط پر حضرت امام ہمام علیہ السلام بدرجہ حق الیقین صحابی رسول ص ثابت ہوتے ہیں۔ آپ مومن کامل بھی ہیں اور آپ نے شب و روز آنحضرت کی آغوش اقدس و مقدس میں تربیت بھی پائی ہے اور حضور اقدس ص کے جسد اطہر و مطہر پر سوار ہو کر نعم الراکب کا باعث ہزاراں فخر و مباہات تمغائے امتیاز بھی حاصل کیا ہے پس غلط کہتا ہے جو کوئی بھی کہتا ہے کہ حسین ع

صحابی رسول نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

ہمارے مخاطب عالی مقام نے صحابیت حسنین کی نفی بر بنائے کم عمری حسنینؑ کی ہے۔ اس کم عمری یعنی عدم بلوغ کے استدلال کو محدث عظیم و جلیل علامہ عسقلانی نے قطعاً مردود قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی ہمارے ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ:۔

وھو مردود اور فی الواقع جناب محدث ممدوح کا یہ استدلال نہایت وزنی اور ناقابل تردید ہے۔ آنحضرت کسی ایسے شخص کو کس طرح دعوت اسلام دے سکتے تھے جو قطعاً عقل و شعور سے عاری ہو اور اتنا صغیر ہو کہ اس میں کسی کلام کے سمجھنے کی صلاحیت نہو اور محض طفل رضیع اور قطعاً نافہم ہو۔ آنحضرتؐ نے جن جن اطفال صغیر کو دعوت اسلام دی اور اپنی بیعت سے مشرف فرمایا وہ ایسے ہی صغیر ہو سکتے تھے اور فی الواقع بھی تھے جن کے فہم و ادراک و صلاحیت کا اندازہ آنحضرتؐ نے بخوبی کرلیا تھا۔ ہم آنحضرت کے لئے ایک لمحے کے واسطے بھی یہ باور نہیں کر سکتے کہ آپنے بلا لحاظ صلاحیت ہی ان صغار مومنین کو دعوت اسلام دے کر اپنی بیعت سے سرفراز فرما دیا تھا۔

فقیہ و محدث عظیم و جلیل علامہ شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی علیہ الرحمہ اپنی مشہور "مسند ابی حنیفہ" میں تحریر فرماتے ہیں فلولا لم یکن الاسلام مقبولا عنہ لما دعاہ الیہ وکذا دعا عشر ذمۃ من اطفال الصحابۃ الی الاسلام وقبلہ منہم کما یظھر من کتب الاثر وقد بایع عبد اللہ بن زبیر .... وھم ابناء سبع سنین (ختم)

یعنی حضرت علامہ ممدوح فرماتے ہیں کہ اگر کم عمر اشخاص کا اسلام قابل

قبول نہ ہوتا تو آنحضرتؐ ان کو دعوت اسلام کی تکلیف ہی نہ دیتے۔ اس طرح آنحضرتؐ نے صحابہ کے اطفال صغیر کو دعوت اسلام دے کر ان صغار کا اسلام قبول فرمایا تھا جیسا کہ کتب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن جعفر وغیرہما نے آنحضرت سے بیعت کی اور ان کی عمریں چھ سات سال کی تھیں۔

اسی طرح ابن عساکر و طبرانی و حافظ ابو نعیم نے حضرت امام محمد باقر علیہ وعلی آبائہ السلام سے روایت کی ہو کہ "ان النبی بایع الحسن والحسین وعبد اللہ ابن عباس وعبد اللہ بن جعفر وھم صغار لم یعقلوا ولم یبلغوا"۔ یعنی آنحضرت نے جناب حسنین ؑ و عبد اللہ بن عباس ؓ و عبد اللہ بن جعفر ؓ سے بیعت لے لی در اں حالے کہ وہ عقل میں پختہ نہ تھے اور بالغ نہ ہوئے تھے۔

الغرض ان اکابر کی تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ کم عمر اشخاص کا اسلام قابل قبول ہے اور بلوغ کی قید اسلام اور صحت بیعت کے لئے جن اشخاص نے لگائی ہے ان کا قول قطعاً مردود ہے اگر مردود نہ سمجھا جائے تو خود جناب رسول مقبولؐ پر یہ اعتراض وارد ہو سکے گا کہ آپ نے ایسے کم فہم بلکہ نا فہم اشخاص کو کیوں دعوت اسلام دی۔ اور اپنی بیعت سے کیوں سرفراز فرمایا واعاذنا اللہ من ذلک۔

ہمارے مخاطب کا بیان یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ کی عمر بوقت وفات رسولؐ صرف پانچ سال کی تھی اور اس عمر میں طفل صغیر کم فہم ہوتا ہے اس لئے اس عمر کی حدیث رسول قابل تسلیم قرار نہیں دی جا سکتی۔ پس سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ صحیح

بیان مخاطب کیا جناب حسینؑ کی عمر بوقت وفات رسول صرف پانچ سال ہی تھی آپ کے برادر بزرگ جناب امام حسن کی پیدائش سنہ ۲ ہجری میں اور بقول بعض سنہ ۳ ہجری میں ہوئی ہے۔ علامہ ابن قتیبہ اپنی مشہور و معروف کتاب المعارف، میں جناب امام حسن کے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں۔ وکانت وفاته فی شهر ربیع الاول من سنة تسع واربعین وهو یومئذ ابن سبع واربعین سنة (المعارف مصنف ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الکاتب الدینوری مطبوعہ مطبع عامرۃ الشرفیہ مصر صفحہ ۱۷) مطلب یہ کہ امام حسنؑ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۴۷ سال تھی (ختم) اس سے معلوم ہوا کہ جناب امام حسنؑ کی پیدائش (۴۹ - ۴۷ = ۲) یعنی سنہ ۲ ہجری میں ہوئی تھی۔ دیگر کتب تاریخ و تذکرہ و انساب سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ جناب امام حسنؑ کی پیدائش سنہ ۲ ہجری میں ہی بقول اصح ہوئی تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب امام حسنؑ کی پیدائش سے کتنا زمانہ گذر لینے کے بعد جناب امام حسینؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بروایت واقدی اصابہ میں تصریح فرمائی گئی ہو کہ جناب امام حسن کی پیدائش سے پچاس راتیں گذر لینے پر جناب امام حسین کا حمل جناب سیدہ کے بطن مطہر میں قرار پایا تھا اور بقول علامہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ یہی اصح ہے" وقال الواقدی علقت فاطمة بالحسین بعد ولادة الحسن بخمسین لیلة (اصابہ) وهذا ارجح الروایات (نزل الابرار) نیز ملاحظہ ہو قال جعفر بن محمد لم یکن بین الحمل بالحسین بعد ولادة حسن الا طهر واحد (اسد الغابہ) یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حسین کا حمل ولادت حسن سے ایک طہر کے فصل سے قرار پایا تھا (ختم) ایسے ہی بیانات دیگر کتب ثقاۃ میں بھی درج ہیں ہم طول کلام سے بچنے کے لئے ان کو یہاں نقل نہیں کرتے ہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ جناب امام حسن کی پیدائش ۳ھ ہجری میں ہوئی اور اس ولادت سے ایک طہر گذرنے پر جناب امام حسینؑ کا علوق جناب سیدہ عالم وخاتون جنت علیہا السلام کے بطن مطہر میں ہوا۔ روایت یہ بھی ہے کہ چھ ماہ بعد ہی جناب حسین علیہ السلام کی ولادت ہوگئی تھی" قال بعض الرواۃ انہ ولد لستۃ اشہر" (نزل الابرار) لیکن اگر اس روایت سے قطع نظر بھی کر لیا جائے اور معمولی وضع حمل کی مدت نو مہینے ہی کی شمار کی جائے۔ تب بھی جناب امام حسینؑ کا سال ولادت ۴ھ ہجری ہی قرار پاتا ہے اور ان تصریحات کی موجودگی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ہفت سالہ زمانہ حیات نبی جناب امام حسینؑ نے یقیناً پالیا تھا۔ اس مقام تک کا حاصل بحث اس قدر ہے کہ ولادت حسین ۴ھ میں ہوئی اور آنحضرتؐ کا سال وفات ۱۱ھ ہے لہٰذا حسین کی ہفت سالگی حیات نبی میں بلاشبہ وشک ثابت ہے۔

عام طور پر پانچ چھ سال کی عمر میں بچے معمولی خرید و فروخت کے کام انجام دینے لگتے ہیں اور اس عمر میں معاملہ فہمی کا آغاز بخوبی ہو جاتا ہے۔ ہم نے بچشم خود بھی اب تک کئی حفاظ قرآن ایسے دیکھے ہیں جنھوں نے بعمر شش سالگی اپنے حفظ قرآن کا مشاہدہ کرایا اور امتحان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔ ایسے ہی امور پر نظر کرتے ہوئے تو شریعت کا یہ حکم نافذ ہے کہ سات سال کی عمر کے بچوں پر نماز پڑھنے کی تاکید کرو۔ اگر ہفت سالہ بچے کو نافہم محض ہی سمجھا جاتا اور اس کی عقل کا بلوغ کسی نہ کسی درجے میں تسلیم نہ کیا جاتا تو ان پر نماز کی تاکید اس طرح کیوں کی جاتی اور ہفت سالہ عمر کی عقل و شعور کی حد تک ہر عاقل اور

بالغ شخص بجائے خود بھی اپنی ہفت سالہ عمر کے واقعات کی یاد تازہ کرکے ہمارے
اوران اکابر کے بیانات اور قیام نماز کی حد تک احکام کی تصدیق کرسکتا ہے
اگر اس عمر میں عقل وشعور کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جاتا تو آنحضرت ہفت سالہ اطفال
سے کیوں بیعت لیتے۔ پس ان تمام بیانات کا واحد نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ جناب
امام حسینؓ نے بحالت فہم وشعور عمر ہفت سالگی حیات نبی میں پالی اور اس لحاظ
سے بھی آپ یقیناً صحابی رسول ہیں۔ آپ ریحان رسول بھی ہیں آپ سردار جوانان
جنت بھی ہیں۔ الغرض ہم کہاں تک آپ کے حسنات ومناقب کا شمار کر سکتے
ہیں۔ ان تمام محامد وفضائل کی تصدیق وتوثیق ہمارے علمائے متورعین
کثرہم اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے کرتے چلے آرہے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ منقبت
خوان حسنین رہیں گے۔ خواہ نواصب کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔

مخاطب عالی مقام نے اپنے استدلال کی بنا مورخ دمشقی کے ایک بیان
پر رکھی ہے اور یہ ثابت کرنے کی سعی نامحمود کی ہے کہ حیات نبی میں حسینؓ کی عمر
پانچ سال سے زائد نہیں ہو سکی اس لحاظ سے وہ صحابی رسول نہیں ہو سکتے،
ابن کثیر کا وہ بیان یہ ہے :- ادرک الحسنین من حیات النبی
خمس سنین اونحوھا (البدایہ والنہایہ) یعنی حیات نبیؐ میں سے حسنین
نے پانچ سال یا اس کے قریب قریب زمانہ پایا تھا (ختم) حیرت اور سخت حیرت
ہے کہ مورخ کے ان الفاظ سے عمر پنج سالگی کا حصر کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے
جب کہ اس حصر مبینہ کی نفی خود اس کے بیان اونحوھا (یعنی اس کے قریب
قریب مدت یا ایسی ہی مدت) کے بیان سے بخوبی ہو رہی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ

کہ "ادنخوھا" بیان کردینے سے مورخ کا مطلب یہ ہے کہ میں تخمیناً و قیاساً ایک سرسری اندازے کے طور پر پنج سالہ عمر حسین کا بیان لکھ رہا ہوں جس میں کمی بیشی کا امکان وجواز موجود ہے مگر ہمارے مخاطب عالی مقام نے تو یہ عہد کر لینے کے بعد ہی قلم چلایا ہے کہ ہر ناجائز طور پر بھی حسینؓ کو پنج سالہ یا اس سے کم ثابت کرکے اور ان کو منصب صحابیت رسول سے کسی نہ کسی طرح معزول کرکے ہی دم لیں گے خواہ "عبارت زیر استدلال ادنخوھا سے آپ کا استدلال باطل ہی کیوں نہ قرار پا جائے۔ کیا کہنے ہیں ایسے استدلال کے یہ فرمایا ہے -

عارف رومی علیہ الرحمہ نے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود   پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقیناً اس شعر میں ایسے ہی استدلال کرنے والوں کی طرف اشارہ کیا گیا جو اندھا دھند اپنے حصول مقصد کی آرزو میں یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ ہم جس عبارت کو مقصد برآری کی غرض سے استدلال میں پیش کر رہے ہیں خود اسی سے ہمارا مقصد و مدعا فوت ہو رہا ہے مورخ تو لکھ رہا ہے کہ "خمس سنین او نحوھا" اور ہمارے مخاطب خوش فہم فرماتے ہیں کہ صرف پانچ سال کی عمر تھی۔ اب اسے جہل کہا جائے یا تجاہل اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

افسوس صد افسوس آنحضرتؐ کے اہلبیت مقبولین دمجوبین محمد وحسین کی در پردہ عداوت کس کس رنگ میں جلوہ نما ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں تو حسینؓ کو منصب صحابیت رسول مقبولؐ سے معزول و برطرف کردینے ہی کے مدعی ہو گئے اور بخلاف منشائے مورخ لگے ثابت کرنے کہ حسینؓ تو صرف پنج سالہ ہی تھے پھر یہ صحابی کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہمارے مخاطب کی مہربانی ہے جو آپ نے حسینؓ کو صرف پنجسالہ تسلیم فرما کر طبقہ تابعین

میں بکمال عطوفت و عقیدت جگہ دیدی ورنہ آپ کا منشائے دلی تو غالباً یہی تھا کہ تابعین بلکہ تبع تابعین کی جماعت سے بھی کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر کے حسین کو خارج قرار دیا جائے۔ بہت خوب۔ اب ہم بپاس خاطر آنجناب تنزلاً یہاں تک بھی عرض کرنے کے لئے آمادہ ہیں کہ حسین پنج سال بلکہ پنج روزہ بھی نہ تھے بلکہ صرف دو روزہ ہی تھے مگر آپ اس کا جواب قبائے تسنن زیب تن فرما کر کیا دیں گے کہ باوجود دو روزہ ہونے کے بھی حسینؑ احد سیدی شباب اہل الجنۃ ہی رہیں گے اور نہ ان کے دیگر کثیر فضائل و مناقب میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ خواہ وہ ایک بار نہیں۔ ہزار بار صحابی رسول ثابت نہوں پس فرمائیے حسنین کے منصب صحابیت کی نفی کرنے سے آپ کا اصلی حقیقی و دلی مقصود تو پھر بھی حاصل نہوا اور حسینؑ بہر حال حسینؑ ہی رہے جن کے لئے زبان وحی ترجمان نبوی سے حسین منی وانا من الحسین کی منقبت عالیہ بیان ہوئی۔ وہی حسینؑ ہیں جو رسول اللہ کے پھول ہیں۔ وہی حسینؑ ہیں جن کو رسول مقبول نے اپنے دوش مبارک پر سوار کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ اللھم انی احبہ فاحبہ، پھر کیا ہوا جو آپ کے خیال فاسد و زعم کاسد میں حسینؑ بلکہ حسنینؑ صحابی رسول نہیں قرار پائے۔ بہت خوب۔ یوں ہی سہی حسین صحابی رسول نہیں ہیں نہ سہی نہ سہی نہ سہی۔

مخاطب خوش فہم نے اپنے زعم فاسد میں جناب امام حسینؑ کو منصب صحابیت سے خارج قرار دے لینے کے بعد جس عقیدتمندی سے انہیں تابعین کے گروہ میں جگہ دینے کے لئے استدلال فرمایا ہے وہ بھی قابل داد ہے ابن کثیر دمشقی کی یہ عبارت آنجناب نے اپنے دعوے کی تائید میں نقل فرمائی ہے:۔ وقد روی صالح بن احمد

بن حنبل عن ابیہ انہ قال فی الحسن بن علی انہ تابعی ثقة وھٰذا غریب فلاں یقول فی الحسین انہ تابعی بطریق الاولیٰ۔

(البدایہ والنہایہ) اور اردو میں اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ :- امام احمدؒ کے فرزند صالح نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حسن بن علی ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے۔ تاہم حسین کی حد تک بدرجہ اولےٰ کہا جائیگا کہ وہ تابعی تھے۔" (ختم)

مورخ دمشقی نے اس روایت کی حیثیت پہلے ہی وھٰذا غریب کہہ کر واضح کردی۔ جائے غور ہے کہ جس قول کو مورخ ہی غریب بیان کررہا ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے اسے کس طرح قابل وقعت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس تضعیف و تنقیص کی موجودگی میں روایت زیر بحث کی کیا وقعت باقی رہ گئی اور جب روایت کی اصل ہی مشکوک ہوکر مردود ہوگئی تو اس پر کوئی تفریع بدرجہ اولےٰ مشکوک و مردود ہوگی۔ اس قول ضعیف و مجروح پر مورخ دمشقی دراصل اعتراضاً یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر (بالفرض غلط) صالح بن احمد کی اس روایت کو صحیح باور کرلیا جائے کہ حسنؓ تابعی تھے تو حسینؓ کو جو عمر میں ان سے قدرے کم تھے بدرجہ اولی تابعی تابعی تسلیم کرنا پڑیگا (حالاں کہ حسین صحابی رسول مانے جاتے ہیں)

اب ہمارے ناظرین نے بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا کہ علامہ ابن کثیر دمشقی نے اپنے اس بیان میں اولاً صالح بن احمد کی بیان کردہ روایت زیر بحث کو غریب و مشکوک بلکہ مردود قرار دیا۔ کہ حسنؓ تابعی ہیں اور صحابی رسول نہیں ہیں اور اپنے اس اصل بیان کی فرع قرار دے کر مورخ مذکور نے یہ حجت پیش

کی ہے کہ اگر صالح کی بیان کردہ یہ روایت صحیح مان لی جائے تو حسین بدرجہٗ اولےٰ صحابیتِ رسول سے خارج ہو جائیں گے جو قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ مگر اس عبارت زیر بحث سے ہمارے مخاطب علام نے عجیب دل خوش کن مطلب حسب پسند خود اخذ فرما لیا ہے۔ ہمارے ناظرین مکرر ابن کثیر کی عبارت مندرجہ بالا پر غور فرمائیں کہ "فلان یقول فی الحسین انہ تابعی بطریق الاولیٰ" اس کو اردو میں حضرت مخاطب نے یوں بیان فرمایا ہے کہ تاہم حسین کی حد تک بدرجہٗ اولےٰ کہا جائیگا کہ وہ تابعی تھے۔ اگر مخاطب کی یہ اردو عبارت ترجمہ جس میں "تاہم" موجود ہے صحیح مان لیا جائے تو اصل بیان اور اس کی فرع میں تخالف صریح و تناقض قبیح پیدا ہو جائیگا اور عبارت کی تشریح و تحلیل میں اس 'تاہم' کی موجودگی سے اس عبارت کا مطلب یوں ہی بیان ہو سکے گا کہ "اگرچہ صالح کی بیان کردہ روایت غریب و مردود ہے۔ تاہم (پھر بھی) حسین بطریقِ اولیٰ تابعی ہی سمجھے جائیں"۔ "بطریق اولےٰ" بیان کر دینے سے اور بھی تخالف پہلے اصل بیان سے پیدا ہو گیا اور اصل و فرع کی ایک جنس باقی نہ رہی۔ در اصل ہمارے مخاطب نے فلان یقول الخ کا مطلب ہی صحیح بیان نہیں کیا البتہ اس عبارت کی حقیقی و واقعی تشریح وہی ہو سکتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی اور وہ یہ کہ صالح کی بیان کردہ روایت غریب اور تسلیم کر لینے کے قابل نہیں ہے اور اگر یہ روایت قابل تسلیم ہوتی تو حسینؓ عمر میں حسنؓ سے کم ہونے کے باعث بدرجہ اولیٰ تابعی مانے جاتے حال آں کہ حسین تابعی نہیں بلکہ صحابی رسول ہیں۔

حضرت حسینؓ کے صحابی رسول ہونے کی حد تک کتب صحاح و دیگر کتب اخبار

دآثار اس کی شاہد ہیں کہ ہمارے محدثین مقبولین علیہم الرحمہ نے حضرت امام ہمام سے اپنی کتب میں مرفوعاً روایت درج فرمائی ہے اور آنحضرت سے براہ راست وبلا فصل حضرت حسینؑ سے روایت لی گئی ہے کیا ہمارے ایسے ایسے محدثین والاشان علیہم الرحمہ اتنا بھی اندازہ نہ کر سکے کہ حسینؑ تو محض پنجسالہ طفل صغیر اور نافہم یا کم فہم بچے ہی تھے ان سے براہ راست وبلا فصل جناب رسول مقبول سے کس طرح اخذ روایت کا عمل جائز ہو سکتا ہے۔ علامہ عماد الدین حافظ ابن کثیر دمشقی کو محدثین کرام کے اس عمل شریف کا اندازہ بخوبی تھا اور اسی لیے انہوں نے اپنی اس عبارت میں واضح طور پر اپنا مسلک ظاہر کر دیا کہ حسنؑ تابعی نہیں بلکہ صحابی رسول ہیں اور اگر حسن کو بھی تابعی مان لیا جائے تو پھر بوجہ کم عمری حسینؑ بدرجہ اولیٰ تابعی قرار پا جائیں گے حالاں کہ محدثین کرام نے آنحضرت سے براہ راست وبلا فصل حضرت حسینؑ سے رسول مقبول کی حدیث بیان کی ہے جو قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ حسینؑ جمہور محدثین کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ثقہ صحابی رسول تھے اور بلحاظ اپنی فہم وعقل وشعور ومراتب عالیہ کے یقیناً اس قابل تھے کہ ان سے براہ راست رسولؐ سے روایت لی جائے۔ الغرض حسنین علیہما السلام صحابی رسول بھی ہیں اہلبیت رسول بھی ہیں۔ ریحان رسولؐ بھی ہیں ابن رسول بھی ہیں۔ خلیفہ راشد وامام برحق بھی ہیں۔ سید القوم بھی ہیں سید اشباب اہل الجنۃ بھی ہیں اور حسینؑ سید الشہدا بھی ہیں الغرض دونوں شہزادگان والاشان دین ودنیا کی ہمہ قسم کی سرداریوں کے جامع ہیں۔ ہمارا قلم ان کے فضائل ومحامد شمار کرانے میں یک قلم عاجز وقاصر رہا ہے۔ جب

تمام عالم اسلام ان کو اہلبیت رسول میں شمار کرتا ہے تو صحابیت رسول کا شرف تو خود بخود ہی ان میں موجود ہے کیونکہ ہر فرد اہلبیت یقیناً صحابی رسول بھی ہے مگر ہر صحابی رسول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اہلبیت میں بھی داخل و شامل ہو۔ اگر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بیرون بیت الرسول ہی صحابی ہیں تو حسنین اور جناب اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہ صحابی بیرون بیت رسول کے علاوہ صحابی اندرون بیت رسول بھی ہیں اور اس لحاظ سے ان مقدس افراد طاہرین کا دوہرا تعلق صحابیت سے قطعاً ثابت ہے۔ *بقیہ مضمون ہذا صفحہ ۴۳۵ سے ملاحظہ ہو

قال المخاطب:۔ حضرت حسین کوفہ کے عزم سے روانہ ہوتے ہیں کوفہ میں ان کے نائبین روز روشن میں ان کی حکومت کی بیعت لے رہے ہیں یا کہ خلافت کے خلاف علی الاعلان کارروائی کی جارہی ہے۔ اب فرمایئے جو عمل حضرت حسین کے خلاف کیا گیا اگر نہ کیا جاتا تو اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ کیا ان حالات میں کوئی حکومت بھی اپنی حفاظت سے غافل رہ سکتی ہے بس جو کچھ بھی عمل کیا گیا وہ حکومت کی حفاظت و صیانت ہی کی غرض سے تھا جس پر کوئی اعتراض ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمل اگر نہ کیا جاتا تو حکومت پر سخت الزام وارد ہوتا الخ۔ ~~اس بحث کا بقیہ مضمون کتابت سے رہ گیا ہے وہ صفحہ ۴۱۱ پر ملاحظہ فرمایا~~

الجواب:۔ یہ عجیب سوال ہے کہ حسین کے خلاف جو کارروائی کی گئی اگر نہ کی جاتی تو اور کیا کیا جا سکتا تھا دراصل اہلسنت کے نقطۂ نظر سے یہی بنیادی اعتراض تو حکومت یزید پر وارد ہوتا ہے کہ ان ملوک جائرین نے دولت اسلامیہ کو اپنی آبائی جاگیر قرار دے لیا تھا اور ممالک محروسہ کو اپنی ذاتی اور خانگی ملکیت

قرار دے کر اپنی غلامی کی بیعت لینی شروع کر دی تھی جس کا تفصیلی بیان ہم
دوسرے مقام پر لکھ چکے ہیں کہ نوک شمشیر غلامی کی بیعت لی جا رہی تھی اب
آپ ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ یزید کو ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیئے تھا۔
تمامی علمائے اہلسنت متفق اللفظ ہو کر بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ انہیں
احکام جائرانہ اور بیعت غلامی کے احکام سے مخلوق خدا نالاں تھی اور حاکم وقت
کے جور و استبداد و ظلم ناروا سے تنگ آ کر اہلِ عراق نے جناب امام ہمام
کو بہمہ وجوہ احق بیان کرتے ہوئے آپ سے امدادی حرکت کرنے کے لئے بار بار
طویل استغاثے کئے تھے اور اسی لئے جناب امام اِن مظلومین کی امداد و اعانت
کے لئے مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے اور حسب صراحت جناب خاتم المحدثین
و دیگر اساطین امت رح آپ پر امدادی حرکت کرنا واجب ہو چکا تھا کہ
اعانت المظلوم علی الظالم من الواجبات (یہ مضامین اس کتاب کے اوراق
میں بیان ہو چکے ہیں)

کوفہ میں جو بیعت مسلم ابن عقیل لے رہے تھے اس کی غرض خاص اس سے
زیادہ اور کچھ نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی کہ لوگ حضرت حسینؑ کے جھنڈے کے نیچے
جمع ہو کر اس حاکم ظالم و جابر کی غصبی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لئے
عملی اقدام کر سکیں۔ اہل کوفہ کی یہ بیعت مخصوص اس غرض کے لئے ہرگز نہ
تھی کہ حسین کی تخت نشینی یا تاج پوشی کا عمل و اعلان کیا جائے یا بالفعل ہی انہیں
سلطان وقت تسلیم کر لیا جائے۔ اب رہا یہ امر کہ حسینؓ کے اس اقدام کا نتیجہ بشرط
کامیابی کیا نکلتا یا نکل سکتا تھا۔ اس کا علم کسی کو نہیں ہے۔ خدا ہی جانے

کہ جناب سید الشہدا کے ذہن مبارک میں کیا کیا تجاویز دولت اسلامیہ کے آخری انتظام و انصرام کے متعلق موجود تھیں اور نہیں معلوم کہ بتقاضائے وقت و حالات آپ کیا کیا عمل فرماتے۔ اگر ہمارے ان بیانات کو کوئی شخص تسلیم نہیں کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ جناب امام ہمام کا کوئی ایسا بیان پیش کرے، کہ یہ اقدام خاص اسی غرض سے کیا جا رہا ہے کہ یزید کو تخت سلطنت سے برطرف کر کے میں خود ہی سریر سلطنت پر جلوس کروں گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلم ابن عقیل نے جو بیعت کوفہ میں لی اس کی غرض خاص یہ ہرگز نہ تھی کہ حضرت امامؑ کو بالنفس سلطان وقت تسلیم کر لیا گیا بلکہ مقصد اصلی یہی تھا کہ اس بیعت میں عبوری دور کے لئے اپنا آمر و قائد اس غرض خاص کے لئے جناب امام کو بیعت کنندگان نے تسلیم کیا تھا کہ سلطان غاصب و جائر و جابر و متغلب و مستبد کے خلاف اس کی برطرفی کے لئے عملی اقدام کریں۔ اور اسی مقصد وحید کے لئے سب لوگ جناب امام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر آپ کی ہدایت و قیادت میں حسب ہدایت عمل کر سکیں۔ کسی مورخ یا کسی دوسرے مصنف کے محض یہ لکھ دینے سے کہ حسینؑ اپنی ذات خاص ہی کے لئے تخت و تاج حاصل کرنا چاہتے تھے یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ نفس واقعہ بھی یوں ہی ہے (یہ بحث بھی اپنے مقام پر بہ تفصیل قلمبند ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائی جائے)

اب رہا یہ اہم سوال کہ حسینؑ کے خلاف جو کارروائی کی گئی اگر حکومت وقت یہ کارروائی نہ کرتی تو اور کیا کرتی۔ اس سوال کا جواب اہلسنت کے مسلمات و معتقدات کی بنا پر نہایت آسانی سے دیا جا سکتا ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی

میں عمل کرنا بہر حال واجب تھا۔ اگر فی الواقع یزید ابن معاویہ کی نیت بخیر
ہوتی اور خدا ورسولؐ کے احکام کی تعمیل خلوص دل سے مدنظر ہوتی تو یزید کو اس
سلطنت جائرہ غصبیہ کے تخت وتاج سے فوراً ہی دست بردار ہو جانا چاہیئے تھا
اور محسوس کر لینا چاہیئے تھا کہ یہ حکومت وسلطنت جبراً وقہراً ودرہماً ودیناراً بخلاف
احکام خدا ورسول وبخلاف منشائے کافہ مسلمین وصحابہ موجودین رضی اللہ عنہم
اور دو برحق خلیفوں کے خلاف بغاوت کر لینے اور ہزاروں مسلمین کا خون کر دینے
کے بعد حاصل کی گئی ہے لہٰذا اس سے دست برداری بہر حال اولیٰ بلکہ واجب ہے
لیکن جہاں خدا ورسول کے احکام کو اپنی اغراض منکرہ نفسانیہ کے لئے دیدہ
ودانستہ پامال کیا جارہا ہو وہاں حسن نیت وخلوص عمل کا کوئی سوال ہی
درپیش نہیں ہو سکتا۔ چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد۔ یزید تو کتاب وسنت
کی پیروی کی سعادت سے محروم ہی رہا۔ البتہ بمصداق "اگر پدر نتواند پسر تمام
کند" اس کے فرزند معاویہ بن یزید نے یہ سعادت حاصل کرلی اور حکومت غصبیہ
جائرہ کے خوش نما مگر مہلک تاج کو اس نے اپنے سر سے اتار پھینکا۔ اپنے باپ دادا
کے اعمالِ جائرہ کی توضیح وتشریح بھی اس نے اپنی اس آخری تقریر میں خلع
حکومت کے وقت بخوبی کر دی اور اپنے باپ یعنی یزید اور دادا یعنی امیر معاویہ کے
عدم استحقاق وعدم اہلیت ورہین ذنوب ہونے کا بیان بھی اس نے غایت
وضاحت سے اس تقریر میں کر دیا اور اسی لئے یزید کا بیٹا تاریخ اسلام میں نیک نام
بھی ہے اس کی یہ تقریر تاریخ کامل وصواعق محرقہ اور دیگر مشہور کتب میں درج
ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور ہماری اس کتاب میں بھی ایک مقام پر بزبان اردو نقل

ہوئی ہے ملاحظہ فرمائی جائے۔ نیز ملاحظہ ہو ازالۃ الغین ص ۲۷۔

اور اسی طرح خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کا واقعہ بھی ہے آپ ملوک جائرین کی سنتِ موکدہ جاریہ کے اصول پر تخت نشین کرا دئے گئے تھے۔ مگر تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ کافہ مسلمین سے آپ نے بوضاحت تمام فرما دیا کہ میرا تقرر اس حکومت کے لئے غیر اسلامی طور پر ہو گیا ہے لہٰذا مسلمان کسی دوسرے شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ مگر تمام امت نے آپ ہی پر اتفاق کر لیا اور آپ خلیفہ صالح و خلیفہ عادل قرار پائے۔ یہ واقعہ تمام کتب تواریخ میں درج ہوتا چلا آرہا ہے خدا کی شان نظر آتی ہے نا کارہ پتھروں کے انبار ہی میں سے کبھی کبھی ہیرا بھی نکل آتا ہے۔

یہ دو جلی مثالیں خاندان بنی امیہ ہی کی ہیں۔ اگر احکام خدا و رسول پر یزید کو عمل کرنا منظور ہوتا تو بآسانی وہ بھی اپنے خلف الرشید یا خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کے طرز پر عمل کر سکتا تھا۔ مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں کہاں لکھی تھی اس سلطنت غصبیہ جائرہ کی حفاظت و صیانت کے اہتمام بے جا میں ناروا ہیں جن جن شنائع و قبائح و مظالم کا وہ مرتکب ہوا ہے وہ کسی کی وکالت و حمایت کی نحیف آواز سے چھپ نہیں سکتے۔ ابن رسول اللہ کا مع اعوان و انصار سفاکانہ قتل مدینہ منورہ و مکہ معظمہ پر تاخت اور مسلمانوں کا قتل عام اور احراق کعبۃ اللہ اور دیار و امصار کی تاراجی یہ سب وہ چند کارنامے یزید بن معاویہ کے ہیں جو رہتی دنیا تک نہیں بھلائے جا سکتے۔

یہاں تک کہ علامہ ابن کثیر دمشقی جو حمایت بنی امیہ کے لئے خاص طور پر مشہور

ہیں یزید کے حالات میں ان الفاظ میں تبصرہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبید اللہ بن زیاد وقد وقع فی ثلاثۃ ایام من المفاسد العظیمۃ فی المدینۃ النبویہ مالا یحد ولا یوصف مما لا یعلمہ الا اللہ عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن عقبہ توطیہ سلطانہ وملکہ ودوام ایامہ من غیر منازع فعاقبہ اللہ بنقیض قصدہ وحال بینہ وبین ما یشتھیہ نقصمہ اللہ قاصم الجبابرہ واخذہ اخذ عزیز مقتدر وکذالک...... ان اخذہ الیم شدید

(البدایہ والنہایہ) یعنی یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام حسین ؑ اور آپ کے رفقاء کو یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ اور مدینہ کو جو تین دن کے لئے اس نے مباح کرا دیا تھا۔ اس مدت میں جو جو مفاسد عظیمہ رونما ہوئے وہ ناقابل تشریح و بیان ہیں سوائے خدائے عزوجل کے اور کون ان کو جان سکتا ہے۔ مسلم بن عقبہ (مسرف) کو اس نے اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ اس کی حکومت مستحکم ہو اور کوئی بھی منازع باقی نہ رہے۔ لیکن اللہ نے اس کے مقصود کے خلاف اسے عقوبت میں ڈال دیا۔ اور اس کی خواہش میں مانع و حائل ہو گیا اور اسے اس طرح قطع کر دیا جیسے جبارین قطع کئے جاتے ہیں اور جس طرح صاحب قدرت مضبوط گرفت سے پکڑتا ہے ایسے ہی یزید کو پکڑ لیا اور ایسے ظالم قریوں کے لئے بتر ے رب

کی گرفت سخت ہوتی ہے اور خدا کی گرفت نہایت شدت سے الم انگیز و شدید ہوتی ہے (ختم)

دیکھا جناب والا آپ نے آپ کے پسندیدہ مورخ عظیم و جلیل علامہ ابن کثیر دمشقی نے آپ کے سوال کا کیا خوب جواب ارقام فرمادیا ہے کہ یزید نے اپنی حکومت جائرہ کی بقاو حفاظت وصیانت کے لئے کیسے کیسے اعمال حسنہ کا ارتکاب کیا ہے۔ جن کی بدولت وہ اس طرح عذاب خداوندی میں ماخوذ ہوا اور تمام دنیا نے جان لیا کہ ان بطش ربک لشدید میں کی تفسیر و توضیح کس طرح یزید نے اپنے ان اعمال جائرہ سے مبتلائے عذاب ہو کر بذات خود کردی ہے۔ اب تو غالباً ہمارے مخاطب عالی مقام کا ہے یہ بیان کرنے کی ہمت نہ فرمائینگے کہ اگر یزید اپنی خلافت راشدہ کی حفاظت وصیانت کے لئے یہ اعمال نہ کرتا تو اس پر سخت الزام وارد ہوتا کہ اس نے سیاست میں سخت غفلت برتی۔ کیا یہ وہی خلافت راشدۂ امیرالمومنین یزید (؟) تو نہیں ہے جس کے لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے باب الفتن میں بروایت حضرت ابوہریرہ قول نبی نقل فرمایا ہے کہ ھلکتہ امتی علی ایدی غلیمہ من قریش" یعنی میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس حدیث نبوی مرویہ بخاری کی شرح میں جابجا ہمارے شارحین حدیث علیہم الرحمہ اور دیگر علمائے کرام نے توضیح فرمادی ہے کہ ان قریشی چھوکروں سے مطلب یزید اور ایسے ہی اشخاص سے ہے کوئی دوسری جماعت اس حدیث میں

شامل نہیں کی جاسکتی ہے۔ خاص یہی بحث لکھتے ہوئے جناب سند المتکلمین اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں :۔" آں کہ حضرت پیغمبرؐ فرمودند کہ بعد از من حکام بروئے کار آیند کہ روش مرا تغیر دہند و جمعی درانہا با ضلال و تلبیس مثل ابلیس باشند یعنی یزید و دیگر اخوان معنوی او کہ بصورت انسان بودند و در معنی ابلیس و شیطان گمراہ کنندہ امت و مبدلین دین و ملت چنانچہ خود در حدیث دیگر ارشاد فرمودہ اند ھلکۃ امتی علی ایدی غلمۃ من قریش" و در شروح و حواشی بتفصیل نوشتہ اند کہ مراد ازیں غلامان یزید بن معاویہ و عبید اللہ ابن زیاد و مانند ایشان اند از احداث و نوسالان بنی امیہ خذلہم اللہ الخ (ازالۃ الغین صفحہ ۷۰۹) پس اگر ایسے ایسے امت کے ہلاک کرنے والوں کے خلاف جناب امامؑ نے امت کو مجتمع کرنے کی سعی محمود شروع کی. تو فرمایئے کیا قصور کیا تھا. قطع نظر علامہ عسقلانی و عینی وغیرہما شارحین حدیث کے جن کی طرف جناب سند المتکلمین رحؒ نے اپنے اس بیان میں اشارہ کیا ہے۔ خود راوی حدیث حضرت ابوہریرہ نے بھی اپنے ایک بیان میں اس امارت صبیان کی تشریح فرما دی ہو جسے شارحین حدیث نے متعدد مقامات پر نقل کر دیا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس حکومت جائرہ یزید ابن معاویہ سے پناہ مانگتے تھے۔ بروایت ابن ابی شیبہ علامہ عسقلانی علیہ الرحمہ قول ابوہریرہ رضؓ فتح الباری میں نقل فرماتے ہیں " ویقول اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان "۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں سنہ ۶۰ ہجری اور امارت صبیان کا مشاہدہ

نہ کرسکوں (بلکہ اس سے قبل ہی فوت ہو جاؤں)

حضرت ابو ہریرہ کے اس بیان میں سنہ ۶۰ھ کے بیان سے وضاحت ہو گئی کہ امارت صبیان سے مطلب خاص یزید ہی کا زمانہ ہے کہ اسی سال یزید کی تاج پوشی و تخت نشینی کا عمل ہوا تھا۔ ان تمام تشریحات سے معلوم ہوا کہ یزید کی حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے اس قدر فاسد و مردود ہے کہ مشاہیر صحابہ، جیسے حضرت ابو ہریرہ اس سے پناہ مانگتے اور اس کے آغاز سے قبل ہی مر جانے کی تمنا بارگاہ ایزدی میں بیان کرتے تھے۔"

ابھی ان احادیث کی بحث میں توسیع و تفصیل کے لئے میدان بہت وسیع ہے، مگر یہاں قلتِ گنجائش کے باعث اس بحث کو ہم ناتمام ہی ختم کئے دیتے ہیں اور دیگر اساطین اہل سنت و محدثین و شارحین حدیث و مورخین ثقات کے بیانات نقل نہیں کرتے ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث نبوی کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہ ہیں اور دوسری روایت مندرجہ بالا میں امارت صبیان کی شرح بھی خود آپ ہی نے فرما دی الغرض راوی اور شارح حدیث ایک ہی ہیں جس سے مزید توثیق ہو گئی۔ ×

× [illegible]

اب اگر باغراض بحث ہم یہاں یہ بھی فرض و تسلیم کر لیں کہ جناب امام حسینؑ نے حیات جناب سرور کائنات میں سے پانچ سال اور صرف پانچ ہی سال کا زمانہ پایا تھا تب بھی غایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جناب امام ہمامؑ کی صحابیتِ رسول تسلیم ہونے میں کوئی قباحت لازم نہیں ہوتی ہے پنج سالہ عمر میں عام طور پر بچوں میں اتنا شعور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ معمولی معمولی

معاملات کو سمجھ لیتے بلکہ چھوٹے چھوٹے داد وستد کے کاروبار بھی انجام دے لیتے ہیں اور نیک وبد میں تمیز کر لینے کا آغاز نمایاں طور پیدا ہونے لگتا ہے بکثرت ایسے بچے ملیں گے جنھوں نے پنج سالہ عہد طفولیت میں غیر معمولی ذہانت و عقل وشعور کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر جناب امام ہمامؑ کی حد تک ایسی کوئی شکل درپیش نہ ہوتی تو خود جناب سرور کائناتؐ ہی حضرت حسینؑ کو محض بے عقلی و بے شعوری کے عالم میں ان کو شرف بیعت سے کس طرح مشرف فرما سکتے تھے۔ آپ نے بایں ہمہ خرد سالی حسینؑ کو دعوت اسلام بھی دی اور شرف بیعت سے بھی مشرف فرمایا اور جناب حسینؑ کی استعداد و صلاحیت خداداد اور اپنے کشف خاص کی بنا پر جناب حسینؑ کو سیادت جوانان بہشت کی بشارت بھی دیدی۔ یہی تو وہ مدارج عالیہ حسنین علیہما السلام تھے۔ جو لوگوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم بحیثیت ایک مسلمان کے اس سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ جماعت مقدسہ انبیاء علیہم السلام و دیگر خاصانِ خدا و مقربان حضرت جل و علا سے عہد طفلی و خرد سالی بلکہ بزمانہ رضاعت ہی غیر معمولی طور پر خوارقِ عادات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور بعض دیگر انبیاءؑ کے حالات کسی تعلیم یافتہ مسلمان سے مخفی نہیں اور خود کلام الہٰی اس پر ناطق ہے کہ تکلم فی المھد انہوں نے کیا۔ اور یہ تو انبیاء جلیل القدر تھے مابعد کی جماعت اولیا میں بھی ایسے خوارق عادات کا وجود بکثرت ملتا ہے مثال کے طور پر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی جناب غوث الثقلین علیہ الرحمہ

کے بعض حالات جو بزمانہ شیر خوارگی ظاہر ہوئے اور جو بکثرت مشہور و معتبر
کتب مثلاً قلائد الجواہر و گلدستہ کرامت و اقتباس الانوار و مرات
الاسرار و سفینۃ الاولیا و خزینۃ الاصفیا و بہجت الاسرار اور دیگر
مشہور و معروف کتب تذکرۃ اولیاء اللہ میں درج ہیں پیش نظر رکھنے کی
ضرورت ہے جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیسے کیسے خوارق کا ظہور ان
سے زمانہ رضاعت میں ہوا ہے مثلاً یہ کہ آپ نے ماہِ صیام میں اوقات صوم
میں اپنی مادر محترمہ کا دودھ ہی نہیں پیا اور صائم رہے وغیرہ۔ اور جناب
سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کے مراتب عالیہ تو کسی عقیدتمند سے بھی ہرگز
مخفی نہیں ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ آپ نے دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے
اذان و اقامت کی صدائے ایمان فروز خود جناب رسالت مآب ؐ کی زبانی
اپنی سماعت میں محفوظ کی اور حضور اقدس کی زبان وحی ترجمان اپنے
نازک نازک لبہائے لعلیں سے چوسی تھی اور شب و روز حضور ؐ کی آغوش
مبارک میں اور خاص اُس مکان میں جو محلّ ورود جنود ملائک اور غایت
مقصد و مقصود متمکنین فیہا علی الارائک تھا۔ پرورش پائی تھی اور پھر اسی
آغوش اقدس و مقدس میں سوار ہو کر کارزار مباہلہ کے فاتحین میں شمول
کے لیے بایں ہمہ صغر سن برآمد ہوئے تھے۔ اے سبحان اللہ! اِن کے
مراتب عالیہ و مناقب متعالیہ کے بیان کرنے کے لیے زبان و قلم عاجز ہیں۔
اگر یہ صحیح ہے کہ النبی نبی ولو کان صبیاً تو کوئی شک نہیں
کہ الامام امام ولو کان غلاماً بھی اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے۔

اگر بزمانہ خوردسالی ہی جناب امام ہمام کو غیر معمولی فہم وشعور قدرت نے عطا فرمادیا ہو تو کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو اس میں یارائے دم زدن ہی نہیں ہو سکتا وھو ان کان صغیر السن فھو عظیم القدر رفیع الشان وصغر السن فیھم لا یمنعھم من الکمال۔

خاتمہ حصۂ اوّل کتاب ھٰذا

اس کتاب کی ضخامت کا جو اندازہ ابتدا میں قائم کیا گیا تھا ان حدود سے یہ حصہ کتاب متجاوز ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے بقیہ مضامین اس کے حصہ دوم میں انشاء اللہ ناظرین ملاحظہ فرما سکیں گے۔ ایک مختصر فہرست مضامین جو حصہ دوم میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے یہاں درج کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ سہ بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی۔

وہ مختصر فہرست مضامین ملاحظہ ہو۔ امیر معاویہ کی مبینہ خطائے اجتہادی پر بحث۔ آنحضرت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر سلف یا بعد کے بعض اقوال امیر معاویہ کے متعلق۔ امیر معاویہ کے خلاف بغاوت کے علاوہ ان کی بعض دیگر مبینہ الزامات کا بیان اور اساطین اہلسنت کے مخالف و موافق بیانات۔ حضرت مخاطب کے بعض بعض خاص فقرات اور بیانات کے جوابات۔ عبد اللہ ابن سبا کی ذات اور اس سلسلے کے بعض بیانات پر بحث۔ اہل اسلام میں یزید اور معاویہ، نام عام طور سے کیوں نہیں رکھے جاتے اور ان سے کیوں کراہت کی جاتی ہے اور اس سلسلے میں حضرت مخاطب کے بعض بیانات

کے جوابات - بنی امیہ اور بنی ہاشم میں بعد معرکۂ صفین و کربلا باہم تعلقات منافحت کی تحقیق اور حضرت مخاطب کے بیانات کے جوابات - حضرت محمد ابن الحنفیہ اور ان کے برادر جناب عمر ابن علی ع کا کردار متعلق اقدام جناب امام حسین ع — جناب امام ہمام حضرت حسین علیہ السلام کی تواریخ روانگی کوفہ اور ورود بمیدان کربلا پر بحث اور تیز رفتاری پر اعتراضات کے جوابات - واقعات کربلا پر مذاہب و ممالک غیر کے بعض محققین کے بیانات اور مخالفین کے جوابات - مکہ معظمہ سے روانگی کوفہ کے وقت حضرت ابن عباس رض اور بعض دیگر اصحاب کا مشورہ جناب امام ہمام علیہ السلام کو اور آپ کے انکار پر بحث بموقف جناب امام زین العابدین علیہ و علیٰ آبائہ السلام اور بعد واقعہ کربلا آنجناب کے بعض اقوال و اعمال پر بحث اور مخاطب کے بیانات کے جوابات - کردار عمر ابن سعد و کردار ابن زیاد - یزید کی تفسیق و تکفیر پر علمائے اہلسنت کے بیانات - امیر معاویہ و یزید بن معاویہ کے مبینہ حلم و کرم پر بحث - حصۂ نظم وغیرہ وغیرہ -

حصہ اول کی طباعت کے ساتھ ہی ساتھ حصۂ دوم کا صاف شدہ مسودہ بغرض کتابت مطبع دیا جا رہا ہے - اگر کوئی مانع قوی درپیش نہ ہو گیا تو امید ہے کہ مستقبل قریب ہی میں ناظرین کے ملاحظے سے گذریگا - ہمیں حصہ اول کی تاخیر طباعت پر بہت افسوس ہے مگر خیر - خدا کرے "دیر آید ولے درست آید" کا مصداق ثابت ہو اور ناگزیر تاخیر پر ہم بجز اس کے اور کیا کہیں کہ

گر دیر برآئیم زگرداب بیندیش کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

ایّھا الناظرین۔ اب ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ والسلام علیکم۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا